The Drinched Book

text fiy book

زمانہ

مرتبہ دیا نرائن نگم بی اے

جلد ۲۹	جولائی ۱۹۲۲ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

تصویر۔ انتظار (رنگین)

۱۔ گلشن راز — از حکیم سید شمس اللہ قادری ایم آر اے ایس، ایف، آر، ایچ، ایس — ۳۴۹

۲۔ عمر خیام — از نواب سید خاقان حسین عارف — ۳۵۵

۳۔ میر مونس و سلطان عالیہ — از مرزا جعفر علی خان اثر بی اے — ۳۶۳

۴۔ برادران ہنود — از ابو الوالا محمد زکریا مائل نیوتنوی — ۳۷۳

۵۔ ہندوستانی — از مسٹر بشمبھر ناتھ کوشک — ۳۸۰

۶۔ تنقید کتب — از حضرت اعظمی — ۳۹۴

۷۔ نعت — از حضرت شعر (گونڈہ) — ۳۹۹

۸۔ گوہر منظوم — از حضرت ذہین — ۴۰۰

۹۔ نغمۂ مغموم — از حضرت سرور جہان آبادی (مرحوم) — ۴۰۱

۱۰۔ لطف سخن — (۱) جناب یاس (۲) جناب زار یاس لکھنوی (۳) جناب حسرت موہانی — ۴۰۳

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

زمانہ

جلد ۳۹ — جولائی سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۱

گلشن راز

تصنیف شیخ نجم الدین محمود شبستری[1]

نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری - ایم - آر - اے - ایس - ایف - آر - ایچ - ایس

آذربائجان میں تبریز کے قریب سات فرسخ کے فاصلہ پر شبستر نام ایک قصبہ آباد ہے۔ شیخ محمود یہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالکریم بن یحیی تھا، اور وہ ذی علم و صاحب تقوی بزرگ تھے، والدہ اغستانی کا بیان ہے کہ ان کو کمال اسمعیل اصفہانی سے قرابت تھی

تاریخ و تراجم کی کتابوں میں شیخ محمود کا لقب سعدالدین تحریر ہے، لیکن مولانا شمس الدین محمد لاہجی نے اپنی کتاب گلشن راز میں نجم الدین لکھا ہے، قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المؤمنین میں اسی آخرالذکر قول کی اتباع کی ہے،

مستشرقین کی تحقیقات کے موافق ہلاکو خاں (۱۲۵۵ء تا ۱۲۶۳ء) کے عہد حکومت میں شیخ محمود کی ولادت ہوئی ہے اور سن تمیز کو پہونچنے کے بعد تبریز میں آکر انہوں نے علم حاصل کیا ہے،

شیخ محمود کو ابتدائے عمر سے تصوف کے ساتھ دلبستگی تھی اس زمانہ میں شیخ امین الدین ایک مشہور بزرگ تبریز میں رہتے تھے۔ شیخ محمود نے تبریز میں آنے کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہکر فیض حاصل کرتے رہے۔

۱۳۲۰ء میں جبکہ آل چنگیز کے اخیر فرمانروا سلطان ابوسعید (۱۳۱۶ء تا ۱۳۳۶ء) کی حکومت تھی شیخ محمود نے انتقال کیا، وطن شبستر میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار مدت تک زیارت گاہ خاص و عام تھا،

گلشن راز کے علاوہ شیخ محمود کی اور بھی تصنیفات ہیں جنکی تفصیل یہ ہے، رسالہ شاہد، سعادت نامہ، حق الیقین، بعض

[1] شبستری

تذکروں سے ثابت ہوتا ہے شیخ محمود نے مثنویات کے علاوہ غزلیات و رباعیات بھی لکھی تھیں لیکن وہ اس وقت ناپید ہیں۔
مجالس العشاق اور ہفت اقلیم میں چند رباعیاں تحریر ہیں جنکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

جز آتش عشق در دلم سوز مباد | جز عارض او شمع شب افروز مباد
روزے کہ دلم شاد نباشد بغمش | در گردش ایام من آں روز مباد

در دیر مغاں صراحی و جام نماند | ز آغاز اثر و نشاں ز انجام نماند
کو پیر مغاں و زاہد گوشہ نشیں | کز مسجد و میخانہ بجز نام نماند

رسالہ شاہد کا ذکر مجالس العشاق میں آیا ہے لیکن اسوقت ناپید ہے۔
سعادت نامہ منظوم ہے اور گلشن راز کے بعد لکھا گیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کا ایک نفیس نسخہ انگلستان کے دار النوادر میں محفوظ ہے، جسکی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

حمد فضل خدائے عز و جل
ہست بر بندہ واجب از اول

حق الیقین فی معرفت رب العلمین تصوف میں چھوٹا سا رسالہ ہے، صوفیائے کرام اُسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، شیخ نے اسمیں عرفان و حقایق کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں، حاجی خلیفہ نے اس کا بھی ذکر کیا ہے، ذوالفقار اردستانی نے اپنی کتاب دبستان مذاہب میں عقائد صوفیہ کو بیان کرتے ہوئے وحدانیت اور صفات باری تعالیٰ کے مضامین اسی سے اقتباس کئے ہیں، یہ رسالہ کمیاب ہے۔ حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں اسکا ایک نسخہ فن تصوف میں نمبر ۴۳۴ پر موجود ہے جو ہماری نظر سے گذرا ہے، اس کے مضامین آٹھ ابواب پر منقسم ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

باب اول ۔ در ظہور ذات حق تعالیٰ و بیان مقام معرفت،
باب دوم ۔ در ظہور صفات حق تعالیٰ و بیان مقام علم،
باب سوم ۔ در مظاہر تنزلات و مراتب آں،
باب چہارم ۔ در حقیقت وحدت و وجوب او،
باب پنجم ۔ در ممکن الوجود و کثرت او،

باب ششم ۔ در تعیین حرکت و تجدد ذات،

باب ہفتم ۔ در حکمت تکلیف و بیان جبر و قدر،

باب ہشتم ۔ در معاد و بیان حشر و نشر و حقیقت فنا و بقا،

ڈاکٹر ایتھے نے مراۃ المحققین کو بھی جو تصوف کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، شیخ محمود کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ رسالہ شیخ کی تصنیف سے نہیں ہے۔ اسکے مصنف کا اگرچہ نام معلوم نہیں ہے لیکن مولانا اعجاز حسین لکھنوی نے کشف الحجب الاستار میں بصراحت بیان کیا ہے کہ اسکو کسی شیعہ عالم نے تصنیف کیا ہے، اور دسویں صدی کے اوایل میں ہندوستان میں اسکی تصنیف عمل میں آئی ہے،

گلشن راز شیخ محمود کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور اور مقبول عام کتاب ہے، یہ کتاب ۷۱۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے، اسکی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ خراسان کے مشہور و معروف امیر سید حسینی نے سترہ سوال لکھے اور انہیں تبریز میں روانہ کیا، یہ سوالات عرفان کے اسرار و رموز کے متعلق تھے، اور انمیں مسئلہ وحدت الوجود کے حل و عقد کی خواہش کی گئی تھی، نامہ بر نے جب ان سوالات کو بزرگان تبریز کے یہاں پیش کیا تو سبھوں نے ایک مجلس منعقد کی اور ہمزبان ہو کر شیخ محمود سے ان کا جواب لکھنے کی خواہش کی، شیخ محمود کے پیر شیخ امین الدین تبریزی بھی موجود تھے انہوں نے بھی سب کے ساتھ اتفاق کیا، الحاصل مولانا نے جواب لکھنا شروع کیا، سوالات منظوم تھے اسلئے جوابات بھی نظم میں لکھے، اور جب یہ رسالہ ختم ہوا تو اس کا نام گلشن راز رکھا چنانچہ ان تمام واقعات کو خود شیخ نے اس طرح بیان کیا ہے،

گذشته هفت ده از هفت صد سال	زهجرت ناگهاں در شهر شوال
رسولے با هزاراں لطف و احسال	رسید از خدمت اهل خراساں
بزرگے کاندر آنجا بود مشهور	در اقسام هنر چوں چشمهٔ نور
جهان و جان و تن را نور عینی	امام سالکاں سید حسینی
همه اهل خراساں از که و مه	بگفته کاندریں عصر از همه به
نوشته نامهٔ در باب معنی	فرستاده بر ارباب معنی
رسول آں نامه را برخواند ناگاه	فتاد احوال او حالے در افواه
در آں مجلس عزیزاں جمله حاضر	بر ایں مسکیں همه گشتند ناظر
یکے کاو بود مرد کار دیده	زما صد بار ایں معنی شنیده

مرا گفتا جوابے گوی در دم | کز آنجا نفع گیرند اہل عالم
بدو گفتم چہ حاجت کیں مسائل | نوشتم بارہا اندر رسائل
بلے گفتا ولے بر وفق مسئول | ز تو منظوم می داریم مامول
پس از الحاح ایشاں کردم آغاز | جواب نامہ را در لفظ ایجاز
ازاں گلشن گرفتم شمۂ باز | نہادم نام او را گلشن راز

جس زمانہ میں گلشن راز لکھی گئی ہے قریب قریب اسی زمانہ میں تصوف وسلوک کے متعلق چند اور مثنویاں بھی لکھی گئی ہیں، مثلاً اوحدی کرمانی کی مصباح الارواح، اوحدی مراغی کی جام جم، امیر حسین سادات کی کنز الرموز وغیرہ لیکن بخلاف ان کے گلشن راز کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا اور بڑے بڑے مشاہیر علما مثلاً شاہ تاج الدین ہدائی، قاضی میر حسین یزدی، حاجی ابراہیم سبزواری، اور شیخ محمد نوربخشی وغیرہ نے اسپر شرح وحواشی لکھے انمیں شیخ محمد کی شرح سب سے زیادہ مشہور ومستند سمجھی جاتی ہے،

شیخ محمد کا نام شیخ شمس الدین محمد بن یحیی بن علی اللاہجی النوربخشی ہے، علاقہ گیلان میں بمقام لاہجان پیدا ہوے سید العارفین سید محمد نوربخش کے اعظم خلفا سے تھے اور اپنے مرشد کے ساتھ رے میں رہا کرتے تھے، ۸۶۹ھ میں جب اون کا انتقال ہوگیا تو وہاں سے شیراز میں چلے آئے اور یہاں اپنی سکونت کے لئے عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی، جو اسوقت تک موجود اور خانقاہ نوریہ کے نام سے مشہور ہے، ۹۱۱ھ میں شیخ محمد لاہجی کا انتقال ہوا، اور اسی خانقاہ میں مدفون ہوے۔ ارباب تذکرہ نے شیخ محمد کو فارس کے مشاہیر شعرا میں شمار کیا ہے، اسیری انکا تخلص تھا، دیوان متداول ہے، اس کے علاوہ شیخ محمد نے ایک ضخیم مثنوی بحر رمل میں نظم کی ہے، جس کا نام اسرار الشہود ہے، اور اسمیں مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار ونکات بیان کئے ہیں،

گلشن راز کی شرح شیخ محمد نے ۸۷۷ھ کے اخیر ایام میں لکھی ہے، اس کا نام مفاتیح الاعجاز ہے، اسمیں تصوف کے دقیق مسائل کمال تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری کا بیان ہے کہ شیخ محمد نے جب یہ شرح ختم کی تو اسے دیکھنے کے لئے مولانا عبد الرحمن جامی کے پاس ہرات میں روانہ کیا مولانا جامی نے کتاب دیکھنے کے بعد شیخ محمد کو جو خط لکھا اُسکے عنوان پر مندرجہ ذیل رباعی تحریر کی

اے فقر تو نوربخش ارباب نیاز | خرم ز بہار خاطرت گلشن راز
یکرہ نظرے بہ سوی تسلیم انداز | شاید کہ برم رہ حقیقت ز مجاز

اہل یورپ کو گلشن راز کے نام سے آشنا ہوئے کم وبیش چار سو سال گذرے ہیں، یورپ کے مصنف ڈاکٹر برنیر نے جس نے شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی، گلشن راز کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اس کے بعد مذہب و فلسفہ کی متعدد تصنیفات میں اس کا ذکر آیا ہے جسکی تفصیل ڈاکٹر فلوگل کے مضامین میں تحریر ہے[۵]،

انیسویں صدی کے اوایل میں ہامر پرگسال نے اس کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جو ۱۸۲۵ء میں چھپکر شائع ہوا ہے۔ اس کے بیالیس سال بعد وین فیلڈ نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اصل فارسی متن کے ساتھ ۱۸۸۰ء میں بمقام لندن اسے چھپوا کر شائع کیا۔

ضمیمہ امیر سید حسین سادات

امیر سید حسینی قرات عجم کے مشاہیر صوفیا سے ہیں، ان کا پورا نام امیر رکن الدین حسین بن عالم بن ابی الحسن الحسینی ہے، ولایت طخارستان ان کا وطن تھا، غور کے قریب ایک قریہ میں جس کا نام گزیو ہے پیدا ہوئے، کسی تذکرہ نویس نے ان کا سن ولادت نہیں لکھا ہے، لیکن خود ان کی ایک تصنیف نزہۃ الارواح سے ثابت ہوتا ہے کہ ۶۷۱ھ میں انکی ولادت ہوئی ہے کیونکہ کتاب مذکور کی ایک فصل میں تحریر ہے کہ وہ ۷۱۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور اس وقت امیر سید حسینی کی عمر چالیس[۲] سال کی تھی،

حکیم محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ امیر سید حسین سلطان العارفین شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، اور اکثر تذکرہ نویسوں نے اسی روایت پر اتفاق کیا ہے، لیکن حقیقت میں یہ واقعہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ امیر سید حسین کی ولادت سے پانچ یا چھ سال پہلے ۶۶۵ھ یا ۶۶۶ھ میں شیخ بہاء الدین زکریا نے انتقال فرمایا ہے (آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۷ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۰۶) مولانا جامی اور ان کی اتباع میں غیاث الدین خوندمیر نے لکھا ہے کہ امیر سید حسین شیخ رکن الدین ابو الفتح (المتوفی ۷۳۵ھ) بن شیخ صدر الدین محمد (المتوفی ۶۸۴ھ) بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ شیخ رکن الدین اور امیر سید حسین دونوں معاصر ہیں،

[۱] آتشکدہ - لطف علی آذر بمبئی ۱۲۹۷ھ صفحہ ۳۷ آثار عجم فرصت شیرازی بمبئی ۱۳۱۴ھ صفحہ ۲۲۴ - تذکرہ حسینی میر حسین علی سنبھلی لکھنؤ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۰۵ - دبستان مذاہب - ذوالفقار اردستانی لکھنؤ ۱۳۰۱ھ صفحہ ۲۷۰ - ریاض الشعراء - والہ داغستانی قلمی کشف الحجب والاستار - سید اعجاز حسین لکھنوی کلکتہ صفحہ ۳۰۰ - کشف الظنون - حاجی خلیفہ لیڈن - جلد ۳ صفحہ ۱۹ و ۵۹۰ و جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ - مجالس العشاق سلطان حسین بایقرا لکھنؤ صفحہ ۱۲۰ - مجالس المؤمنین - قاضی نور اللہ شوشتری - طہران صفحہ ۳۱۷ - مفاتیح الاعجاز - شیخ محمد لاہیجی بمبئی صفحہ ۳ و ۱۶۷ و ۲۳۳ - نتائج الافکار - قدرت اللہ خان گوپاموی - مدراس صفحہ ۳۱۲ - نفحات الانس - مولانا جامی بمبئی صفحہ ۲۹۵ - ہفت اقلیم - امین احمد رازی قلمی

امیر سید حسین سنِ تمیز کو پہونچنے کے بعد ملتان میں آکر شیخ رکن الدین کے مرید ہوئے اور یہاں ایک عرصہ مقیم رہنے کے بعد پیر کے ایما سے خراسان چلے گئے، اس زمانہ میں ہرات، خراسان بلکہ وسط ایشیا کا مرکز اور علم و فن کا معدن تھا، امیر سید حسین نے یہاں آکر سکونت اختیار کی، اور اسی جگہ انتقال فرمایا، شہر کے مصرخ نام ایک محلہ ہے، وہاں سید السادات عبداللہ بن جعفر طیار کی گنبد کے باہر انکی لاش مدفون کی گئی۔ ارباب تذکرہ نے سنہ وفات میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، خوندمیر نے ۱۶۔ شوال ۷۱۸ھ لکھا ہے، نفحات الانس اور تاریخ فرشتہ میں ۶۔ شوال ۷۱۸ھ تحریر ہے۔ دولت شاہ سمرقندی نے ۷۱۹ھ بیان کیا ہے، زمانہ حال کے ایک بلند پایہ مصنف صنیع الدولہ حکیم محمد حسن خاں نے اپنی کتاب منتظم ناصری میں دولت شاہ کی اتباع کی ہے،

مولانا جامی اور دولت شاہ نے امیر سید حسین کی حسب ذیل تصنیفات کے نام لکھے، کنز الرموز، زاد المسافرین، طرب المجالس، نزہۃ الارواح، روح الارواح، صراط المستقیم۔ ان میں روح الارواح، طرب المجالس اور صراط المستقیم ناپید ہیں، باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں،[۵۱]

حکیم سید شمس اللہ قادری



(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) اسپرنگر۔ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ۔ صفحہ ۴۷۷۔ آیتھے۔ فہرست انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۸۱۲۔ براؤن ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر تاتار ڈومنینس صفحہ ۱۴۶۔ پرٹش۔ فہرست امپریل لائبریری برلین صفحہ ۸۲۷۔ ریو۔ فہرست برٹش میوزیم لندن جلد ۲ صفحہ ۶۰۸ و ۸۲۹ و ۸۷۱۔ فلوگل۔ فہرست امپریل لائبریری وائنا جلد ۳ صفحہ ۴۲۵۔

۵۱۔ تذکرہ حسینی۔ میر حسین علی سنبھلی صہ ۹۲۔ تذکرہ دولت شاہ۔ سمرقندی بمبئی ۱۲۷۷ھ صہ ۹۸۔ تاریخ فرشتہ۔ جلد دوم۔ صہ ۷۲۶۔ حبیب السیر۔ جلد سوم جزو دوم صہ ۶۷۔ خزینۃ الاصفیا۔ جلد دوم صہ ۴۳۔ سفینۃ الاولیا۔ محمد داراشکوہ۔ صہ ۱۹۸۔ مجالس العشاق۔ صہ ۱۲۶۔ محبوب الالباب۔ صہ ۳۳۵۔ نفحات الانس۔ صہ ۳۹۶

حکیم غیاث الدین ابوالفتح عمر الخیام

انداز بیان مین لطف اور لطف بیان مین تاثیر ازل سے نظم کے حصے مین آئی ہے۔ شاعر اگر باکمال اور نکات زبان و انداز بیان سے ماہر ہے بے شائبہ ریب وہ سامعین کو ایسا بیتاب کرسکتا ہے کہ خالی باتین نہین کرسکتین۔ قدیم الایام مین ہنگام جنگ میں پیکار رجز خوانی کا طریقہ مرد مقابل کے خیال و عقل پر غالب آنے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا، اسی مصلحت سے کہ منظوم کا اثر بہت ہوتا ہے، رجز کے مضامین بالعموم منظوم ہوتے تھے،

مگر یہ عجب بات ہے کہ کوئی شاعر جملہ اصناف نظم مین ایک انداز خاص سے مطلب ادا نہین کرسکتا۔ خاقانی شروانی جسکو خدائے سخن کہتے ہین فن قصیدہ گوئی مین بمثل دکھتا ہے، رونگا رہوا ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ اسکے خیالات شاعرانہ فلسفہ و تصوف وغیرہ علوم متداولہ کی مہارت تامہ سے پختہ ہوگئے تھے اور انکے اظہار کے واسطے شوکت الفاظ کی ضرورت تھی جو قصیدے کے غزل وغیرہ مین اچھی طرح ادا نہ کرسکتا تھا۔ سعدی شیرازی و حافظ شیرازی نظیری نیشاپوری و شیخ علی حزین گیلانی وغیرہم غزل مین نہایت لطف سے ادائے مطالب کرتے تھے۔ اُنکے دل کا درد مجبور کرتا تھا کہ اپنی زبان کے وہ الفاظ استعمال کرین جو اس کیفیت قلبی کے مطابق واقع ہوئے ہون۔ قصائد مین جو خیال کے دبدبے کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے وہ غزلون مین نامقبول ہے۔ ان شعرائے نامبردہ کے قصائد موجود ہین مگر استغفر اللہ وہ بات کہان جو خاقانی و انوری و منوچہر و امغانی کے قصائد مین ہے۔ فردوسی و نظامی اور جامی و ہاتفی مثنوی کے اُستاد مسلم الثبوت تھے طبیعت کو عادت ہوگئی تھی کہ ایک سلسلے مین مطلب ادا کرے۔ اُنکی غزلون مین وہ آمد نہین ہے جو مثنوی مین ہے۔ ابن یمین قطعات کا اُستاد ہوا ہے مگر چار مصرعون مین ادائے مطلب پھر اس لطف و کیفیت کے ساتھ حکیم غیاث الدین ابوالفتح عمر خیام کے حصے مین آیا تھا۔ جو لطف اس شخص کی رباعیون مین ہے وہ آجتک

کسی دوسرے شاعر کی رباعیون مین نظر سے نہین گذرا۔

زمانۂ گزشتہ مین جو شخص ارسطو وغیرہ حکماے یونان کے کتب فلسفہ یا اُنکے ترجمے پڑھکر خیالات حکیمانہ کا مقلد ہوتا تھا اُسکو حکیم کا لقب دیاجاتا تھا عمر خیام بھی فلسفہ وریاضی کا ماہر تھا اسی وجہ سے آجتک اُسکو حکیم خیام یا حکیم غیاث الدین ابوالفتح کہتے ہین۔

جسطرح مالکِ قضا و قدر نے شروان کو خاقانی سے شیراز کو سعدی وحافظ وقاآنی سے مشہور آفاق کردیا اسی طرح نیشاپور کا نام ونمود عمر خیام کی ذات کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ یہ صاحب کمال نیشاپور مین پیدا ہوا تھا اور ۱۱۲۳ء مین وہین پیوند خاک ہوگیا۔

نجوم وہیئت وفلسفہ مین عمر خیام کو مہارت تامہ حاصل تھی چونکہ حکماے عرب فقط ارسطوے الٰہی کے خیالات حکیمانہ کے مقلد ومداح تھے اور فیثاغورث وسقراط کے کتب علمیہ کے قدردان نہ تھے اسوجہ سے عمر خیام کے مصنفات مین بھی ارسطو کی تقلید کا اثر پایا جاتا ہے ہیئت ونجوم مین بطلیموس یونانی کی تقلید بلاد اسلام مین رائج ہوچکی تھی یہ حکیم بھی نظام بطلیموس کا مقلد وپیرو تھا اور فن رصدبندی مین یہانتک شہرت پیدا کی تھی کہ سلطان محمود غزنوی نے بہ کمال اشتیاق اسکو نیشاپور سے بلاکر زمرۂ ملازمان یا اختصاص مین داخل کیا اور رصد سابق پر نظرثانی کی درخواست کی اس خدمت مفوضہ کو عمر خیام باحسن وجوہ بجالایا۔ حالانکہ علوم متذکرہ بالا مین اس حکیم کی مصنفات سے کتب مبسوطہ موجود ہین مگر چونکہ تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی مین رباعیات کے ذریعے سے شہرت کا ہونا جاری ہوچکا تھا آج اُن کتابون کے نام سے کوئی واقف نہین جو اس باکمال نے تالیف کی تھین مذاق صحیح وسلامتی خیال نے اہل یورپ کو اس شاعر کا والہ وشیفتہ بنادیا۔ بعض تذکرون مین میری نظر سے گذرا ہے کہ اکثر عمائدین واہل کمال بلاد یورپ کے وقت مقررہ پر ایک مکان معین مین محض اس نظر سے جمع ہوتے ہین کہ عمر خیام کی رُباعیان عالم ذوق وشوق مین پڑھین اور نکات شاعرانہ اورمضامین حکیمانہ پر غور کرین۔ لارڈ کرزن کا یہ ارشاد بالکل صحیح ودرست ہے کہ اگر خیام کا وجود نہوتا آج کوئی سیاح عالم نوردنیشاپور کی طرف رخ بھی نہ کرتا وہان کی سیر وسیاحت شے دیگر ہے۔

مجھے بھی سرزمین نزہت آئین ایران سے دور کی نسبت ہے۔ معہذا ممالک مغرب کی جوہر شناسی نے میری اورزیادہ حوصلہ افزائی کی۔ خیال آیا کہ اس نام برآوردہ فاضل عصر کی رُباعیان بنظر

غور و انصاف دیکھوں اور بقدر ہمت و حوصلہ جو راز و اسرار اس نظم میں موجود ہوں اُنسے اہل زمانہ کو واقف کردوں یہی اور یہ میرا خیال۔ اہل فہم و ادراک میری اس بادہ گوئی اور ہرزہ سرائی کی داد دیں۔

چونکہ اسوقت اختصار نویسی مجھ ہرزہ سرا کو مدنظر ہے بنا بریں علیہ چند رباعیوں کی نقل پر قناعت کی جاتی ہے۔

رباعی

گر از پئے شہوت و ہوا خواہی رفت — از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت

بنگر چہ کسی و از کجا آمدۂ — میدان کہ چہ میکنی کجا خواہی رفت

شہوت خواہش نفس، ہوا = ہوس۔ "از من خبرے"، یہ خلاصہ ہے از من تو خبر برسد کا۔

کہتا ہے کہ اگر تمام عمر تو پابند ہوا و ہوس نفسانی رہے گا میری بات یاد رہے کہ اس جہان فانی سے تہیدست جانا نصیب ہوگا (لہذا) دنیا کے عیش و نشاط سے دست بردار ہوا اور غور کر کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ تو کیا کر رہا ہے اور آخر الامر کہاں جائیگا۔

سالکانِ مسالکِ حقیقت و راہروانِ جادۂ طریقت نے جس امر کی تعلیم میں دفاتر ضخیمہ سیاہ کیے ہیں وہ مطلب اس شخص نے فقط چار مصرعوں میں ادا کیا ہے۔ اصلاح اعمال و ترکِ تعلقات دنیوی کی تمہید ایک مصرع میں ہے۔ دوسرے مصرع میں اس نصیحت مشفقانہ پر عمل نہ کرنے کا وہ نتیجہ ظاہر کیا ہے جسکو ہر شخص بے عذر و حجت تسلیم کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ جب تک نفس مبتلائے ہوا و ہوس رہے گا زاد راہ آخرت کا ہاتھ آنا معلوم۔ مگر لذات دنیا کا ترک کرنا بھی بے تعلیم معقول ناممکن ہے تیسرے اور چوتھے مصرع میں وہ طریقہ سکھایا ہے جس پر بقدر امکان عمل کرنے سے یہ راہ دشوار گزار بہ آسانی طے ہو سکتی ہے وہ یہ کہ انسان برابر اپنی حقیقت پر غور کرتا رہے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں اور آخر کار کہاں جانا ہے اسطرح یقیناً دنیا سے دل برداشتگی حاصل ہوگی جو سالک راہ خدا کا مقصود اصلی ہے۔

رباعی

ابر آمد و زار بر سر سبزہ گریست — بے بادۂ گلرنگ نمی شاید زیست

این سبزہ کہ امروز تماشاگہ ماست — تا سبزۂ خاکِ ما تماشاگہ کیست

ابر آیا اور (سبزۂ نو دمیدہ کے سر پر) بے اختیار ہو کر رو دیا۔ اس مشاہدے سے میرے دل میں

یہ خیال آیا کہ جسطرح یہ سبزہ پیش نظر ہے اسی طرح کسی دن میری خاک سے بھی سبزہ اُگے گا اور خدا جانے کون شخص اُس سبزہ نورستہ کا تماشا دیکھے گا۔ یہ تصور اور اس تصور سے جو افسوس ہوا وہ عقل کا نتیجہ تھا۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ سرمایۂ مصیبت عقل ہوتی ہے۔ لہذا لطف زندگی حاصل کرنے کے واسطے بفکری کی ضرورت ہے جو بے کیف شراب حاصل نہیں ہو سکتی۔ خواہ شراب متعارف ہو خواہ بادۂ عشق الٰہی۔ لہذا جس شخص کو ایام زندگی بفارغ البالی گزارنے منظور ہوں وہ مستی شراب میں زندگی بسر کرے۔ لفظ تا جو مصرع چہارم کی ابتدا میں واقع ہوا ہے اُسکے مفہوم کا مرادف کوئی لفظ اردو میں مجھے نہیں ملا۔

اخلاق

برخود در عیش و آرزو بربستم　　　　　در منت ہر ناکس و کس وارستم

گر صوفی مسجدم۔ وگر راہب دہر　　　　　من دانم و خدا نکہ ہستم ہستم

کہتا ہے میں نے عیش و آرام دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب دل میں کوئی حسرت نہیں پھر کیوں کسی کا بندۂ احسان ہوں۔ اگر صوفی مسجد یعنی پیر طریقت اہل اسلام ہوں اپنے واسطے اگر ملت نصاری کا پیشوا ہوں اپنے لیے (لوگ اپنے اپنے قیاس کے مطابق مجھے اچھا برا کیوں کہیں) جو میں فی الواقع ہوں اُسکا حال سوا علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ماحصل یہ ہے کہ مجھے برا کہکر اپنی زبان کا خراب کرنا یا کسی کا مجھے اچھا سمجھکر میرے قول و فعل کی تقلید کرنا کون دانشمندی کی بات ہے۔

عبرت

مرغے دیدم نشستہ بر بارۂ طوس　　　　　در پیش نہادہ کلۂ کیکاؤس

باکلہ ہمی گفت کہ افسوس۔ افسوس　　　　　کو بانگ جرسہا و کجا نالۂ کوس

بارہ بیائے موحدہ قلعہ کو کہتے ہیں۔ طوس و کیکاؤس دو بادشاہان ایران کا نام تھا۔

ترجمہ۔ میں نے (ایک دن) ایک طائر کو قلعہ شاہ طوس پر بیٹھا ہوا پایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جانور مشت پر کے سامنے کیکاؤس شاہ ایران کا سر رکھا ہوا ہے اور یہ مرغ ہوائی اس سے کہہ رہا ہے افسوس وہ سامان شاہانہ کہاں گیا یعنی وہ آواز کوس و جرس کہاں ناپید ہو گئی

سرا بر

من بے مے ناب زیستن نتوانم　　　　　بے بادہ کشید بار تن نتوانم

من بندۂ آن دمم کہ ساقی گوید　　　　　یک جام دگر بگیر و من نتوانم

کہتا ہے کہ بے شراب میسری زندگی محال ہے۔ نہ بے نشۂ شراب مین اپنے بدن کا بار اُٹھا سکتا ہون مجھے وہ وقت بہت اچھا معلوم ہوتا ہے جب ساقی باصرار و ابرام مجھے جام شراب دے اور مین کہون اب مین نہین پی سکتا۔ اب معاف کر۔

دانی کہ سپیدہ دم خروس سحری   ہر لحظہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینۂ صبح   کز عمر شبے گزشت و تو بیخبری

تجھے نہین معلوم کہ خروس خانگی کا صبح کے وقت نوحہ و فغان کرنا کس سبب سے ہوتا ہے۔ اس نوحہ گری کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اسکو کارکنان قضا و قدر ہر صبح یہ مطلب سمجھاتے ہین کہ ایک رات تیری عمر کی اور کم ہوگئی اور تجھے کوئی فکر نہین۔

رو بیخبری گزین اگر باخبری   تا از کف مستان ازل بادہ خوری
تو بیخبری - بیخبری کار تو نیست   ہر بیخبرے را نرسد بیخبری

اگر صاحب عقل و ہوش ہے دنیا سے بیخبر ہو جا جب بیخبر ہو جائیگا اسوقت نفوس مقدسہ کے فیض سے مستفیض ہونے کی لیاقت تجھ مین پیدا ہوگی چونکہ تو ان راز و اسرار سے آگاہ نہین ہے بدینوجہ جو بیخبری میرا مقصود ہے وہ تجھے حاصل نہین ہو سکتی۔

اس رباعی مین بیخودی سے مقصود بیخودئ شوق ہے جو عارفان دل آگاہ کو عشق الٰہی مین حاصل ہوتی ہے۔

اے بادۂ ناب و اے مے مینائی   چندان بخورم ترا من شیدائی
کز دور مرا ہر کہ ببیند گوید   اے خواجہ شراب از کجا می آئی

کہتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ کثرت شراب خواری و بادہ نوشی سے مین ہمہ تن شراب ہو جاؤن یہان تک کہ جو کوئی شخص مجھے دور سے دیکھے وہ خواجہ شراب کہکر مجھسے خطاب کرے اور پوچھے کہ تو کہان سے آتا ہے۔

یہان شراب سے مراد بادۂ عشق الٰہی ہے۔ چاہتا ہے کہ شدت محبت سے خو ہمہ تن محبت ہو جاؤن۔ اور محبوب حقیقی کے ساتھ وہ اتحاد پیدا ہو جائے کہ پھر جدائی وہم و خیال مین بھی نہ گزرے
مگر [illegible]

کبھی پلینے کو خواجہ شراب کے لقب سے ملقب کرتا ہے - اس رُباعی مین - کز دورمرا ہر کہ بیند اور از کجامی آئی ان دو جملوں کا لطف وجدانی ہے کسی طرح زبان سے ادا نہین ہو سکتا -

نہ سوے وصال تو مرا دست رسے
نہ طاقتِ ہجران تو دارم نفسے

نہ زہرہ کہ باز گویم این غم بہ کسے
مشکل کارے طرفہ غمے - خوش ہوسے

کہتا ہے کہ یہ میرے دست قدرت سے خارج ہے کہ تجھ تک پہونچ جاؤن - اگر نہین پہونچ سکتا آلام جدائی کا ایک ساعت تحمل نہین کر سکتا - یہ مجال نہین کہ دل کا حال کسی شخص کے روبرو بیان کرون - یہ محبت عجب مشکل کام ہے اور یہ غم بھی فی الواقع نیا غم ہے اور با اینہمہ بے اختیاری یہ حسرت تقرب درحقیقت عجب حسرت ہے

یزدان خواہم جہان دگرگون کندے
اکنون کندی تا نگرم چون کندے

یا نام من از جریدہ بیرون کندے
یا روزی من زغیب افزون کندے

افلاس و تنگدستی سے پریشان ہو کر خیام نے یہ رُباعی نظم کی ہے - اور مذاق حکیمانہ کے ساتھ شوخی کی داد دی ہے - کہتا ہے کہ خدا سے میری یہ تمنا ہے کہ وہ ابھی ابھی اس دُنیا کو معدوم کرے اور ایک جہان نو پیدا ہو - جب دُنیاے تازہ پیدا ہوگی اُسوقت مین دفتر مخلوقات مین موجود رہونگا یا میرا نام جریدۂ عالم سے خارج کیا جائیگا - مگر مین جب تک مجھے حسب دلخواہ دولت نہ ملے زندہ نہین رہ سکتا اور نہ خدا اپنی بندگی سے مجھے آزاد کر سکتا ہے - مجبور ہو کر خدا اسکے سوا اور کیا کرے گا کہ بے وجہ ظاہری مجھے دولت دے اور میرے رزق مین افزائش کرے -

خواہی کہ پسندیدۂ آنام شوی
مقبول قبولِ خاصہ وعام شوی

اندرپئے مومن وجہود وترسا
بدگوے مباش - تا نکو نام شوی

اگر تو چاہتا ہے کہ ہر شخص تجھے اچھا کہے تعصب کو ترک کر - سب کو ایک نظر سے دیکھ - بدگوئی سے باز آ خود بخود نیکنامی حاصل ہو جائے گی -

اے چرخ چہ کردہ ام ترا راست بگو
پیوستہ فگندۂ مرا در تنگ و پو

نانم نہ دہی تا نہ بری کوے بہ کو
آبم نہ دہی تا نہ بری آب زرو

[illegible] جبتک گا[illegible] خاک نہین چھوڑتا

مجھے روٹی نہین دیتا۔ اسی طرح جبتک میری آبروریزی نہین کرلیتا مجھے ایک جرعۂ آب سے بھی محروم رکھتاہے۔

(قطعہ)

بتخانہ وکعبہ خانۂ بندگیست		ناقوس زدن ترانۂ بندگیست

محراب وکلیسا وچہ تسبیح وصلیب		حقا کہ ہمہ نشانۂ بندگیست

اہل معرفت ہرجگہ کو عبادت خانۂ الٰہی سمجھتے ہین۔ ناقوس کی آواز سے بھی ترانۂ توحید سمجھ مین آتاہے۔ مسجد ہو یا یہود ونصاری کا معبد سبحۂ اسلام ہو یا صلیبِ نصاری ہرچیز اظہار عبودیت کررہی ہے

یہ مضمون واقعۂ ذیل سے لیا گیاہے۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز حضرت علی مرتضیٰ نے اثنائے سفر مین ایک مقام پر نزول فرمایا۔ اس مقام سے کسی نصرانی کا عبادت خانہ قریب تھا اور آواز ناقوس پے درپے آرہی تھی۔ جو لوگ ہمرکاب تھے حضرت ممدوح نے اُنسے پوچھا جھجھے یہ ناقوس کیا کہ رہاہے۔ عرض کیا نہین۔ فرمایا یہ کہ رہاہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ صِدقاً صِدقاً حَقاً حَقاً لا اِلٰہ اِلَّا اللہُ حقاً حقاً

(میلان طبیعت)

پرخون زفراقت جگری نیست کہ نیست		شیدائے تو صاحب نظرے نیست کہ نیست

باآنکہ نہ داری سر سودای کسے		سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

کہتاہے کہ باایں ہمہ کہ تجھے کسی کی پرواہ نہین مگر جس شخص کو دیکھتاہون بالطبع تیری طرف راغب ہے

زمانۂ حال کے حکمانے پایۂ تحقیق تک پہونچا دیاہے کہ ہرذرۂ مادی مین بھی نفس ناکمل موجود ہے اس خیال سے بے تکلف کہسکتے ہین کہ عالم جمادات سے عالم انسانی تک ہرنفس روبہ ترقی ہے یہ ترقی رفتہ رفتہ ہرنفس ناکمل کو بالطبع پایۂ کمال تک پہونچاتی رہتی ہے۔ اس خواہش تکمیل کو عمرخیام نے اس رباعی مین عشق ومحبت سے تعبیر کیاہے۔ زبان انگریزی مین اسی استدراج کو (EVOLUTION) کہتے ہین

(اظہار حال)

مے خوردن وشاد بودن آئین منست		فارغ بودن زکفر ودین۔ دین منست

گفتم بعروس دہر کابین توچیست		گفتا دل خورم تو کابین منست

عروس دہر۔ زمانہ۔ کابین مہر۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

رباعی

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست | تاریک دلم نور صفائے تو کجاست
مارا تو بہشت اربہ طاعت بخشی | این مزد بود۔ لطف عطائے تو کجاست

عاصی۔ گنہگار۔ آر مخفف اگر۔ مزد۔ اُجرت

کہتا ہے مین گنہگار ہون خیر ہون۔ تیری خوشنودی جو تیری صفت ذاتی ہے وہ کیون اپنا اثر نہین دکھاتی۔ اسیطرح اگر میرا باطن سیاہ ہو رہا ہے خیر ہو تیرا نور کیون میرا باطن روشن نہین کرتا (مطلب یہ کہ تیری صفت اپنا کام انجام دے میرے افعال سے کیا مطلب) اگر مین نے تیرے احکام کی تعمیل کی اسکے عوض مین تو نے مجھے بہشت دی۔ یہ مزدوری ہوئی مجھے تری عنایت کی ضرورت ہی جو بلا عوض ہوتی ہے۔

رباعی

کس را پس پردۂ قضا راہ نشد | وز سرِّ قدر ہیچکس آگاہ نشد
ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز | معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد

آجتک کسی کو اسرار قضاو قدر پر اطلاع نہین ہوئی۔ مجھے بھی بہتر برس اسی فکر مین گزرے مگر کچھ سمجھ مین نہ آیا۔ نہ اسرار خداوندی کی کوئی حد معلوم ہوئی نہ قصہ مختصر ہوا۔

رباعی

نابُردہ بصبح در طلب شامے چند | ننہادہ زخویشتن برون گامے چند
در کسوتِ خاص آمدہ عامے چند | بدنام کنندۂ نکونامے چند

کہتا ہے۔ ابنائے زمانہ کا یہ حال ہے کہ نہ کبھی بیداری شب کی زحمت گوارا کرتے ہین عشق محبت الٰہی مین محو ہوتے ہین مگر اہل کمال کا لباس زیب بدن فرما کر عوام الناس کی فریب دہی کیواسطے آمادہ رہتے ہین۔ ان مدعیان دغا پیشہ کے سبب سے وہ لوگ بھی بدنام و بے اعتبار ہو جاتے ہین جو فی الواقع اہل دل اور صاحب کمال ہوتے ہین۔ اس رباعی کا مصرع چہارم زبان زد خاص و عام ہے۔

رباعی

اے در طلبِ تو عالمے در شر و شور | درپیش تو درویش و توانگر ہمہ عور
اے باہمہ در حدیث و گوش ہمہ کر | اے باہمہ در حضور و چشم ہمہ کور

عور بظم عین مہملہ برہنہ حدیث گفتگو

تجھ تک رسائی کی تمنا مین ہر ذرہ کائنات تکالیف شاقہ کا سامنا کر رہا ہی تیرے نزدیک درویش و توانگر بالکل ایک حکم مین ہین تو ہر شخص سے گفتگو کر رہا ہی مگر کوئی سننے والا نہین۔ تو سبکے روبرو موجود ہی مگر سب نابینا ہین۔

خاقان حسین عارف

میر مونس و سلطان عالیہ

(محاکمہ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲) غیر کی مدح کریں شہ کے ثنا خواں ہوکر   مجرئی اپنی ہوا کھوئیں سلیماں ہوکر

جناب خبیر نے اس مطلع کی تعریف کرکے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیا ہے، میں اُنکا ہمخیال ہوں۔

(۳) ابر نیساں نے جو دیکھا کرم دست حسین   پائے اقدس پہ لگا لوٹنے داماں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔

شعر میں لفظ دست و پا کی رعایت ہے، باقی معنویت جتنی ہے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں،

میں عرض کرتا ہوں کہ معنویت سے خدا جانے جناب خبیر کا کیا مطلب ہے شعر میں معنویت کی کمی نہیں، ابر نیساں موتی پیدا کرتا ہے، وہ حضرت کے قدموں پر دامن ہوکر لوٹنے لگا (ابر کی تشبیہ دامن سے ظاہر ہے) تو گویا جدہر حضرت نے قدم رکھا موتیوں کے ڈھیر ہوگئے، جب قدموں کا یہ تصدق ہے تو مولا اپنے ہاتھ سے جو کچھ بخشیں اس کا احصا ہو نہیں سکتا

خشکی لعل لب شاہ کا جب بیان آیا   اشک خوں گرنے لگے لعل بدخشاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں خشکی لب کا لفظ گریۂ بے اختیار پر مجبور کردینے والے کسی دوسرے لفظ کو ڈھونڈھتا ہے، میں جب نثر میں معنی کہتا ہوں تو اس نظم سے کہیں دلدوز ہوتے ہیں، یعنی جب امام کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کی یاد آتی ہے لہو کے آنسو رونے لگتا ہوں، مگر انتخاب الفاظ کے فلسفہ سے بیخبری وہ بلا ہے کہ جس سے خدا بچائے، لعل بدخشاں نے سیدھی سادی دلفریبی سے بھی شعر کو محروم کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، بھلا سوکھے ہوئے ہونٹوں کو اس رنگین تشبیہ سے کیا تعلق۔

میں عرض کرتا ہوں کہ شعر کے تمام الفاظ میں تناسب لازم ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی۔ لب کو لعل سے تشبیہ دیتے ہیں، اشک خونیں کو بھی لعل سے مشابہت ہے۔ دوسرے مصرع میں اشک خوں کو لعل بدخشاں کہنے سے معنویت بڑھ گئی۔ اُن آنسوؤں کی قدر و منزلت و قسمت ظاہر ہوئی جو غم شبیر میں جاری ہوں، اشکوں کو لعل بدخشاں کہنے سے شعر کی دلفریبی یا تاثر میں ہرگز کمی نہیں ہوئی، بلکہ اس شاعرانہ انداز بیان سے ایک خاص ندرت پیدا ہوگئی، جو نثر میں اس لطف سے اور اتنے مختصر الفاظ میں مشکل تھی وہ یہ کہ امام کے خشک ہونٹوں کے تصور کا یہ اثر ہوا کہ اشک خوں منجمد ہو کر لعل بدخشاں بن گئے اور آنکھوں سے گرنے لگے، اسی وجہ سے شاعر نے "گرنے لگے" کہا، اگرچہ ظاہر بین نگاہوں میں بجائے "گرنے لگے" کے "بہنے لگے" اشکوں کے ساتھ زیادہ موزوں معلوم ہوگا۔ ان خوبیوں کو نظر انداز کر کے شعر کی مذمت کرنا ظلم ہے،

(۵) کس سے دریافت کریں حال عدم اونکا کوئی پیدا نہ ہوا خاک میں پنہاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ فاتولیسورۃ من مثلہ کا دعویٰ اس دریافت کے نقل پر فریاد کر رہا ہے، دیکھئے نا اس ت پر زبان کس ضغطہ میں مبتلا ہو کر رہ گئی، اہل کلام بشر ہوتا تو جواز عامہ کی سپر آڑے آتی۔

یہ ایسا اعتراض ہے جس کا جواب سوا خاموشی کے کچھ نہیں، اور بشر کے کلام میں ت کا ثقل جائز کیوں ہے میر مونس ہدف ملامت ہوں یہ کون انصاف ہے،

(۶) کہیں ملتا نہیں تصویر سکندر کا پتہ سب کا منہ دیکھتا ہے آئینہ حیراں ہو کر

خود جناب خبیر نے اس شعر کی تعریف کی ہے،

(۷) چمنِ دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم کونسا گل ہے جو رو دیا نہیں خنداں ہو کر

جناب خبیر کا اعتراض ہے کہ "سدا" سے نہ حسن کلام ہی کو چار چاند لگتے ہیں نہ کوئی ضرورت ہی نظر آتی ہے پھر خنداں ہو کر رونا ہر گل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، شعر میں کلیہ بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں کہتا ہوں شکر ہے اس وقت سودا زندہ نہیں ورنہ جناب خبیر کو کیا کیا نہ کہتا، مونس کا پہلا مصرع اس کے ایک شعر کے پہلے مصرع سے لفظ بلفظ لڑ گیا ہے، لہذا جناب خبیر نے مونس پر نہیں بلکہ سودا پر اعتراض کیا۔ وہ شعر یہ ہے:-

"چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم" خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

خیر یہ تو مذاق تھا، اب جناب خبیر کے اعتراضات پر غور کیجئے، سدا کا لفظ بیکار نہیں ہے اس سے شعر میں

زور پیدا ہوتا ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ نسدا کو نکال کر پڑھئے شعر میں وہ بات نہ رہیگی جواب ہے، دوسرے مصرع کا مطلب شاید جناب خبیر نہ سمجھے ورنہ یہ نہ فرماتے کہ خنداں ہوکر رونا ہر گل سے تعلق نہیں رکھتا، غالباً ان کا خیال شبنم کی طرف دوڑا، جس پھول میں اوس کی بوندیں ہوں اُسے گریاں کہیں ورنہ نہیں، میر مونس نے اس شعر میں پھول کے کھلنے کو ہنسنے سے اور اُسکے مرجھانے کو رونے سے مشابہ کیا ہے، کیونکہ پھول کے مرجھانے میں بسورنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، مجھے تو یہ تشبیہ بالکل نئی اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے،

(۸) کہتی تھی دیکھ کے زہرا کے مرقع کو قضا یہ ورق جمع نہ پھر ہوں گے پریشاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں، کہ کہا اور بہتش کہا، میں تائید کرتا ہوں،

(۹) قدرداں داد بھی دیتے نہیں سبحان اللہ کیا صلے پائے ہیں دنیا میں سخنداں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "دنیا کی قید باخبری کا پتہ دیتی ہے" مجھے امید ہے کہ اس تعریف میں طنز کا پہلو نہیں،

(۱۰) دی یہ سائل نے صدا لے کے علی سے خاتم لو گدا جاتا ہے مسجد سے سلیماں ہوکر

"مضمون پامال، 'لو' کا استعمال غیر ضروری"

میری عرض ہے کہ یہ مضمون ہی نہیں بلکہ روایت کو نظم کیا ہے، ورنہ جتنے واقعات نظم ہوں وہ سب اسی زمرے میں آجائیں گے، لو کا استعمال ہرگز غیر ضروری نہیں، حرف استعجاب ہے، جو گدا کے سلیمان ہو جانے پر ضرور اس کے منہ سے نکلے گا، اس سے احسانمندی کا بھی اظہار ہوتا ہے، پہلے مصرع میں یہ ٹکڑا (لے کے) مستحق صد ہزار تحسین و آفریں ہے۔ ۹۹ فیصدی شاعر ظاہری تناسب الفاظ کے لحاظ سے "پاکے" کہتے، مگر میر مونس نے صرف اس ایک لفظ سے پوری حدیث کی طرف توجہ دلادی، اور واقعیت کو مدنظر رکھا، جناب امیرؑ رکوع میں تھے جب سائل نے سوال کیا اور آپ نے بجائے انگشتری اتار کر دینے کے اسکی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اس نے دست مبارک سے انگوٹھی اتارلی، لفظ "لے" سے یہ واقعہ پیش نظر ہوجاتا ہے، لفظ "پا" سے یہ بات نہیں پیدا ہوتی، اس ایک لفظ نے شعر میں محاکات پیدا کردی، یہی کمال شاعری ہے، افسوس جناب خبیر نے قدر نہیں کی،

(۱۱) شاہ فرماتے تھے کیا قہر ہے اے نہر فرات ہم رہے جاتے ہیں پیاسے تیرے مہماں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "شعر برا نہیں" میں عرض کرتا ہوں کہ یہ شعر اس تعریف کا مستحق نہیں تھا جو سلطان عالیہ کے اس مطلع کی کی گئی ہے

مجرئی کہتی تھی زینب بھی گریاں ہوکر کیوں بہن مرنہ گئی بھائی پہ قرباں ہوکر

(۱۲) شامل آلِ محمدؐ ہوئے اللہ اللہ ؎ پایا کیا مرتبہ سلماں نے مسلماں ہو کر

شعر صاف تو ہے مگر معنوی غلطی سے سرگریباں، سلمان ایمان کے اس درجہ پر فائز تھے کہ شامل اہل بیت ہوئے نہ کہ مسلمان ہونے کے صلے میں، شاعر نے سلمان اور کسی نو مسلم میں کوئی امتیاز نہ رکھا، (یہاں آپ نے ایک آیت قرآن شریف کی نقل کی ہے جس کا یہ ترجمہ ہے، اعراب کا قول ہے کہ ہم ایمان لائے اے (محمد) کہدو کہ یہ نہ کہو (بلکہ) یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) کامل الایمان سے صحیح مفہوم ادا ہوتا، مثلاً دوسرا مصرع یوں ہو ع پائی سلماں نے شرف کامل الایماں ہو کر۔ مگر الف لام سے یہاں کچھ ثقل پیدا ہونا ضرور تھا اور اس مفہوم کو صاحبِ ایماں بھی پورا نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پھر ہر مومن خواہ کسی درجہ ایمان پر فائز ہو داخل اہل بیت ہوا جاتا ہے، ہاں سلمان اور مسلمان میں صنعت ضرور ہے۔

جناب خبیر نے خود ہی اصلاح دیکر اسکو رد بھی کر دیا، لہذا اس جزو کے متعلق کچھ لکھنا فضول ہے، اب نفس اعتراض سے بحث رہی " یعنی سلمان اُس درجۂ ایمان پر فائز تھے کہ شامل اہلبیت ہوئے نہ کہ مسلمان ہونیکے صلے میں۔ شاعر نے سلمان اور کسی نو مسلم میں کوئی امتیاز نہیں رکھا" اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو مسلمان مرکب ہے مسلم ایمان سے یعنی جس شخص کا ایمان راسخ ہو، اگر یہ صحیح ہے تو جناب خبیر کا اعتراض یک لخت رد ہوا جاتا ہے، کیونکہ شاعر نے لفظ مسلمان کے اصطلاحی اور مجازی دونوں معنوں سے فائدہ اٹھایا، اور ایسا مضمون ادا کر دیا جو اور کسی صورت سے بندھ نہیں سکتا تھا، جیسا کہ خود جناب خبیر اعتراف کرتے ہیں،

اس کے علاوہ آپ اسلام اور ایمان کے مدارج کیوں لیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت سلمان شامل اہل بیت ہو سکتے تھے، اگر مسلمان نہ ہوتے، اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو شاعر کیلئے کافی ہے، اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ع پایا کیا مرتبہ سلماں نے مسلماں ہو کر۔ بال کی کھال کھینچنے سے کیا فائدہ،

(۱۳) دھوپ میں سُشہ کا جو نورِ رخِ روشن چمکا ؎ رہ گیا مہر چراغ تہِ داماں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ "نور کی ر سے رخ کی ر سے ٹکرا رہی ہے، اس عیب سے کوئی بشر خالی نہیں، مگر جب خدائے سخن کے یہاں بھی یہ عیب موجود ہو تو پھر قیامت ہے، رہا شعر کا حسن یہ تو کہنا ہی پڑیگا کہ بظاہر شعر کچھ برا نہیں معلوم ہوتا مگر حقیقت میں شعر کا مفہوم صرف اتنا ہی ہے کہ جلوۂ امام کے سامنے دھوپ میلی پڑ گئی، چراغ تہِ داماں کے معنی اس مقام پر صرف اتنے ہیں کہ آفتاب کی روشنی مدھم ہو گئی، مگر اس تکلف لایعنی کی کیا ضرورت"۔

ایسے اعتراضوں کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی، جناب خبیر فرماتے ہیں کہ نور کی ر سے رخ کی ر سے ٹکرا رہی ہے

مگر اضافت کی دیوار جو بیچ میں حائل ہے نظر نہیں آئی اس کا کیا علاج۔ بقیہ اعتراض کا جواب خاموشی ہے جیسا کہ میں کہیں اور عرض کر چکا۔

(۱۴) وصف رخسار کیا بعد ثنائے لب شاہ　جانب شہر حلب آئے بدخشاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ تشبیہ کی کیسی مٹی خراب کر دی ہے۔ کلام میں ندرت کا پتہ نہیں خشکی ہے کہ شعر پڑھتے وقت ہونٹ چپکے جاتے ہیں۔ جو عرض کرتا ہوں کہ جناب والا یہ تشبیہ نہیں بلکہ استعارہ ہے۔ اس شعر میں شوخی ہے۔ آپ کے ہونٹ چپکتے ہوں میری زبان تو چٹخارے لیتی ہے۔

(۱۵) گر پڑا اشمر نے جسے چشم غضب سے دیکھا　دل میں ہر ہوئے مژہ گڑ گیا پیکاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ بات تو نئی تھی مگر کہی بڑے مزے سے۔ (شکریہ)

(۱۶) خلد ہی حر نے لیا حور بھی لی کوثر بھی　پڑ گیا لوٹ میں شبیر کا مہماں ہوکر

"شعر صاف ہے دوسرے مصرع کی رنگینی سلام کے دائرہ سے بڑھ کر غزل کی حد تک پہونچ گئی ہے۔ جیسا کہ وہ مرحوم اس رنگ کو اکثر برتتے تھے انکے ایک مرثیہ کی یہ بیت مشہور ہے،

"ہاں رنگ تو گورا ہے یہ دل خواہ نہیں ہے　ڈھلتے ہوئے جوبن کی ہمیں چاہ نہیں ہے"

ہاں عرض کرتا ہوں کہ شوخی و رنگینی بشرطیکہ مذاق سلیم کی حدود میں رہے ہر صنف شاعری کی جان ہے۔ آپ پسند نہیں کرتے تو نہ کریں۔

" جا بسے خاک میں یثرب کے بسانے والے　سارے گھر ڈھ گئے سادات کے ویراں ہوکر

اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں،

" ہو گیا کعبۂ بطحا و مدینہ برباد　بستیاں لوٹ لیں جنگل نے گلستاں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ شعر تو تمثیل ہے مگر جناب شاکی کہیں گے کہ کس جنگل نے بستیاں لوٹ لیں۔ کربلا کا تو ذکر نہیں جیسا کہ وہ سلطان عالیہ کے اس مصرع پر معترض تھے ع "لب و دنداں پہ سر شاہ کے دیکھی جو چھڑی"

مجھے ذاتی جھگڑوں سے غرض نہیں۔

کیا شہادت کی خوشی تھی پسر زہرا کو　شکر خالق کیا ہر زخم نے خنداں ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہیں شعر اچھا ہے۔

ذبح کے بعد بھی شہ کی نہ ہوئیں آنکھیں بند　عید قرباں ہوئی معشوق پہ قرباں ہوکر

جناب خبیر "دیکھئے عید قرباں یوں حلال ہوئی ہے، الفاظ کے تناسب نے شعر کو معنی سے بے نیاز کر دیا، پروردگار یہ کونسا فلسفہ ہے، کیا عید قرباں میں ذبح ہونے سے ذبیحہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہجاتی ہیں، مرزا سودا فرماتے ہیں

ع معنی ہیں سو وہ خواب فراموش کی تعبیر

میں عرض کرتا ہوں کہ اکی عید قرباں میں ملاحظہ فرمالیجئے کہ ذبیحہ کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں یا بند ہو جاتی ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ خود اپنے قول کی تردید کرینگے۔

(۲۱) شاہ جب کہتے تھے بتلاؤ تو تقصیر مری سر جھکا لیتے تھے بید رد پشیماں ہو کر

جناب خبیر۔ مضمون پامال ہے مگر خوب کہا،

(۲۲) فوج اعدا سے کہا حُر نے زہے دینداری قتل کرتے ہو مسلماں کو مسلماں ہو کر

جناب خبیر کے اعتراضات اور اپنی رائے لکھ چکا ہوں،

(۲۳) عیسیٰ آل محمد کی رحیمی کے نثار دین احمد کو جلا دے گئے بیجاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں - یہ شعر نہیں بیولے ہے (معاذ اللہ) عیسیٰ آل محمد نے دین احمد کو زندہ تو نہ کیا ایک پرانا آئینہ سمجھکر قلعی کر دی، واہ واہ واہ، اس شعر کو یوں پڑھئے تو کہیں اچھا ہو جائے،

عیسیٔ آل نبی کی یہ مسیحائی تھی دین اسلام کو زندہ کیا بیجاں ہو کر

پھر رحیمی کس قدر خوبصورت لفظ ہے، اور اس موقع پر کہاں تک برمحل استعمال ہوا ہے، اس کا مزا کچھ اہل ذوق ہی اٹھا سکتے ہیں، مجھے سخت افسوس ہے کہ جناب خبیر شعر کی بلاغت اور لطافت کو نہیں سمجھے اور رعایت لفظی کے دلدادہ ہو کر ایسی اصلاح دی کہ شعر کی معنویت تشریف لے گئی، نہیں بلکہ کفر کے مرتکب ہوئے، اسلام کی تبلیغ جناب محمد مصطفےٰ پر ختم ہو گئی۔ ان کے بعد اسلام مردہ نہیں ہوا بلکہ انحطاط شروع ہو گیا، اسلام کوئی علٰحدہ ہستی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ذات انسان سے ہے، اگر اسلام کو مردہ کہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک متنفس بھی ایسا باقی نہیں رہا جس پر مسلم ہونے کا اطلاق ہو، اگر ایسا کہیں تو کفر ہے، کیونکہ خود جناب امام حسین علیہ السلام (معاذ اللہ معاذ اللہ) دائرہ اسلام سے خارج ہوئے جاتے ہیں، نیز یہ اعتراض عاید ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو زندہ نہیں کیا بلکہ مذہب نو کی بنیاد رکھی، کیونکہ جیسا میں نے عرض کیا مذہب کے مردہ ہو جانے سے سوا اسکے کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کا نقدان ہو گیا، اسلام کے متعلق ایسا کہنا نہ صرف خلاف واقع بلکہ کفر ہے کیونکہ امام علیہ السلام اور ان کے تابعین موجود تھے، اگرچہ انکی تعداد کم تھی، یہی نکات ہیں جو ایک استاد پیش نظر رکھتا ہے اور جو معمولی شاعر کو نہیں سوجھتے۔

میر مونس نے انہیں امور کو مد نظر رکھکر وہ جنچے تلے الفاظ استعمال کئے جسکا جواب نہیں، اسلام کی آب و تاب کم ہو گئی تھی، اسکی رونق جاتی رہی تھی امام علیہ السلام نے قربانی عظیم کر کے اسلام کو چمکا دیا، جلا اور ہیجان میں جو رعایت ہے وہ بھی ملحوظ خاطر رہے، اس لفظ سے شعر کا ظاہری حسن بڑھ گیا، انتخاب الفاظ کی خوبی تعریف سے مستغنی ہے، جناب خبیر لفظ رحیمی پر معترض ہیں، میں دعوے کرتا ہوں کہ اور کوئی لفظ اس مفہوم کو اس خوبی سے ادا نہیں کر سکتا، اس لفظ سے امام علیہ السلام کا کمال ایمان، ان کا استغنا اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے خالصتہً لوجہ اللہ راہ خدا میں جان دی، انسان ہو کر شان الوہیت دکھادی (کیونکہ رحیم صفت باری تعالی ہے) ایسا جامع لفظ ایسے موقع پر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اس لفظ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ لوگ اسلام سے منحرف ہوتے جاتے تھے، اسلام میں نفاق اور کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں،

۲۴ سینۂ شہ پہ رکھا شمر نے زانو ہیہات پاس قرآں نہ کیا قائل قرآں ہو کر

اس کے متعلق میں لکھ چکا ہوں،

۲۵ لاش شبیر پہ یہ دھوپ پڑی قتل کے بعد جمگئے قطرۂ خوں جسم میں پیکاں ہو کر

لاش کا شین شبیر کے شین سے ٹکراتا ہے، یہ جائز تو ہے مگر فاتو لبسورۃ من مثلہ کے مدعیوں کے واسطے نہیں جم گئے اس مقام پر شعر سے شعریت کی روح کھینچ لیتا ہے، شاعر کا مفہوم بجاے خود معقول مگر اسلوب بیان نے وہ ستم آرائیاں کی ہیں کہ الٰہی تیری پناہ، اس محل پر گڑگئے یا رہ گئے ہی ہوتا تو اتنا برا نہ تھا،

مونس نے وہ گل کھلائے ہیں وہ طلسم قائم کیا ہے جسکا جواب نہیں دل وجد کرتا ہے، فخر ہوتا ہے کہ اردو میں ایسا شاعر بھی گذرا ہے، الفاظ کا انتخاب، اعجاز کی حد تک پہونچ گیا ہے، مگر سه

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے (غالب)

تعصب اور خوردہ گیری کا شوق آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، اور کلام کے محاسن نظر نہیں آتے،

جناب خبیر فرماتے ہیں کہ اس محل پر گڑگئے یا رہ گئے بھی برا نہ تھا اب گڑگئے کو لیجئے گڑونے کے لئے کسی فاعل کی ضرورت ہے، وہاں پیکان خود گڑونے والا کون تھا؟ رہ گئے؟ ہاے جسم مولا میں قطرۂ خوں رہ کب گیا تھا، پیاس نے زخموں نے صدموں نے سب خون چوس لیا تھا، اور رہا سہا جب بہہ گیا جب شمر لعین نے صدر شاہ پر زانو رکھا۔

جم گئے کو جناب خبیر فرماتے ہیں کہ شعر سے شعریت کی روح کھینچ لیتا ہے، میں کہتا ہوں کہ شعر میں روح پھونک رہا ہے، کلیجے میں نشتر بھونک رہا ہے، زخموں سے خون بہا، جسم اقدس پر دھوپ کی گرمی سے جما درچشا اور پیکان کی

نہ صرف صورت بلکہ تیزی اور باڑھ پیدا کردی، یہ شاعری نہیں سحر حلال ہے، صناعی ہے، کمال ہے، اعجاز ہے ایسے شاعر کے سامنے سر ادب جھکانا چاہیئے۔

۲۶ کہتی تھی بانو بیکس کہ بتاؤ لوگو! صبر کیونکر غم اکبر میں کروں ماں ہو کر

اس شعر کے متعلق لکھ چکا ہوں۔

۲۷ (۲۸؟) تشنگی باپ کی سجاد کو بھولی نہ کبھی جو پیا گھونٹ ہی پانی گا تو گریاں ہو کر

معمولی شعر ہے اور سلام و مرثیہ کے لئے عام، جناب خبیر نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ خشکی کسقدر رہی۔

۲۹ لاش اکبر سے کہا ماں نے کہ مشتاق تھی میں واہ قربان گئی آنے بھی تو بیجاں ہو کر

طنز یہ لہجہ اس حالت میں ماں کے منہ پر تو بھلا نہیں معلوم ہوتا، "ہائے" ہوتا تو شعر میں جان پڑ جاتی۔ آہ بھی کچھ ایسا برا نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہائے ہوتا یا آہ، شعر خاک میں مل جاتا، یہاں واہ سے طنز نہیں بلکہ شکایت پائی جاتی ہے اور مشتاق کے لحاظ سے واہ کے علاوہ کوئی لفظ چسپاں ہی نہیں ہو سکتا۔

۳۰ بانو کہتی تھی برس دن بھی تو اصغر نہ جئے ہوئے بیجاں چھ مہینے کے مری جاں ہو کر

۳۱ فاتحہ دودھ پہ بھی دے نہیں سکتی داری قید سے آئی ہے ماں بے سر و ساماں ہو کر

لیجئے بانو کا داؤ تشریف لے گیا، ہر مرثیہ گو کے یہاں اسکی مثال ملیگی مگر فاتو بسورۃ من مثلہ کے دعوے اور یہ عجز شیں ملا کر دیکھئے تو بشریت کا قائل ہونا پڑتا ہے، اگر مصرع یوں ہوتا تو یہ قباحت نہ رہتی ع کہتی بانو کہ برس دن بھی تو اصغر نہ جئے اللہ اکبر الوہیت کے دعوے اور عجز وہاں جہاں بشریت کے قایل بھی عاجز ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جب ہر مرثیہ گو کے یہاں حروف کے گرنے کی مثال ملے گی تو بیچارے مونس کو کیوں ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، آپ کو جس اصلاح پر گھمنڈ ہے مجھے ہنسی آتی ہے، علاوہ اس کے بولی کی یے تشریف لے گئی کہتی تھی سے، جو یہ مفہوم ادا ہوتا تھا کہ متواتر بین کرتی تھی غائب ہو گیا۔

۳۲ زلف اکبر کو جو دیکھا سر نیزہ پر خوں موے سر کھول دیے ماں نے پریشاں ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہیں۔ نیزہ پر بیٹے کی خون آلودہ زلفیں خدا کسی ماں کو نہ دکھائے، یہ منظر جیسا دلخراش ہے ظاہر ہے، اور اس سے ماں کی جو حالت بھی ہو جائے بعید نہیں، مگر مصنف مرحوم نے دوسرے مصرع میں جو کچھ فرمایا؟ وہ تکلف کا مرقع تصنع کی تصویر ہے، کچھ ہوجائے بد تو کرنی مقصود نہ تھی اس پر لفظ پریشان خود شاہد ہے، کچھ سمجھ

میں نہیں آتا کہ بال کیوں کھولے گئے، ہاں زلف موے سر پریشان یہ مناسبت ضرور جمع ہوگئی، مگر آخراس کو و کندن و کاہ برآوردن کا نتیجہ کیا۔

میں عرض کرتا ہوں کیا بالوں کا پریشان کرنا سوگ اور غم کی علامت، ماں کے حال تباہ کی تصویر نہیں ہے۔ اُن زلفوں کو ماں خاک وخوں میں آلودہ دیکھے جنہیں وہ کیسے چاؤ سے سنوارا کرتی تھی اور وہ اپنے موے سر پریشان نہ کرے؟

۳۳ لب شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدنداں ہو کر

اس کے متعلق لکھ چکا

۳۴ تھا یہ اس گھر میں اندھیرا کہ غزالان حرم سر کو ٹکرانے لگے داخل زنداں ہو کر

یہاں "کو" عجز بشریت کا کلمہ پڑھ رہا ہے،

جناب خبیر کو اس نازک فرق کی خبر نہیں جو سر ٹکرانے اور سر کو ٹکرانے میں ہے، سر ٹکرانا غم کے موقع پر اور سر کو ٹکرانا اضطراب کی حالت میں استعمال ہوتا ہے،

۳۵ شمر سے کہتے تھے شہ ذبح کریگا جو مجھے تو ابھی دوڑیں گے نبی چاک گریباں ہو کر

۳۶ حشر کردے گی بپا شیر خدا کی فریاد تھرائے گا سر فاطمہ عریاں ہو کر

قطعہ کا پہلا شعر کتنا خوبصورت ہے، اگر حضرت صلعم کا ذکر نہیں ہوتا تو میں کہتا کہ اس دوڑینگے پر شاعر کی بوکھلاہٹ بیان لانے کے قابل ہے۔ چاک گریباں اور ابھی دوڑیں گے میں تصادم ہو رہا ہے، چاک گریباں تصنع کی تصویر ہے، ابھی دوڑیں گے بے ساختگی کا موقع، پھر الفاظ کی نشست چاہتی ہے کہ یہاں ردیف کر کے چاہیئے، مگر وہی شاعروں کی دور بلا،

جناب خبیر نے ہرزہ سرائی کی حد کر دی، 'چاک گریباں' تصنع کی تصویر! گویا انتہائے غم میں انسان کپڑے نہیں پھاڑتا ہے، نبی صلعم کا پارہ جگر ذبح ہوتا ہو تو وہ دوڑیں گے نہیں (خاکم بدہن) خراماں خراماں نہایت طمینان سے تشریف لائیں گے، اسکو بوکھلاہٹ کہنا اور مضحکہ اڑانا پست مذاقی کی دلیل ہے،

'کر کے' سے فعل ظاہر ہوتا حالانکہ شاعر کو حالت دکھانا مقصود تھی، جو ہو کر سے ظاہر ہوتی ہے، لہذا ردیف درست ہے۔

۳۷ رہبری کی جو مقدر نے تو ہم اے مونس روضہ شاہ پہ جائیں گے خراساں ہو کر

اس کے متعلق لکھ چکا۔

جناب خبیر و جناب شاکی کے معنا مین میں اکثر باتیں ایسی ہیں جنہیں نفس مطلب سے کوئی تعلق نہیں میں نے انہیں قطعاً نظرانداز کیا ہے،

سلطان عالیہ کا سلام ان کی قدرتی ذہانت و طباعی کا پورا ثبوت ہے، مگر وہ اُستادی. وہ صناعی وہ معموری کہاں ہے جو میر مونس کے کلام کی شان ہے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلطان عالیہ کے سلام میں صرف ۱۷ شعر ہیں یا ۱۰ شعروں پر تنقید لکھی گئی ہے، اور میر مونس کے یہاں ۳۷ شعر ہیں، اگر انتخاب کیا جائے تو غالباً سلطان عالیہ سے دونے شعر میر مونس کے سلام میں ملینگے،

صحیح موازنہ دونوں کا مجموعی کلام دیکھنے سے ہو سکتا ہے، جسکی مجھے فرصت نہیں، نہ ضرورت ہے، کیا جناب خبیر ایسی جسارت فرمائیں گے؟

مرزا جعفر علیخاں اثر لکھنوی

بادل اور موج

اماں، فضائے آسمان کے رہنے والے فرشتے مجھسے کہتے ہیں، بیدار ہونیکے وقت سے دن کے ختم ہونے تک ہم سب صبح کی سنہری روشنی اور نقرئی چاند سے کھیلتے ہیں،

میں اُنسے دریافت کرتا ہوں " میں تم تک کسطرح پہونچوں؟" .... وہ جواب دیتے ہیں " اس دنیا کے کنارے آجاؤ اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب بلند کرو، ہم تمکو بادلوں میں اُٹھا لینگے " .... میں کہتا ہوں " لیکن میری ماں گھر پر میری منتظر ہوگی۔ میں اسکو چھوڑ کر کیسے آسکتا ہوں " .... بادل قہقہہ مارتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں،

لیکن، اماں!! میں اس سے اچھا کھیل جانتا ہوں، .... " میں بادل بنجاؤں گا اور تم ماہتاب " میں تمکو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھپا لونگا اور مکان کی چھت آسمان کا کام دیگی۔

موجوں میں رہنے والی پریاں مجھسے کہتی ہیں .... " ہم شب و روز نغمہ سنجی میں مصروف رہتے ہیں اور بغیر منزل مقصود جانے ہوئے سرگرم سفر " .... میں دریافت کرتا ہوں " میں تمہارے گروہ میں کسطرح شامل ہوں؟ " .... وہ کہتی ہیں کہ ساحل سمندر تک آجاؤ اور اپنی آنکھیں بند کرکے کھڑے ہوجاؤ، ہم تمکو بہا لیجائینگے .... میں جواب دیتا ہوں " میری پیاری ماں شام کو میری منتظر رہتی ہے، میں اسکو چھوڑ کر کیسے آسکتا ہوں " .... وہ مسکرا کر رقص کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں،

میں اُنسے بہتر کھیل جانتا ہوں، میں موجیں بنجاؤنگا تم ساحل! .... میں تمہاری آغوش محبت میں آکر قہقہہ مارونگا اور کوئی نہ جان سکیگا کہ ہم دونوں کہاں ہیں؟

(ترجمہ از ٹیگور)

تماشائی بریلوی

برادرانِ ہنود اور فارسی شاعری

ہمارے ہندو بھائیون کو اپنی اور ادبی خصوصیات سے قطع نظر کرتے ہوے فارسی شاعری سے جو نسبت و دلبستگی حاصل رہی ہے۔ اُسپر ایک مستقل بحث کی ضرورت ہے جسکے لیے وقت درکار ہے۔ ممکن ہے کہ مین صحیح نقطۂ خیال سے اس عنوان کے تحت مین۔ اظہار رائے سے قاصر رہون مگر یہ کہنے مین تامل نہ کرونگا کہ باستثناے چند ہندوؤن مین ایسی ہستیان بھی بکثرت مل سکینگی جنکو ہندی نژاد ہونیکی حیثیت سے مسلمانون سے کسی طرح کمتر نہین کہا جاسکتا۔

یہ واقعہ ہے کہ کسی زبان کی ترقی و تنزل مین، دیگر اصناف فن کی طرح، حکومت کی سرپرستی کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ فارسی زبان کا ہندوستان مین عروج ایسے ہی ارتقائی اجزا کا نتیجہ ترکیب ہے۔ شاہان مغلیہ کا تسلط فارسی زبان اپنے ساتھ لیکر آیا تھا جسکا اثر ابتک سرزمین ہند کے بعض خطون مین نمایان حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا اگر یہ کہا جائے کہ برادران ہنود بھی ملکی تعلقات سے متاثر ہوئے ہوکر فارسی کی خدمت پر کمربستہ ہوگئے توچندان غلط نہوگا۔

مذکورہ بالا تمہید اس بحث کا جزو لاینفک ہے اسلیے اسکے مبادی پر روشنی ڈالنا ناگزیر تھا اس سے زیادہ تفصیل کسی اور وقت کیلیے اٹھا رکھتا ہون اور خوشگویان ہنود کے حالات اور انکا انتخابی کلام ہدیۂ ناظرین کرتا ہون۔

راجہ رام نراین موزون | اطراف عظیم آباد کے رہنے والے اور قوم کایستھ کے سربرآوردہ ممبر تھے۔ انکے باپ رنگ لال بدایونی کو نواب مہابت جنگ کی سرکار مین عزت و اعتبار کی ممتاز خصوصیت میسر تھی جب باپ نے عالم فانی کو خیرباد کہا تو موروثی خدمت

موزون کو تفویض ہوئی، رفتہ رفتہ عظیم آباد کا نظم و نسق متعلق ہونیکے علاوہ خطاب راجگی بھی عنایت ہوا، پھر کچھ مدت کے بعد بعہد نواب قاسم علی خان عالیجاہ ناظم بنگالہ معزول و محبوس کیے گئے۔ بقول بعض محققین جسوقت عالیجاہ کو ۱۱۸۱ء مین احکام انگریزی سے ہزیمت نصیب ہوئی تو عالیجاہ نے موزون کو قیدخانہ سے نکال کر دریا مین ڈال دیا۔ کہتے ہین کہ عالم یاس مین پانی مانگا، پیالہ ہاتھ مین آیا مگر ایک قطرہ نہ پیا اور بنظر تامل دیکھکر فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

محروم رفت از تو لب تشنۂ حسین اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

پیالہ ایک حسرتناک آواز کے ساتھ چھوٹ کر گر پڑا۔ بالجملہ موزون اسم بامسمی موزون تھے، مبدء فیاض سے ایک حساس دل و دماغ لائے تھے اور شیخ علی حزینؒ کے شاگرد تھے ایک دیوان، ایک رسالۂ انشا انکی یادگار ہے۔

؎ چہ خوش میگفت روزی از ہجوم درد عریانے کہ دل را چاک باید کرد گر نبود گریبانے

؎ زطبع خویش سخن سنج درگرفتار یست قفس نصیب بود و بلبل غزلخوان را

؎ شب کہ دل بے روی جانان نالہای زار داشت شمع ہم بہ حالت او گریہ بسیار داشت

؎ باآہ و اشک تا سروکارم فتادہ است آتش چو شمع در تن زارم فتادہ است

مہاراجہ رتن سنگھ بہادر زخمی | بڑے ذی لیاقت و صائب الرائے انسان تھے، بریلی مین پیدا ہوئے، انکے پدر بزرگوار راے بالک رام وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کی ڈیوڑھی مین میر آتش کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ لکھنؤ مین بالک گنج انھین کے نام سے مشہور ہے۔ مہاراجہ رتن سنگھ کو دربار اودھ مین بڑا وقار حاصل تھا۔ نواب غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر شاہان اودھ نور اللہ مرقدہما کے عہد حکومت مین "منشی الملوکی" کی خدمت پر مامور تھے، محمد علی شاہ بادشاہ سوم ملک اودھ کے زمانہ مین منصب "دیوانی" ارزانی ہوا۔ انکا پورا خطاب "فخر الدولہ دبیر الملک مہاراجہ رتن سنگھ بہادر ہوشیار جنگ" تھا ۱۲۶۸ھ مین اسلام کی حقانیت پر لبیک کہا اور ۱۲۶۸ھ ہجری مین تین سال کے بعد انتقال کیا۔ اکثر علوم متداولہ، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، سنسکرت وغیرہ مین

دسترس تھی۔ شعرگوئی مین جذبات نگاری کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔

؎ چو بگفتم کہ مردم ز غمت باور نبود او را — بحمد اللہ کہ او مرگم بچشم خویش دید آخر

؎ برار تیغ و بیک زخم کارم آسان کن — کہ نیست حل شدنی عقدۂ کہ من دارم

؎ بخند اگرم جان دم بسمل عجبے نیست — آبے ست دگر خنجر آن عہد شکن را

لالہ شیو رام حیا اکبر آبادی | قوم کے کائستھ اور بھگوتی لال متصدی نواب اسد خان وزیر عالمگیر بادشاہ کے خلف الرشید تھے۔ حیا، ہمت، مروت و حسن خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ مین معروف تھے، طبیعت موزون، مزاج رنگین پایا تھا، نازک خیالی و معنی آفرینی مین زیادہ توغل تھا۔ مرزا عبد القادر بیدل سے اصلاح لیتے تھے۔ ایک کتاب "گلگشت بہارارم" بطرز چار عنصر مرزا بیدل تصنیف کی ہو جو بجاے خود انکی کمال استعداد پر دال ہے۔ ۱۱۴۵ھ مین وفات پائی نمونۂ کلام یہ ہے۔

؎ بیاد چشم تو داریم مے پرستیہا — رسانده ایم بگردون دماغ ہستیہا

؎ جز سر مجنون و دست گلرخان سنگ [شکست] جفا — امتیازے بود در ایام پیشین سنگ را

؎ در بیابانیکہ ما داریم صبر از تشنگی — سینہ مالد بر زمین چون سایہ ابر از تشنگی

لالہ لچھمن لال بہجت | قصبہ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ ذہانت، طباعی، خوش فکری کے ماسوا شیرین کلامی سے کافی بہرہ تھا، عوض راے مسرت شاہجہانپوری سے مشورہ کرتے تھے۔

؎ گر بود صبر رسد صد بدہان روزی — حیف صد حیف کہ من صبر ندارم چہ کنم

؎ تعظیم رقیبان تابکے ہر پا برخیزم — ہمان بہتر کہ من از بزم او زین عار برخیزم

بخشی کنج منوہر لال نوش | دیوان دولت راے کے خلف الرشید اور اپنے خاندان کے مایۂ ناز تھے۔ گو انکے آبا و اجداد قنوج کے باشندے تھے، مگر یہ خود بھوپال مین پیدا ہوے اور وہین کی آب و ہوا مین نشو و نما پائی۔ سن تمیز کو پہونچ کر تحصیل علم سے فارغ ہوے تو ریاست نے قدر افزائی کی، اور وقتاً فوقتاً عہدہاے جلیلہ پر ترقی دی۔ اولاً نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے زمانہ ولیعہدی مین مختشم الیہا کی ڈیوڑھی کے کامدار ہوے اور

پالکی، مالائے مروارید، فیل، خلعت فاخرہ وغیرہ خاص مراعات شاہجہانی سے سرفراز ہوتے رہے، پھر نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ نے انکو جوہر قابل پاکر ضلع مشرق کا ناظم کردیا، اور یوماً فیوماً اعتماد و امتیاز مین اضافہ فرماتی رہین -

بالجملہ ۲۱ سال کی عمر مین تقریباً ہر قسم کے تجربات و شاندار معلومات مین طاق ہوگئے دور شاہجہانی گذرا تو عہد سلطانی نے ہاتھون ہاتھ لیا، قابلیت کی کہان قدر نہین، پھر عہد سلطانی تو گویا ایسی باکمال ہستیون کا پہلے ہی سے متلاشی تھا، صدرنشین ہوتے ہی شاہزادون کے اتالیق قرار پائے اور میرمنشی خاص کی خدمت بھی انھین سے متعلق ہوئی بخشی صاحب مرحوم جامع کمالات بزرگ تھے نہایت منکسرالمزاج اور سلیم الطبع، جس سے ملتے تھے، باوجود اعزاز و جاہ، بے تکلف ملتے تھے - علوم ادب مین مولوی عبداللہ صاحب مفتی، و مولوی احمد گل صاحب نائب مفتی کے شاگرد تھے، نثر فارسی مین نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم سے فخر تلمذ حاصل تھا - بڑے مقبول انشاپرداز تھے، انکی فارسی نثر کا اچھے اچھے مضمون نگارون نے لوہا مانا تھا، عبارت پاکیزہ، ترکیبین دلنشین، بندش سشستہ، خیالات بلند، الفاظ شگفتہ، معانی سیراب انکی خصوصیات ہین -

وفات کے سات آٹھ سال پہلے سے رئیسہ عالیہ دام اقبالہا کے کانفیڈنشل سکرٹری تھے - اور تادم آخر اسی عہدہ پر فائز رہے - افسوس ہے کہ بخشی صاحب اکھتر سال کی عمر مین بتاریخ ۹ ۲ ستمبر ۱۳۲۱ھ رہگرائے عالم فانی ہوے - مرحوم کی شاعری کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوگا -

سہ چون نگہداریم در دل عشق پنہانِ ترا	اشک بیخود میچکد از دیدہ باران ترا
سہ تو و حریف و دلم سوختن بحسرت چند	اگر نہ وصل بیک بوسہ میتوان دریاب
سہ دل کہ بحرفے برد طرز کلامش نگر	جان کہ بہ تن در دمد لطف پیامش نگر
سہ نام مسیحا مبر جنبش لعلش ببین	حرف ز محشر مزن طرز خرامش نگر
سہ یاران ہمیشہ ندو مے عشق رساتر	راز یکہ بدل ہست ز افواہ نگہدار
سہ جور و بیداد گری شیوہ محبوبان ہست	لیک ہم مہر باندازہ جفا بایستی

ے این زمانیکہ سرِ تست مرا بر زانو فرصتت باد بفرما چہ مرا بایستی

منشی ہرگوپال تفتہ | قوم کے برہمن اور مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے - انکی شاعری کا کیا کہنا، آخر اسی باغ کے پھول تھے جسکی نکہت بیز ہواؤن نے ایران تک کو مہکا دیا تھا - پھر خود بھی قادرت سے نکتہ رس دماغ درومند دل ساتھ لائے تھے، ۔ اتدن اُستاد سے صحبت رہتی تھی، آپ جو کچھ کہتے تھے خوب کہتے تھے - اسپر اصلاح سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی - انکی تلاش، بلند فکری، انتہا درجہ کی پرگوئی، پھر تخئیل کی نزاکت، جذبات شعر کی خصوصیت اہل ذوق سے پوشیدہ نہین - ہاے کیا زمانہ تھا اور کیسے لوگ تھے اب تو جو دم گزرتا ہے غنیمت ہے، ایک وہ وقت تھا جب تفتہ جیسے طالب اور غالب جیسے باکمال اُستاد بے دامون مل جاتے تھے، ایک یہ وقت ہے کہ اگر اتفاق سے کوئی ماہر فن مل بھی جائے تو قدردانی معلوم - حضرت تفتہ کے سوانح زندگی نہایت تاریکی مین ہین تفصیلی حالات دستیاب نہو سکے اگر بعد میں مزید کچھ اور معلومات بہم پہونچین تو انشاء اللہ جداگانہ نذر زمانہ ہوگی - انکے پانچ دیوان ہین اور تقریباً ہر دیوان مین تیرہ ہزار شعر - تلاش کرنیوالا کہان تک تلاش کرے اور لطف اُٹھانے والا کب تک لطف اندوز ہو - ہاے کیا کہتے تھے -

ے حسرت ہلاک بیکسیٔ آنکہ بر درت با جان خستہ آمد و با چشم تر گذشت

ے بد بختیم زخویش نہ تنہا بر د مرا خواب ار شوم ز چشم تو شبہا برد مرا

ے دردے کہ جان مالبیب آرد دواے ماست مرگے کہ ۔ وبہا نماید شفاے ماست

ے ما نہ تنہا دیدہ پر نم کردہ ایم انچہ نتوان کرد آنہم کردہ ایم

دارد از خود رفتنہا عالمے رفتہ ایم و سیر عالم کردہ ایم

ے اے زخم بو سمت لب خندان کیستی اے داغ بوئیت گل بستان کیستی

ے تیغ اُفتاد از کف قاتل زندگانی وبال گردن کیست

صید وحشی دسو نمید انم برق گرم تلاش خرمن کیست

راجہ گنگا پرشاد بدر لکھنؤ کے فہم وسنجیدہ کایستھ تھے، انکے باپ دادا سرکار اودھ مین*

خدمات جلیلہ پر سرفراز تھے۔ یہ خود انقلاب عظیم کے بعد واجد علی شاہ خاتم السلاطین اودھ کے حضور مین دفتر خاص کے سررشتہ دار ہو گئے سیاق وسباق مین ماہر محاورات وسلاست مین کامل تھے، شعر گوئی مین گل محمد خان ناطق سے فیض پایا تھا۔

؎	از ہجوم داغ بر دل گلستان داریم ما	نے غم گلچین نہ اندوہ خزان داریم ما
؎	از خم طرۂ اش معاذ اللہ	من و اندیشۂ رہائیہا
؎	سر در ہوای زلف معنبر نہادہ ایم	یارب عجب سریست کہ در سر نہادہ ایم
؎	میکشان مژدہ کہ از کعبہ بہ میخانہ شدم	سبحہ بگسستم و ہم شرب پیمانہ شدم

لالہ مٹھو لال مرشد | الہ آباد کے خوشگو شاعر اور شاہ ایم الہ آبادی کے نظر کردہ تھے، سلاست و پاکیزہ خیالی انکے کلام سے ہویدا ہے، تلاش بھی قابل داد ہے سنہ وفات معلوم نہوا۔

؎	چہ اندیشہ از شہر و باز ار واری	چو فرہاد گر عزم کہسار داری
	مدار ای چشم ترحم ز چشمش	نیاید ز بیمار بیمار داری
؎	تشنۂ خون عزیزان تیغ جلاد من ست	بخت اگر یاری کند بیداد او داد من ست
؎	دل را زبند زلف تو آزاد میکند	مشاطہ را ببین کہ چہ بیداد میکند
؎	اسرار نہان مرشد از دل بلب ما	ہیہات کہ شد مہر لب ما ادب ما

لالہ درگا پرشاد مدہوش | بڑے خوش اخلاق اور نیک مزاج شخص تھے، دراصل دہلی کے باشندے تھے۔ انکے دادا راجہ رام رتن محمد شاہ بادشاہ کے معتمد ملازم تھے اور باپ بجے نرائن، شاہ عالم بادشاہ کے ارکین سلطنت مین شامل تھے۔ مدہوش نے جب ہوش سنبھالا تو تعلیم وغیرہ کی طرف توجہ ہوئی اور اسی سلسلہ مین کانپور کو وطن بنانا پڑا، قاضی محمد صادق اختر کے دوست تھے انھین سے اصلاح بھی لیتے تھے، زندگی بکمال فراغت بسر کی، کبھی زمانہ کی گردش نے شکایت کا موقع نہ دیا ۱۲۵۵ھ مین دنیا کو خیر باد کہا شعر خوب کہتے تھے۔

؎	از شر شکم بوے خون می آید ای ہمدم کنون	آرزوے دیدہ شاید انتہاے گریہ ست
	دوش کز طوفان اشکم تن غریق آب بود	حلقۂ چشم درو چون حلقۂ گرداب بود

حشر بہ پا گشت بیداری نصیب ما نشد زلف شکینش مگر زنجیر پائے خواب بود

ع شکستہ پائی من دستگیر شد آخر نیافتم چو بجز و تاب جستجوئے ترا

ہیرالال عرف شیام سندر سرشار قصبہ کاکوری کے رہنے والے تھے، سیاق سباق، نظم فارسی بھاشا اُردو وغیرہ فنون مین خاصے ماہر تھے، ایک مدت تک سررشتہ بخشیگری دربار اودھ مین ملازم رہے، پھر چاشنی معرفت سے آشنا ہو کر دنیاوی تعلقات سے منھ موڑ لیا، بقیہ زندگی عبادت و ریاضت مین بسر کی ۱۲۸۲ھ مین انتقال کیا۔ ایک دیوان و مثنوی انکی یادگار ہے۔

بشگفت گل کہ تا چو رخ او شود نشد گردید آب تا عرق او شود نشد

ہرچند جلوہ کرد بصد رنگ بر فلک قوس قزح مشابہ ابرو شود نشد

لالہ اندرمن کنول رام ولد کنور سین کے فرزند تھے۔ اورنگ آباد ضلع علی گڑھ مین پیدا ہوئے۔ علوم ادبیہ کا مذاق اچھا تھا، جو کچھ پڑھا شوق سے پڑھا، فارسی مین شیخ نظام الدین سکندر آبادی سے استفادہ کیا، سخن سنجی و موزون طبعی مین خوب شہرت پائی۔ پہلے شکیب تخلص کرتے تھے، پھر اپنا نام ہی بجائے تخلص کے اختیار کیا، اگرچہ آنکھین عین جوانی مین بے نور ہو گئی تھین، لیکن حافظہ اتنا قوی تھا کہ اپنی ساری نظم و نثر نوک زبان تھی حسین قلی خان مولف تذکرہ نشتر عشق سے محبانہ تعلقات تھے، مولف مذکور نے اپنی کتاب مین اندرمن کے بہت سے اشعار و حالات لکھے ہین۔

ع صد جلوہ در کرشمہ آن ماہ پارہ ہست این ماہ نو ز ابروے او یک اشارہ ہست

ع تا بجستن نگہش نظر افتادمرا نمکے تازہ بزخم جگر افتاد مرا

تا شدم محو لب و زلف و رخ رعنائے او از کلامم شکر و مشک و گلاب آید برون

غالباً اتنی مثالین ایک دقیقہ رس نگاہ کیلیے تحقیق حق کا کافی ذریعہ ہو سکتی ہین اسلیے اب مزید شہادتونکی ضرورت نہین، جہان تک میرا خیال ہے، مین مذکورۂ بالا شاعرونمین فارسیت کا وہی انداز نمایان دیکھتا ہون جو عام نقطۂ خیال سے، ہندوستان کے عام مسلمان شاعرونکا مایۂ سخن ہے، ہان چند مخصوص نظیرین ضرور ایسی ہین جو اس کلیہ سے خارج ہیں لیکن وہ وہی ہین جنکا کلام اہل خصوصیت مین تصرف کی ضرورت سے مستغنی ہے

ابو الوفا محمد زکریا مائل تھنوی

ہندوستانی

(۱)

خانصاحب کو رنگ میں تر اور دیکھکر انکا ملازم غفور بولا "اے حضور یہ رنگ کیسا؟"

خانصاحب نے جواب دیا "بھئی کیا کہوں کشوری لال کے یہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک صاحب نے ناواقفیت کی وجہ سے مجھپر بھی یہ عنایت کر دی"

غفور "کون مردود تھا۔ خدا کی قسم اگر بابو کشوری لال کے گھر کی بات نہ ہوتی تو ابھی جاکے ٹانگیں چیر ڈالتا مردک کی۔ وہ بھی کیا یاد کرتا کہ کسی کے ساتھ ہولی کھیلی تھی"

خانصاحب نے کہا "ارے بھئی انکو معلوم ہوتا کہ میں مسلمان ہوں تو وہ کبھی ایسی جرأت نہ کرتے۔ کشوری لال نے بعد کو انھیں بہت قائل معقول کیا۔ وہ بھی بڑے شرمندہ ہوئے، معافی مانگنے لگے۔

غفور "تو حضور غسل کر کے کپڑے بدل لیں"

"ہاں غسل کر ڈالوں گا" یہ کہتے ہوئے خانصاحب مکان کے اندر چلے گئے۔ مکان میں پہونچتے ہی پہلے بیوی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ خانصاحب کو اس رنگ میں دیکھ کے جھنجلا کر بولیں "اوئی آج یہ کیا شکل بنائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوں کی صحبت بیٹھکر ہولی بھی کھیلنے لگے۔

خانصاحب "معاذ اللہ تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔

—— "تو آخر یہ صورت کیسے بنی؟

—— "بابو کشوری لال کے یہاں بیٹھا تھا ایک صاحب نے اوروں پر رنگ چھوڑا ناوانستگی سے مجھپر بھی پڑ گیا۔ لوگ ہاں ہاں کرتے ہی رہے مگر انھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میں مسلمان ہوں تو بیچارے بہت خفیف ہوے

عذر معذرت کرنے لگے۔

——" تو تمھین آجکل ایسی جگہ جانا ہی کیا ضرور تھا۔ ہولی کے دنون مین تو ہندؤون پر شیطان سوار رہتا ہے"

——" وہ شیطان سوار رہتا ہے گنوارون پر اور غیر تعلیم یافتہ لوگون پر۔ یہ تو ایک اتفاقیہ بات ہے۔

——" کشوری لال کے گھر مین مجھے اندنون کئی مرتبہ بلایا مگر مین اسی خوف سے نہین گئی۔ وہ بیچاری تو بہلو گون کی مذہبی باتون سے واقف ہین مگر اُنکے یہان ادھر اُدھر کی مستانیان جمع ہوتی ہین وہ اتنا اودھم مچاتی ہین کہ توبہ ہی بھلی۔ اپنے آگے کسی کی نہین سنتین"

——" اُن لوگون کا تو تہوار ہے۔ اُنکے یہان تو رنگ کھیلنا لازمی امر ہے"

——" اے تو اُنکے یہان ہوا کیے ہمارے یہان تو نہین ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب غسل کر ڈالو۔ کپڑے تو برباد ہی ہوگئے۔ یہ رنگ اب بھلا کیا چھوٹے گا۔

——" کہا ہوگا تو چھوٹ جائیگا۔

یہ کہکر خانصاحب کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے مین چلے گئے۔ خانصاحب کی شرافت اور وضعداری کے سب قائل تھے۔ اُنکے صلح کل مزاج نے کیا ہندو کیا مسلمان سب کو اُنکا خیر خواہ بنا رکھا تھا خصوصاً بابو کشوری لال تو خانصاحب کے برتاؤ سے اسقدر خوش تھے کہ خانصاحب کو اپنا سچا دوست سمجھتے تھے اور اکثر اپنے دوستون سے کہا کرتے تھے" اگر آج تک مجھے کوئی بے تعصب شخص ملا ہے تو وہ ہمارے محلہ کے عباس علی خان ہین۔ یہ غیر ممکن تھا کہ کوئی ہندو خانصاحب کو برا کہے اور بابو کشوری لال چپ چاپ سنا کرین۔ اکثر ایسا اتفاق بھی ہوا ہے کہ خانصاحب کے لیے کشوری لال اُن لوگون سے جھگڑ پڑے جنکی راے کے آگے وہ ہمیشہ سر تسلیم خم کرتے تھے۔ جب خانصاحب کو اُنکے اسطرح لڑمرنے کی خبر ملتی تھی تو وہ کسی قدر تبسم آمیز ناراضگی سے کہتے تھے" بھئی کشوری لال تمھاری یہ عادت مجھے نہایت ناپسند

تم خواہ مخواہ میرے لیے لڑتے پھرتے ہو۔ آخر تمھین اس لڑائی جھگڑے سے ملتا کیا ہے؟ بلا وجہ کسی سے دشمنی پیدا کرنا۔ یہ کونسی دانشمندی کی بات ہے۔ کشوری لال اسکے جواب مین جوش کے ساتھ کہا کرتے تھے۔ خانصاحب آپ کی کوئی شخص بُرائی کرے اور مین خاموش سُنا کرون۔ مجھسے تو یہ ہرگز نہین ہو سکتا۔ مجھے اُن لوگون کی بات پر سخت غصہ آتا ہے جنکو آپ کی بابت کچھ بھی واقفیت نہین اور پھر خواہ مخواہ آپکی ذات پر حملہ کرنے کی جرأت کرتے ہین۔

خانصاحب ہنسکر کہتے تھے بھئی تمھارا لڑکپن نہین جاتا یہ افسوس کی بات ہے ارے میان کسی کے حملہ کرنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ مین تو جیسا ہون خدا کے فضل و کرم سے ویسا ہی رہون گا۔ لوگ اپنا دل خوش کرتے ہین۔ کرنے دو۔ اگر میری بُرائی کرنے سے کسی کا دل خوش ہوتا ہو۔ کسی کو نفع پہونچتا ہو تو کیا مضائقہ ہے مگر تمھین مین یہ مشورہ نہین دیتا کہ تم میرے لیے تمام زمانہ سے دشمنی مول لیتے پھرو۔

کشوری لال لاجواب ہوکر کہ دیا کرتے تھے۔ آپ کا فرمانا بجا و درست ہے مگر کرون میری طبیعت نہین مانتی۔

کشوری لال کا مکان خانصاحب کے مکان سے قریب ہی تھا اسلیے فرصت کے وقت کبھی خانصاحب کشوری لال کے یہان اور کبھی کشوری لال خانصاحب کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ دونون گھرون کی مستورات مین بھی سلسلہ آمد و رفت جاری رہتا تھا شادی و غمی مین دونون جانب سے شرکت ہوتی تھی۔ ہولی دیوالی مین کشوری لال کے یہان سے خانصاحب کے یہان کھانے پینے کی چیزین بھی جایا کرتی تھین۔ خانصاحب کے صاحبزادے بشیر احمد خان علی گڑھ کالج مین تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس سال فورتھ ایر کا امتحان دیکر مکان پر آئے ہوے تھے۔ انھین خانصاحب کا ہندوؤن کے ساتھ اس بے تکلفی سے ملنا جلنا بہت ناگوار گذرتا تھا انھون نے خانصاحب سے اس بات کی شکایت بھی کی تھی مگر خانصاحب ہمیشہ انکی بات کو ہنسکر ٹال دیا کرتے تھے۔

(۲)

بشیر احمد خاں اپنے ایک دوست کی ملاقات کو گئے ہوئے تھے وہاں سے وہ اُسوقت لوٹے جبکہ خانصاحب غسل کر رہے تھے اُنکے دروازہ پر قدم رکھتے ہی غفور نے کہا "چھوٹے حضور۔ آج تو بڑے حضور نے انتہا کر دی۔ ہولی کھیل کر آئے ہین۔

بشیر احمد چونک کر بولے۔ کیا کہا۔ ہولی کھیل کر آئے ہین"

غفور "حضور خود جا کر دیکھ لیجئے۔ غلط نکلے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ اُسوقت آپ موجود ہوتے تو تماشا دیکھتے۔

بشیر احمد "مجھے ایسی حرکتین پسند نہین۔ مین مذہب کے معاملہ مین بہت سخت ہون"

فتنہ پرداز غفور نے موقع مناسب سمجھ کے بشیر احمد کو بھڑکانے کے لیے کہا خیر جانے دیجئے جو ہوا سو ہوا۔

—— "مجھے انکی سمجھ پر افسوس آتا ہے"

—— "تو خدا کے لیے جاتے ہی نہ اُلجھ پڑیئے گا ورنہ بڑے حضور سمجھ جاوینگے کہ غفور نے کچا چٹھا جڑ دیا۔ آپ اور وہ تو لڑ بھڑ کر ایک ہو جاوینگے مفت مین مجھ غریب کے ماتھے جائے گی۔ بشیر احمد نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور غصہ مین بھرے ہوئے اندر پہونچے خانصاحب غسل کرکے تولیہ سے بدن پونچھ رہے تھے۔ بشیر احمد نے غفور کے خیال سے غصہ کو ضبط کرکے بہ نرمی پوچھا۔ آج یہ بیوقت غسل کیسا؟

خانصاحب بشیر احمد کی خصلت اور اُنکے خیالات سے خوب واقف تھے اپنے بچھڑے کے دانت کون نہین پہچانتا۔ بشیر احمد کے سوال سے اُنکا دل دھڑکنے لگا دل کڑا کرکے ہنس دیے اور صرف اتنا کہا۔ کیا کہین بس ایک اتفاقیہ ضرورت پیش آگئی۔

بشیر احمد نے ذرا تند لہجے مین کہا۔ اتفاق کیسا کچھ معلوم بھی تو ہو؟

—— "کیا بتائین۔ فائدہ کیا جو ہوا سو ہوا۔

بشیر احمد کی والدہ دالان مین بیٹھی پان بنا رہی تھین۔ انھون نے ذہین سے لہاسے ائے تو اب چھپانے سے کیا فائدہ۔ بتلا کیون نہین دیتے۔ تم تو ایسے چھپاتے ہو

نے جیسے قصداً ہولی کھیل کر آئے ہو۔

خانصاحب کچھ ناراض ہوکر بولے۔ تمھاری عقل کو تو گھن لگ گیا ہے۔ بھلا مین قصداً ہولی کھیلون گا؟ کہتے بھی شرم نہین آتی۔ تو صاحب اس بڑھاپے مین ہولی کھیلون گا۔ توبہ توبہ۔

بشیر احمد اپنے غصہ کی باگین ڈھیلی کرکے بولے۔ تو یہ کہیے آج آپنے ہولی بھی کھیل ڈالی۔

خانصاحب گھبرا کر بولے۔ بیٹا تم بھی انکی باتون مین آگئے۔ عورتین تو ناقص العقل ہوتی ہی ہین۔ کیا تمھین مجھ سے اُمید ہے کہ مین ہولی کھیلون گا؟

——"اباجان۔ قصور معاف۔ آپ کے مزاج سے یہ بات کچھ بعید نہین"

——"لاحول ولا قوۃ۔ کیا کفر بکتے ہو"

——"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب آپ ہی کفر کے حامی ہو رہے ہین تو مین اگر کفر بکون تو کیا گناہ ہے؟"

——"بھئی پوری بات بھی سنوگے یا اپنی ہی کہے جاؤ گے۔ کشوری لال کے یہان مین بیٹھا ہوا تھا۔ وہان اُنکے ایک دوست آئے۔ اُن بیچارون کو یہ معلوم نہ تھا کہ مین مسلمان ہون۔ دھوکے مین مجھپر بھی رنگ ڈال دیا۔ اب تمھین بتاؤ اسمین میرا کیا قصور۔ قصور تو اُنکا بھی نہین۔ اُنھین میرے مسلمان ہونے کا علم ہوتا تو ایسا کیون کرتے۔

——"قصور سراسر آپ کا ہے۔ آپ اپنی وضع ایسی کیون رکھتے ہین جس سے دھوکا ہوا۔ اباجان اُس روز میرے دوست احمد مرزا آئے تھے اُنھون نے بھی دبی زبان سے کہا تھا بھئی بشیر یہ اللہ مانتا تمھارے والد صاحب آدھے ہندو ہین۔ اللہ جانتا ہے اُسوقت مین شرم کے مارے عرق عرق ہوگیا۔ میرے منھ سے جواب نہ نکلا۔ اور جواب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اُنکی آنکھون کے سامنے تو مثال موجود تھی۔ اور ایک احمد مرزا ہی پر کیا۔ جو سچا مسلمان دیکھتا ہے وہی یہ بات کہتا ہے۔ چھوٹے چچا بھی بارہا یہی بات کہہ چکے ہین۔ کئی بار آپسے اور اباجان سے اسی بات پر بحث و مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔

خانصاحب بولے۔ تمھارے چھوٹے چچا مین تو تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور مجھے تعصب سے نفرت ہے۔ میرا تو اُصول یہ ہے کہ ہندو مسلمانون کو اس طرح رہنا چاہیے گویا دونون بھائی بھائی ہین، رہا مذہب، اُسکے متعلق یہ کافی ہے کہ عیسیٰ بدین خود۔ موسیٰ بدین خود۔

——"سبحان اللہ، کیا اچھا اُصول ہے"۔

خانصاحب چوکی سے اُتر آئے اور اپنا کرتہ پہنتے ہوے بولے۔ اب آجکل جبکہ ہندو مسلم کے اتحاد کا سوال اس زور شور سے چھڑا ہوا ہے اور ہمارے و نیز ہندوون کے بڑے بڑے علما اور لیڈر اسکے حامی ہین تب تم اس اُصول کو غلط نہین کہہ سکتے۔

——"مین کہتا ہون سب فضول ہے۔ ہندو مسلم یونیٹی کا سوال ایک ایسا سوال ہے جو کبھی حل نہین ہوسکتا۔ این خیال است و محال است و جنون۔ اسلام کبھی کفر کا شریک نہین ہوسکتا۔

——"اگر ہملوگون کو ہندوستان مین رہکر آزادی حاصل کرنا ہے تو ایسا ضرور کرنا پڑے گا۔

——"مین پوچھتا ہون کہ کیا ہندو آپ کی شرکت تسلیم کرینگے؟ ہندو مسلم یونیٹی کے سوال مین سب سے زیادہ الجھن ہندوؤن کی جانب سے پیدا کیجاتی ہے ذرا غور تو کیجیے کہ ہملوگ تو ہندوون کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھالین اور وہ ہمارے چھوئے ہوئے برتن مین پانی تک نہ پیین۔ ابھی اُس روز ریل مین جس برتھ (سیٹ) پر مین بیٹھا ہوا تھا اُسپر ایک ہندو بھی بیٹھے ہوے تھے۔ اُنھون نے اٹاوہ کے اسٹیشن پر پوریان خریدین۔ اوپر کے برتھ پر میری شیروانی رکھی تھی اُسکا ایک کونہ لٹکا ہوا تھا اتفاقاً اُنکی بد احتیاطی کی وجہ سے شیروانی کا کونہ پوریون کے دونے سے چھو گیا بس اُنھون نے فوراً پوریان پھینکدین۔ دوسری خریدین۔ بخدا میری آنکھون مین خون اُتر آیا۔ مین نے اُسی وقت یہ عہد کرلیا کہ مین بھی کبھی کسی ہندو کی چھوئی ہوئی چیز نہ کھاؤنگا۔ اگر کھاؤنگا تو صرف اُس ہندو کی چیز جسکو میری چھوئی چیز

کھانے سے پرہیز ہوگا۔ جو لوگ ہملوگون سے اتنی نفرت کرتے ہون اُنسے ہم کسطرح ملسکتے ہین
بشیر احمد کی والدہ بولین بیٹا یہ بات تو تمنے خوب کہی۔ سچ کہون مجھے بھی یہ بات بڑی ناگوار گزرتی ہے۔ مین جب کستوری لال کے یہان جاتی ہون اور وہ کوئی چیز دیتی ہین تو اسطرح جیسے اپنے حساب کسی مہترانی کو دے رہی ہین۔ دور سے۔ کچھ کھلاوینگی تو الگ ایک کونے مین بٹھاکر۔ مجھے بڑی شرم معلوم ہوتی ہے۔ مگر کیا کرون ضبط کرتی ہون۔ ہوئی آنکھون کی مروت سے سب سہنا پڑتا ہے۔ یہ سوچتی ہون کہ ان لوگون کے یہان ایسا ہی دستور ہے یہ بیچاری کیا کرین۔

بشیر نے کہا میرے کہنے کا اور کیا مطلب ہے۔ مین بھی تو یہی کہتا ہون۔ ہملوگ اپنا قاعدہ کیون چھوڑین۔ تالی دونون ہاتھون سے بجتی ہے۔

خانصاحب اسموقع پر لاجواب ہوگئے۔ فطرت انسانی کے مطابق اُنھین دل مین یہ بات قبول کرنی پڑی۔ اُنھون نے اسکی سچائی کو محسوس کیا۔ بولے۔ تمھارے دلائل ٹھیک ہین مگر چارہ ہی کیا ہے۔ یہ بات تو زمانۂ سلف سے چلی آرہی ہے۔ کوئی نئی بات نہین اسے وہ لوگ کیسے ترک کرسکتے ہین۔

بشیر۔ تو معاف کیجیے۔ ہمارے یہان بھی جو بات سلف سے چلی آرہی ہے اُسے ہم بھی ترک نہین کرسکتے۔

بشیر کی والدہ بولین۔ اے تو اب اس بحث مباحثہ سے کیا حاصل۔ محنت (مفت) کی غائین لٹائین۔ بشیر بیٹا جاؤ تم کپڑے بدلو۔ مجھے ان باتون سے نفرت ہے۔ ایک بات کو لیکے گھنٹون رٹنا۔ جو ہوا سو ہوا۔ گزشتہ را صلواۃ۔

بشیر۔ ہان گزشتہ را صلواۃ مگر آیندہ را احتیاط، اسکا بھی خیال رہے۔ یہ کہکر بشیر اپنے کمرے مین چلے گئے۔

(۳)

——"حضور۔ بابو کستوری لال کے یہان سے شیرینی آئی ہے"

خانصاحب گھر مین تھے نہین۔ بشیر احمد غفور کی بات سنتے ہی باہر نکل آئے اور

عفور سے بولے۔ کون لایا ہے؟

—"اُنکا ملازم۔ دروازہ پر خوان لیے کھڑا ہے۔ اندر سے کوئی برتن منگوا دیجیے تو اسمین لے لون۔ اچھا آپ کیون تکلیف کرینگے مین ہی ماما کو آواز دیے لیتا ہون"

یہ کہکر غفور زنانی ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔ بشیر احمد بول اُٹھے۔ رہنے دو ماما کو آواز دینے کی کوئی ضرورت نہین۔ واپس کردو۔

غفور" حیرت زدہ ہوکر بولا۔ واپس کردون؟

—"ہان واپس کردو"

—"کیون؟"

بشیر احمد چین بجبین ہوکر بولے" جو مین کہتا ہون وہ کرو"

—"غلام کی کیا مجال جو حضور کے حکم سے انحراف کرے مگر بات صرف اتنی ہے کہ بڑے حضور سُنین گے تو سخت ناراض ہونگے"

—"اسکی ذمہ داری مجھپر ہے تم تو میرے حکم کی تعمیل کر رہے ہو۔

—" مجھے حکم کی تعمیل مین کوئی عذر نہین مگر حضور، اچھی طرح اسپر غور کرلین بڑے حضور کی اور بابو کشوری لال کی ——— !

—"ہان ہان یہ سب مجھے معلوم ہے مگر کوئی پروا نہین۔ واپس کردو۔

—"جیسی حضور کی مرضی۔

یہ کہکر غفور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا۔ واپس کردی مگر گستاخی معاف۔ حضور نے آج بڑا غضب کیا۔ بابو کشوری لال کو بڑا صدمہ ہوگا۔

—"ہونے دو۔ یہ لوگ اسی قابل ہین۔ ہمارا اور اِن لوگون کا میل کیا؟

—یہ تو حضور ایک بار نہین ہزار بار ٹھیک ہے۔ رات اور دن کا بھی کہین میل ہوا ہے سیاہی اور سفیدی کبھی ایک ہوسکتی ہین؟

—"ابا جان ہندون سے شیر و شکر ہونا چاہتے ہین مگر مین یہ کہتا ہون کہ یہ بات غیر ممکن ہے"

—— " کیا بات کہی ہے حضور نے - واللہ قسم ہے دادی جان کی یہی بات بارہا میرے دل مین آئی - مگر حضور زبان پر لانے کی جرأت نہوئی - کاہے سے کہ حضور میری بساط کیا - ٹکے کا آدمی - حضور کی جوتیون کے صدقے مین آدھ سیر آٹے سے لگا ہوا ہون - پڑھا لکھا بھی کچھ نہین - خدا بخشے ابا جان نے بہتیرا چاہا - لاکھ لاکھ کوشش کی مگر نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا - گھر سے بستہ بغل مین داب اسکول کے لیے چلے اور پریٹ (پریڈ) پر آکر ڈٹ گئے - دن بھر گلی ڈنڈا کھیلا - کنکوے اُڑائے - شام ہوئی اور گھر جا پہونچے - سو حضور جیسا کیا ویسا بھگت رہے ہین - مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے حضور کی جوتیون کے طفیل مین روٹی کپڑا ملا جاتا ہے مگر دیکھیے آج بڑے حضور کی اور آپ کی کیسے نپٹے - قسم قرآن کی سنتے ہی آگ بگولا ہو جائینگے -

—— " دیکھا جائیگا "

یہ کہکر بشیر احمد مکان کے اندر چلے گئے -

دو گھنٹہ بعد جب خانصاحب واپس آئے تو اُنھین معلوم ہوا کہ کشوری لال کے یہان سے شیرینی آئی تھی وہ بشیر احمد نے واپس کر دی - سُنتے ہی خانصاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا - بولے کسکے حکم سے واپس کی گئی - بشیر احمد نے سامنے آکر کہا " یہ گستاخی مجھسے سرزد ہوئی ہے "

خانصاحب " تمنے ایسا کیون کیا ؟ "

—— " اسلیے کہ مین اُنسے کسی طرح کا تعلق رکھنا نہین چاہتا - اور آپ سے بھی ایسی ہی استدعا کرتا ہون "

خانصاحب " تو تمھارا منشا مجھے ضعیفی مین روسیاہ بنانے کا ہے "

—— " ہرگز نہین - خدا نہ کرے "

—— " کیون نہین - کشوری لال اپنے دل مین کیا کہین گے اور جو کوئی سُنے گا وہ کیا سے کہے گا ؟

—— " زمانے کے کہنے کی پروا کرنا فضول بات ہے - البتہ کشوری لال کی ناخوشی کا

مین ذمہ دار ہون۔ جب کچھ کہین تو آپ سارا الزام میرے سر ڈال دیجیے گا۔ مین اُنسے گفتگو کرون گا۔ اگر اسکے بعد بھی وہ میری اس حرکت کو نامناسب بتا دین تو مین قصور وار ہُ"

خانصاحب کا غصہ اس دلیل کے سامنے جو نہایت ادب اور نرمی کے ساتھ پیش کی گئی تھی ہیکا رہ گیا۔ اُنھون نے سوچا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ بشیر بھی کوئی ناسمجھ بچہ نہین۔ تعلیمیافتہ ہے۔ میری رُسوائی نہ چاہے گا۔ ضرور اُسنے کوئی بچاؤ کا پہلو سوچ رکھا ہوگا۔ ظاہرا پہلو تو یہی ہے کہ اُسنے بھی وہی بات کہے گا جو مجھسے کہی تھی۔ خیر، ہرچہ بادا باد۔

یہ سوچکر بزرگانہ لہجے مین کہا۔

کچھ بھی ہو تمھاری یہ ناشایستہ حرکت مجھے نہایت ناگوار گذری اور اگر تم اپنی گفتگو سے بابو کشوری لال کا دل میری جانب سے صاف نہ کرسکے تو مجھے سخت صدمہ ہوگا۔

یہ کہکر خانصاحب اپنے کمرے مین چلے گئے۔

شام کو بابو کشوری لال خانصاحب کے پاس دوڑے آئے اور آتے ہی کہا۔

اجی خانصاحب یہ کیا بات ہے؟ آپ نے آج شیرینی کیون واپس کردی؟ یہ معاملہ کیا ہے؟ مجھسے کیا خطا سرزد ہوئی؟ مین اُسی وقت سے ایک اُلجھن مین ہون، وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

خانصاحب محجوب ہو کر بولے۔ بھئی کشوری لال بخدا مین مکان پر موجود نہ تھا میری عدم موجودگی مین بشیر سے یہ گستاخی سرزد ہوئی۔ خدا جانے کیون۔ اِسکی جوابدہی اُسی کے ذمہ ہے۔ بیٹھو مین اُسے بھی بلوا تا ہون۔ (غفور کو آواز دے کر) غفور۔ ذرا بشیر کو بلا لینا۔ کیا کہون مجھے بھی بڑا استعجاب ہوا اور غصہ بھی بہت آیا۔ مگر بشیر نے کہا کہ وہ تمھین مطمئن کردے گا۔ اس لحاظ سے غصہ کو ضبط کیے بیٹھا ہون۔ کیا کرون۔ برابر کا بیٹا ہے اور تعلیمیافتہ۔ اُسکی بھی سُن لینا مناسب ہے دیکھو کیا کہتا ہے"

کشوری لال نے کہا۔ صاحبزادے مجھسے اتنے ناراض کیون ہوگئے۔ مجھسے تو

تو انکی شان میں کبھی ——

کشوری لال کی بات ختم ہونیکے پہلے ہی بشیر آگئے۔

بشیر کو دیکھتے ہی خانصاحب نے کہا۔ بھئی بشیر کشوری لال شکایت کر رہے ہیں اور انکی شکایت میرے سر آنکھوں پر۔ مگر، اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست ؎

بشیر نے کشوری لال کو مخاطب کرکے کہا۔ بلا شک اسمین ابا جان کا ذرا بھی قصور نہین۔ قصور جو کچھ ہے وہ میرا ہے۔ مین نے ابا جان کی عدم موجودگی مین شیرینی واپس کردی۔

کشوری لال نے کہا۔ مگر اسکی وجہ؟

بشیر۔ بہت بڑی وجہ تو یہ ہے کہ جب آپ ہمارے گھر کی اور ہماری چھوئی ہوئی چیز نہین کھاتے تو ہم آپ کی اور آپ کی چھوئی ہوئی چیز کیون کھائین۔

کشوری لال کو ایسا جواب سننے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کچھ لمحہ تک وہ سکتہ کی حالت مین رہے۔ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ اسکا کیا جواب دیا جائے۔ آخرکار سنبھل کر بولے یہ تو کوئی نئی بات نہین ہے۔

بشیر۔ یہ کوئی دلیل نہین ہے۔ اتحاد اور میل کی پہلی بات یہ ہے کہ وقت مقررہ پر آپ ہمین اپنے ہاتھ سے کھلا سکین اور ہم آپ کو۔ جب آپ ہمارے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی بھی نہین پی سکتے تو پھر الفت اور محبت کا کیا ذکر؟ ہم اس توہین کو کبھی برداشت نہین کرسکتے کہ ایک جانب تو آپ یہ کہتے پھرین کہ خانصاحب کو ہم حقیقی بھائی کے مانند سمجھتے ہین اور دوسری جانب یہ کہ اگر خانصاحب کا کوئی کپڑا آپ کے کسی کھانے کی چیز سے چھو جائے تو آپ اُسے نالی مین پھینکدین۔

کشوری لال نے۔ آپ تو مذہبی باتون پر آگئے۔

بشیر نے۔ مذہب کو بالائے طاق رکھد یجئے ملکی معاملات کے نقطہ نظر سے اسپر غور کیجئے یہ زمانہ ترقی کا ہے۔ ہمکو چاہیے کہ ہم زمانہ کی روش پر چل کر اپنی ہستی قائم رکھنے کی کوشش کرین اور دوسری قومون کے سامنے ممتاز بنین۔ پرانی لکیرین پیٹ

سے اب کام نہین چل سکتا۔ کیا آپ بتلا سکتے ہین کہ اگر ہمکو برٹش قوم کی غلامی سے نجات مل گئی تو ہندو مسلمانون کے یا مسلمان ہندوون کے ماتحت ہوکر رہ سکتے ہین۔ مین تو کہتا ہون کہ اب یہ غیر ممکن ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر آج ہم آزاد ہوجائین تو مسلمان اور ہندوون مین مذہبی تعصب اور چھوا چھوت کے ایسے جھگڑے اٹھ کھڑے ہونگے کہ ہم ایک بلا سے نکلکر دوسری بلا مین پھنس جائینگے جو پہلی بلا سے زیادہ مہلک ہوگی"

کشوری لال۔ بندہ پرور آپ ہملوگون پر جو الزام رکھتے ہین وہی الزام آپ پر بھی آتا ہے کیا آپ ٹھنڈے دل سے کہہ سکتے ہین کہ آپ لوگ ہمکو اسی نظر سے دیکھتے ہین جس نظر سے ایک مسلمان کو دیکھتے ہین۔ فرض کر لیجئے کہ آج مین آپ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوجاؤن تو کیا آپ کے دل سے یہ خیال جاتا رہیگا کہ مین کافر ہون۔ آپ لوگ گاے کی قربانی کرتے ہین اس سے ہملوگون کو کسقدر روحانی تکلیف پہونچتی ہے۔ کیا آپ اسے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ سکتے ہین؟"

۔۔۔۔ یہ تو مذہبی بات ہوئی۔ ملکی بات یہ ہے کہ آپ ہندوستان مین پیدا ہوئے ہندوستان مین رہتے ہین لیکن آپ کی ملکی دلچسپی ٹرکی کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر ہندوستان آج آزاد ہوجاے اور کل ٹرکی ہندوستان پر قبضہ کرنے کی نیت سے آپ پر حملہ کرے تو کیا آپ ہندوون کے ساتھ متفق ہوکر اور ہندوستان کو پنجے سے بچانے کی کوشش کرینگے؟

کشوری لال کے ان سوالات سے بشیر احمد چکرا اٹھے۔ انکو معلوم ہوگیا کہ کشوری لال کو غلطی سے انھون نے ملائم چارہ سمجھ رکھا تھا۔ کچھ دیر تک دم بخود رہنے کے بعد بولے۔ "اسمین کوئی شک نہین کہ سارا قصور آپ ہی کی جانب نہین ہر کچھ ہملوگونکی بھی خطا ہے"

کشوری لال۔ اب آپ راستہ پر آئے جناب سچ بات تو یہ ہے کہ آپ لوگونکو اسوقت ہمپر الزام رکھنے کا حق حاصل ہوگا جب آپ اپنے دل سے ان باتون کا خیال دور کر دینگے۔ کسی خاص حدتک مذہبی اختلاف برا نہین ہے آپ لوگون مین بھی ۷۲ فرقے ہین اور ہر ایک انمین سے اپنی فضیلت کا دعویدار ہے۔ ہملوگون مین بھی سیکڑون مت ہین۔ عیسائیون مین بھی رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا جھگڑا ہے مگر

اسلئے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا - سوال تو یہ ہے کہ آپ اپنے کو ہندوستانی سمجھیں - ہندوستان کے ہر ایک آدمی کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنا سپاہی سمجھیں اور اسکی جان و مال کی حفاظت کے لیے آپ زمانہ بھر کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکیں اُسکے حقوق بھی اتنے ہی ہوں جتنے آپ کے ہیں اسکی بہبودی کو آپ اپنی بہبودی سمجھیں اُسکی عزت و آبرو کو آپ اپنی عزت و آبرو سمجھیں - ہندوستان کو آپ اپنا ملک و اپنی چیز سمجھیں جس روز آپ ان سب باتوں پر دل سے عمل کرنے لگیں گے اُسدن ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا اپنے فخر کی بات سمجھیں گے اور اگر صرف یہ کہیں کہ آپ ہمارے گھر کا کھا لیتے ہیں اسلیے ہم بھی آپ کے گھر کا پکا ہوا کھائیں تو بندہ پرور یہ بات ناممکن ہے - آپ کا جی چاہے کھائیے جی چاہے نہ کھائیے - بلکہ ہم صرف چھوا ہوا ہی نہیں کھاتے - آپ اگر ہم لوگوں کا سایہ پڑ جائے تب بھی نہ کھائیے ہم خوش ہمارا خدا خوش - جب آپ اپنا طرز عمل نہیں بدلتے تو ہم کیوں بدلیں - جب آپ پرانی لکیر نہیں چھوڑتے تو ہم کیوں چھوڑیں -

بشیر احمد بہت شرمائے - گئے تھے نماز بخشوانے اُلٹے روزے گلے پڑے - بڑی دیر تک سر گریبان میں ڈالے کچھ سوچتے رہے اسکے بعد سر اُٹھا کر بولے - اگر میں بذات خاص ان سب باتوں کا اطمینان دلا دوں تو؟

کشوری لال " اگر آپ مجھے یہ یقین دلا دیں کہ آج سے آپ ہندوستان اور ہندوستانیکو اُسی نظر سے دیکھنے لگے جس نظر سے کہ میں یا کوئی بھی سچا ہندوستانی دیکھ سکتا ہے تو میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے تیار ہوں -

بشیر " میں اسکے لیے تیار ہوں "

یہ کہکر بشیر اُٹھکر اپنے کمرے میں گئے اور قرآن شریف کی ایک جلد لے آئے - قرآن شریف کی جلد کشوری لال کو دکھا کر بولے " اس سے آپ کو یقین ہو جاویگا

کشوری لال " بلا شک "

بشیر احمد نے قرآن شریف ہاتھ میں لیکر کہا - میں قرآن شریف کو گواہ کر کے قسم

کہتا ہوں کہ آج سے مین اپنے کو ہندوستانی سمجھونگا - ہندوستانیون کو دنیا کی تمام دیگر اقوامون پر چاہے وہ ترک ہون چاہے عرب ہمیشہ ترجیح دونگا اور ہمیشہ انکی جان و مال کی حفاظت مین دوسری قومون کے مقابلہ مین کھڑے ہونیکے لیے تیار رہونگا گاے کی قربانی نہ کرونگا اور ان تمام باتون پر تہ دل سے عمل کرونگا جو ایک سچے ہندوستانی کے لیے لازمی ہین - کہیے اب آپ کو یقین آگیا -

کشوری لال " بیشک - اب آپ دسترخوان بچھوائیے مین آپکے ساتھ کھانا کھاونگا فوراً دسترخوان بچھوایا گیا - خانصاحب - بشیر احمد اور کشوری لال نے ساتھ ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا - اسوقت ان تینون مین نہ کوئی ہندو تھا نہ مسلمان - بلکہ تین ہندوستانی تھے جو عملی طور پر اپنے ہندوستانی ہونے کا ثبوت دے رہے تھے -

بشمبھر ناتھ کوشک

چمپا

فرض کرو اگر مین ایلو مذاق اونچے اونچے درختونکی شاخون پر چمپا کے پھول کی صورت اختیار کرلون، اور ہوا مین جنبش کرتا ہوا قہقہہ لگاؤن اور سبز پتون پر رقص کرون تو کیا امان جان تم مجھے پہچان لوگی -

تم باواز بلند پکاروگی "بچے تم کہان ہو" مین دل ہی دل مین ہنسونگا اور خاموش رہونگا، مین شرارتاً اپنی پتیون کو منتشر کرونگا اور تمکو کام کرتے ہوے دیکھونگا -

جب تم غسل کے بعد بھیگے ہوے بال شانون پر پریشان کیے ہوے، چمپا کے درخت سے گزر کر صحن مین پرستش کرنے جاؤگی تو تمھین پھول کی دل آویز خوشبو محسوس ہوگی لیکن کیا تم یہ معلوم کرسکوگی کہ یہ خوشبو میری ہے -

دوپہر کے وقت جب کھانے سے فارغ ہوکر، تم کھڑکی مین بیٹھکر رامائن پڑھوگی اور درخت کا سایہ تمھاری زلف اور آغوش مین پڑے گا اور مین تمھاری کتاب کے صفحے پر سایہ فگن ہونگا، تو کیا تم خیال کروگی کہ یہ مختصر سا سایہ میرے بچے کا ہے!

شام کے وقت جب تم چراغ لیے گئوشالہ مین جاؤگی، پھر مین فی الفور اتر جاؤنگا اور از سر نو بچہ بنکر تمسے کہانی سننے کی ضد کرونگا، (تم کہوگی) "لے شریر بچے تم کہان تھے"

امان! مین نہ بتاؤنگا کہ اسوقت مجھ مین اور تم مین کیا گفتگو ہوگی -

ترجمہ از ٹیگور تماشائی بریلوی

تنقید کتب

اسوۂ صحابہ[1]

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اپنی بینظیر علمی اور ادبی قابلیت کے سبب سے محتاج تعارف نہین۔ موصوف اپنے استاد علامۂ شبلی مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہین۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ اس کوشش مین کہان تک کامیاب ہوئے ہین۔ انکی تصانیف مین تحقیق و تدقیق کا وہی رنگ نمایان رہتا ہے، جو شبلی مرحوم کی پُر اثر و دلکش تحریرونکا خاص حصہ تھا علامۂ مرحوم کا خیال تھا کہ پیغمبر علیہ السلام، صحابہ کرام، اور ازواج مطہرات کی سیرتین الگ الگ قلمبند کیجائین لیکن اگر موت بھی ان کا راہ نمایان کی اہمیت کو محسوس کرتی اور مولانائے مرحوم کچھ دنون اور ہم سے جدا نہوتے تو یہ کام خدا جانے کس خوبی سے انجام پاتے۔ تاہم مولوی عبدالسلام صاحب جس خوش اسلوبی سے اس فرض کو ادا کر رہے ہین وہ مستحق ستائش ہے۔

اسوۂ صحابہ مولانائے موصوف کا پہلا کارنامہ نہین لیکن تحقیق و تالیف کے لحاظ سے اپنے رنگ کی بینظیر کتاب ہے۔ مذہبی معلومات، اسلامی روایات کا اس سے بہتر ذخیرہ اردو مین ملنا دشوار ہے۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات اس راے سے متفق نہون اور انکے نزدیک اسوۂ صحابہ کے مضامین مذہبی کتابون کے اقتباسات سے زیادہ وقعت نہ رکھتے ہون لیکن بکھرے ہوئے موتیون کو ایک لڑی مین پرونا و منتشر اجزا کو ایک سلسلہ مین منتظم کرنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔

علم کی قدر ہمیشہ عمل سے ہوتی ہے۔ علمی تصنیفات مین اگر عملی نمونے بھی موجود ہون تو انکی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اسوۂ صحابہ صرف علمی کتاب نہین بلکہ اسمین صحابۂ کرام کے

---

[1] ملنے کا پتہ۔ منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ

عملی کارنامے بھی موجود ہین جو انسانی زندگی کے لیے شمع ہدایت بن سکتے ہین، عموماً مذہبی کتابون مین جو خشکی ہوتی ہے، اُسوۂ صحابہ مین اسکی جھلک بھی موجود نہین۔ کیونکہ واقعات نے ہر روایت مین افسانے کا رنگ پیدا کر دیا ہے، اسکے علاوہ مولانا عبد السلام کی پاکیزہ تحریر نے اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ مولانا ے موصوف اُردو کے ایک مستقل ادیب ہین، انکی تحریرون مین ادب کا رنگ غالب رہتا ہے۔

ممکن ہے اُسوۂ صحابہ مین ادبی حیثیت سے کچھ فروگذاشتن موجود ہون لیکن وہ نفس مضمون کی عمدگی اور کتاب کی ضخامت کے لحاظ سے چندان قابل گرفت نہونگی۔ ہان محاورے کی غلطی البتہ ناقابل عفو ہے مثلاً صفحہ ۲۲۳ پر بسلسلۂ اعتراف گناہ۔ یہ عبارت موجود ہے، "یا رسول اللہ مین تو جل بھنا"، ہم مانتے ہین کہ مولانا کو زبان اور بیان پر پورا قابو حاصل ہے۔ تاہم جل بھنا کسی طرح فصیح نہین کہا جا سکتا۔

تاریخی حیثیت سے اُسوۂ صحابہ، ایک مستند مذہبی تاریخ ہے۔ کیونکہ ہر واقعہ کی تصدیق مین اُس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس سے وہ روایت ماخوذ ہے، اسکا پہلا حصہ ۳۴۴ صفحہ پر شایع ہوا ہے جسمین متعدد عنوانات کی تحت مین صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم کے عقاید، عبادات اخلاق حسن معاشرت وغیرہ کی دلچسپ وقابل تقلید مثالین پیش کی گئی ہین۔

کاغذ نفیس، کتابت وطباعت نظر فریب، قیمت دار المصنفین اعظم گڑھ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

رسائل عماد الملک[۵]

نواب عماد الملک بہادر سی ایس آئی (مولوی سید حسن بلگرامی) کے علمی، ادبی، تاریخی زرعی مضامین کا مجموعہ، رسائل عماد الملک کے نام سے شایع ہوا ہے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب موصوف کو فطرت نے کیسا دل ودماغ عطا فرمایا ہے۔ آپ کا تبحر علمی محتاج تعریف نہین، عربی، فارسی، انگریزی پر یکسان قدرت رکھتے ہین۔ نظر اتنی وسیع ہے کہ دقیق سے دقیق مسئلے کی تہ تک پہونچ جانا معمولی سی بات

۵ ملنے کا پتہ۔ الیاس قریشی وکیل ہائی کورٹ افضل گنج حیدر آباد دکن

ہے، انشاپردازی کا یہ عالم ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھایا تحقیق و تدقیق کا دریا بہا دیا۔

دیسی زبان مین علمی مصطلحات، کے عنوان سے جو مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے اُسکے مطالعہ سے نواب صاحب موصوف کے ذوق ادب کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے، اس مضمون مین آج سے پچاس برس پہلے آپ جن خیالات کا اظہار فرما چکے ہین وہ آج بھی حامیان اُردو کے لیے سرمایۂ ناز ہین۔ ابن رشد اور اُسکے ہمعصرون پر جو مضمون لکھا ہے وہ تاریخی و علمی حیثیت سے قابل قدر ہے۔ زرعی مضامین بھی دلچسپ اور مفید ہین۔

شروع مین جناب الیاس قریشی کا مختصر سا دیباچہ اور تذکرۂ مصنف کے عنوان سے جناب عبدالماجد صاحب بی۔ اے کا زبردست مضمون ہے، اسکے بعد اصل کتاب کے مضامین شروع ہوے ہین۔

کاغذ نفیس، کتابت و طباعت دیدہ زیب، ضخامت چارسو صفحہ، قیمت للعہ،

صبح وطن

اس دورار تقا مین اب اُن فرضی و مخرب اخلاق افسانون کی ضرورت نہین، جو اندراِن کے پھل سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، جنھین سن سن کے بچون کے اخلاق خراب ہوگئے۔ جوانون کی زندگیان تباہ ہوگئین اور امرا کی خوابگاہین اُجڑ گئین۔ اس زمانہ مین اُن افسانون کی ضرورت ہے جنکے مطالعہ سے اخلاق درست ہون، جو خوابیدہ قومون کو جگائین اور پژمردہ روحون کو معراج ترقی پر پہونچانے کی کوشش کرین۔ صبح وطن اسی قسم کے افسانون کا مجموعہ ہے، جسکے مصنف پنجاب کے مشہور افسانہ نویس مہاشہ سدرشن صاحب ہین۔ اس کتاب کا ہر افسانہ دلچسپ ہونیکے علاوہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، ہر حیثیت سے ملک اور قوم کے لیے مفید ہے۔

مہاشہ سدرشن کو جذبات و مناظر کی مصوری مین کمال حاصل ہے، افسانون مین رنگینی و دلکشی بھی بہت کچھ پیدا کرتے ہین، لیکن اکثر زبان و بیان کا معنوی تعلق قائم نہین رہتا اور زبان کی خامیان تحریر کی قدر و قیمت گھٹا دیتی ہین۔

صبح اُمید مین زبان کی غلطیان اکثر ملتی ہین بعض بعض جگہ تو ایسی فروگزاشتین موجود ہین

کہ تعجب ہوتا ہے۔ ہم چند غلطیاں مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہماری کوشش مفید ثابت ہو اور مہاشہ سدرشن اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔

امراے سلامین کین، مین نے بیرم دیو سے ملنا ہے؛ اس پر اپنی روح چھڑک رہی تھی، فضول فکر لگانے سے فائدہ۔

جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے انکا استعمال اسطرح قطعاً غلط ہے۔ اگرچہ اس قسم کی لغزشین زیادہ قابل توجہ نہین۔ کیونکہ مہاشہ سدرشن پنجاب کے رہنے والے ہین اور انھین زباندانی کا دعوی بھی نہین ہوسکتا، تاہم آیندہ انھین احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

نفس مضمون اور کاغذ، کتابت، طباعت کے لحاظ سے کتاب قابل قدر ہے۔ قیمت فی جلد عہ، جلد سنہری ۱۲؍

آنریری مجسٹریٹ[۱]

یہ مختصر سا مذاقیہ ڈراما بھی مہاشہ سدرشن کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسمین آنریری مجسٹریٹون کی نا اہلیت کی تصویر کھینچی گئی ہے، اور اُنکے انتخاب اور ادائے فرض پر تبصرہ کیا گیا ہے، مگر آنریری مجسٹریٹون کے نام ایسے تجویز کیے گئے ہین جنھین سنجیدہ ظرافت مشکل سے اپنے دامن مین جگہ دیسکتی ہے، اسکے علاوہ واقعات مین بھی مبالغہ کی شان پیدا ہوگئی ہے۔ کاش مہاشہ سدرشن نے تحریر سے پہلے مذاق سلیم سے مشورہ کرلیا ہوتا۔ قیمت ۴؍

اعجاز

یہ ادبی رسالہ شہر جالندھر سے جناب گرامی کی نگرانی اور جناب حفیظ جالندھری کی ایڈیٹری مین تین جزو پر ماہ بماہ شایع ہوتا ہے۔ ابتک اسکے تین پرچے شایع ہوچکے ہین۔ مضامین کے لحاظ سے ہر پرچہ قابل قدر ہے۔ اعجاز کے قلمی معاونین مین ہندوستان کے مشاہیر ارباب قلم شامل ہین۔ اگر جناب حفیظ کی کوششین سرگرم کار رہین تو انشاء اللہ اعجاز آردو ادب کا بہترین رسالہ ثابت ہوگا۔

کاغذ عمدہ۔ مگر کتابت وطباعت قابل شکایت ہے۔ اگرچہ پہلے پرچہ کے مقابلہ مین دوسرے

---

[۱] دونون کتابین منیجر رام کیتابک ڈپو لاہور سے مل سکتی ہین۔

اور تیسرے پرچہ کی شان طباعت بلند ہے تاہم ابھی بہت کچھ توجہ کی ضرورت ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ شائقین ادب منیجر رسالہ اعجاز بازار شیخان شہر جالندھر سے طلب فرمائین۔

بحر امید

ڈاکٹر شیام نرائن صاحب ایچ۔ بی۔ بی۔ سی علاج الغسل کے ایک ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر ہین، اور ۱۹۰۵ء سے اپنی معلومات حکیمانہ اور بیش بہا تجربات سے ملک کو فائدہ پہونچا رہے ہین

اگرچہ علاج الغسل کا موجد ایک یورپین ہے لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مسلسل تجربات سے اسمین ایک نئی روح پھونک دی ہے، چنانچہ اس کتاب مین ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربات کی بناپر، مختلف عنوانات کی تحت مین تشخیص امراض اور ازالۂ مواد فاسد کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، اور طریقہ علاج کو آسان بنانے کے لیے جا بجا تصویرین بھی دی ہین تاکہ سیکھنے والون کے لیے نقص علاج کا احتمال باقی نہ رہے۔

بلاشبہہ یہ کتاب قابل قدر ہے کاش مضامین کی طرح کاغذ بھی اچھا ہوتا۔ کتابت و طباعت معمولی۔ قیمت تین روپیے۔

چھمیا

چھمیا ان افسانون کا مجموعہ ہے جو اسیر جفا مولانا سالک کے سحر طراز قلم سے نکلکر وقتاً فوقتاً ادبی رسائل مین شایع ہو چکے ہین۔

مولانا سالک دنیاے علم ادب مین کسی مزید تعارف کے محتاج نہین۔ آپ کو جسطرح جذبات عالیہ کی مصوری مین ید طولی حاصل ہے اسی طرح مناظر فطرت کی عکاسی مین بھی مہارت تامہ رکھتے ہین۔ آپکے بیان مین تاثیر اور زبان مین دلکشی ہوتی ہے، نظم ہو یا نثر، ادبی رنگ ہو یا سیاسی، ہر صنف مین آپ کو کمال حاصل ہے۔

دار الاشاعت پنجاب لاہور تو اپنے ادبی فرض سے سبکدوش ہوگئی یعنی اسنے بکھرے ہوے موتیون کو رشتہ اشاعت مین پرو کر پبلک کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ارباب ذوق کا فرض ہے کہ ان افسانون کی قدر کرین۔ یہ اس نغمہ آفرین بلبل کے ترانے ہین جسکے نغمے آجکل قفس کے لیے وقف ہین اور جسکے چہچہون سے مدتون دنیاے ادب اپنا دل بہلا چکی ہے چھمیا علاوہ باطنی خوبیونکے ظاہری حسن و جمال سے بھی آراستہ ہے کاغذ عمدہ، کتابت طباعت دیدہ زیب قیمت عہ دار الاشاعت پنجاب لاہور سے مل سکتی ہے۔

اعظمی

ملنے کا پتہ۔ ڈاکٹر شیام نرائن ایچ، بی۔ سی میرٹھ

نعت

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطف خلشہائے نالہ ہائے بے سود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیان نہ سود

کہو یہ عشق سے چھیڑے تو ساز ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمہ ہو الموجود

یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگی طلسم نمود

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے اُسے اشعار کیوں مرے کہیے
اچھل رہے ہیں جگر پارہ ہا خون آلود

ہلائے عشق نہ یوں کائنات عالم کو
یہ ذرے دو نہ اٹھیں سب شرارہ مقصود

نہ میرے ذوق طلب کو ہے مدعا سے غرض
نہ گام شوق کو پروائے منزل مقصود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ ریشے ریشے میں ساری ہے اک جبین سجود

جو اُسکے شوق میں یوں محو آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرہ بے بود

چلوں میں جان حزین کو نثار کر ڈالوں
تدین جو اہل شریعت جبین کو اذن سجود

وہ راز خلقت ہستی۔ وہ معنی کونین
وہ جان حسن ازل وہ بہار صبح وجود

وہ آفتاب حرم۔ نازنین کنج حرا
وہ دل کا نور۔ وہ ارباب درد کا مقصود

وہ سرور دو جہان۔ وہ محمد عربی
بہ روح اعظم و پاکش درود نا محدود

ضیائے حسن کا ادنی سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستان غیب و بزم شہود

نگاہ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے خنجر ابرو میں رمز لا موجود

وہ مست شاہد رعنا۔ نگاہ سحر طراز
وہ جام نیم شبی۔ نرگس خمار آلود

کچھ اس ادا سے مرا اسنے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہر مقصو

ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایمان کی
یہ شعر پڑھکے ذہین ڈالدی جبین سجود

چو بعد خاک شدن یا زیان بود یا سود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود
(عارف رومی)

اصغر از گونڈہ

گوہر منظوم

دلوں میں راہ تو کر رشتۂ گہر کی طرح
ملے گی دیدۂ مردم مین جا نظر کی طرح

رہیگا باغ جہان مین نہ گل نہ رنگ نہ بو
رہے گی شے نہ کوئی نخل بارور کی طرح

کبھی نہ تیغ حوادث سے ڈر۔ بھلائی کر
کہ آڑے آئیگی نیکی تری سپر کی طرح

نہونگے مندمل ایسے وہ ہونگے کاری زخم
چبھے گی نوک زبان کی جو نیشتر کی طرح

تو مایہ دار اگر ہے تو سرنگون ہو جا
شعار اپنا بنا نخل بارور کی طرح

بشر نہ شر کے لیے ہے نہ شر بشر کے لیے
نہ ہو جہان مین بدنام لفظ شر کی طرح

پہنچ سکے گا تری ذات سے جہان کو فیض
ہو تجھ مین نور صداقت اگر سحر کی طرح

ضرر ہو اِس سے تو ہو نفع اُس سے صد افسوس
بشر ہو اور نہ ہو نخل بارور کی طرح

کروگے قدر سنوگے جو قصۂ یعقوب
نہین شفیق پسر پہ کوئی پدر کی طرح

بنو سحاب کرم بحر جود۔ کان عطا
ہر اک کو فائدہ پہونچاؤ بحر و بر کی طرح

عزیز بنکے رہو چار دانگ عالم میں
زمرد و گہر و لعل و سیم و زر کی طرح

ذہین! ہے درِ حق سب کا کعبۂ مقصود
پڑے رہو تم اسی در پہ سنگ در کی طرح

سید غلام مصطفٰے ذہین

نغمۂ مغموم

آج پرانے مسودون مین ہمین سُرور مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ نظم کا مسودہ مل گیا جسکو دیکھکر بزم سُرور کے چھلکتے ہوے ساغر یاد آگئے اور گزشتہ بزم آرائیون کی ایک دھندلی سی تصویر آنکھون مین پھر گئی، ہم ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیے یہ بادۂ کہن پیش کرتے ہین

وہ ایذا سے خلش ہو آہ میرے قلب مضطر پر   نظر آتا ہو اک قطرہ لہو کا نوک نشتر پر
شب غم مین گرین کچھ آہ ایسی بجلیان سر پر   گمان نبض رگ شعلہ کا ہے ہر تار بستر پر
شرار جستہ کا دھوکا ہو مجھکو جسم لاغر پر

تپ سوز درون نے دل مین ڈالے سیکڑون چھالے   جگر کے اُڑ رہے ہین نالۂ سوزان سے پرکالے
پریشان رُخ پہ گیسو ہین کہ لہراتے ہین دو کالے   شب غم مین کہان آنکھون مین وہ سُرمہ کے دنبالے
برستی ہے اُداسی ہجر مین اب دیدۂ تر پر

چبھوتا ہو مرے پہلو مین رہ رہ کر کوئی نشتر   ٹپکتا ہو کلیجہ چشم تر سے اشک خون ہوکر
برنگ لالہ داغون سے شگفتہ ہے دل مضطر   دوپٹے کا کہان اب سُرخ آنچل دوش نازک پر
کہ دھبے جابجا اب اشک گلگون کے ہین چادر پر

وہ نقشہ اب کہان اگلا سا شان دلربائی کا   وہ عالم قد رعنا مین کہان رنگین ادائی کا
گلہ کس سے کرون مین بخت بد کی نارسائی کا   نہ پوچھو مجھ سے کچھ عالم خلش ہاے جدائی کا
بدلتی ہون شب غم کروٹین مین نوک نشتر پر

در و دیوار سے سر پھوڑتی ہون کنج عزلت مین   تڑپتی لوٹتی ہون رات بھر آغوش حسرت مین
سیہ روزی ازل سے ہو ودیعت میری قسمت مین   اُداسی گھر پہ ایسی چھا رہی ہو شام فرقت مین
گمان حلقۂ ماتم ہے مجھکو حلقۂ در پر

کوئی کالی بلا ہے یا پریشان جنپہ ہین گیسو   قضا کے نیمچے دو، شام غم مین ہین مگر ابرو

نہ آنکھوں میں وہ جادو ہے، نہ اب وہ عشوہ دلجو روان ہیں چپکے چپکے عارضِ گلگون پہ یون آنسو
چمن میں جسطرح شبنم کے قطرے ہوں گلِ تر پر

نہ نکلے جسکے ارمان وہ دلِ دردآشنا ہوں مین نغانِ بے اثر ہوں، نالۂ حسرت فزا ہوں مین
نہ گلگوں ہوں چہرے کا، نہ ہاتھوں کی حنا ہوں مین وہ بیکس ہوں، شہیدِ کشمکشِ تیغ جفا ہوں مین
نہ پوچھو کچھ قیامت کے ہیں چرکے قلبِ مضطر پر

کہوں کیا کس کشاکش میں ہے جانِ ناتوان میری کلیجہ تھام کر اُٹھتی ہے اب دل سے نغان میری
وہ جوڑا ہے عروسی کا، نہ اب وہ چُندریان میری وہ بیکس ہوں کہ توڑیں آسمان نے چوڑیان میری
وہ شیشہ ہوں کہ دے پٹکا فلک نے مجھکو پتھر پر

نہ اب وہ ذوقِ آرائش، نہ ہے وہ شانِ برنائی سیاہی اب ہے زلفوں کی سوادِ شامِ تنہائی
نہ آئینہ ہے خلوت میں نہ شوقِ جلوہ آرائی کہاں چمپا کلی میں آہ، وہ اگلی سی رعنائی
خزان چھائی ہوئی ہے حسن کے پھولوں کے زیور پر

وہ ڈورے اب کہاں سرمہ کے میری چشمِ گریان میں کہ آنکھوں میں جہان تاریک ہے شبہائے ہجران میں
نہیں اب طاقتِ فریاد میرے قلبِ نالان میں گرایا ناتوانی نے ہے جبسے کوئے حرمان میں
لگاتا ہے زمانہ مجھکو ٹھوکر آہ! ٹھوکر پر

یہ دل ننھا سا پہلو میں، یہ صدمہ دردِ فرقت کا جوانی کی یہ راتیں، اور یہ عالم یاس و حسرت کا
کبھی شکوہ مقدر کا، کبھی رونا ہے قسمت کا رنڈاپے کا بھی صدمہ اُف! یہ ہے سنگِ قیامت کا
اُٹھاؤن کسطرح کمبخت ٹوٹا ہے فلک سر پر

کلیجہ ہچکیوں میں کوئی رہ رہ کر مسلتا ہے کوئی تھم تھم کے ہاتھوں سے دلِ مضطر کو ملتا ہے
برنگِ شمع مغز استخوان شب بھر پگھلتا ہے نہ آتی ہے اجل مجھکو، نہ میرا دم نکلتا ہے
قضا بھی رحم اب کرتی نہیں مجھ زار و لاغر پر

سرور جہان آبادی

لطف سخن

لسان الملک حضرت ریاض

جس دن سے حرام ہو گئی ہے — مے خلد سے تمام ہو گئی ہے

قابو میں ہے اُنکے وصل کا دن — جب آئے ہیں شام ہو گئی ہے

اتنا وچمن ہے یہ کہ بلبل — اُڑ کر تہ دام ہو گئی ہے

توبہ سے گھٹی یہ قدر و قیمت — مے دام کے دام ہو گئی ہے

آتے ہی قیامت اُس گلی میں — پامالِ خرام ہو گئی ہے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی — جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

لب تک جو کبھی نہ آئی وہ آہ — اونچی سوئے بام ہو گئی ہے

مینوش ضرور رہیں وہ نااہل — جنپر یہ حرام ہو گئی ہے

بجھ بجھ کے جلی تھی قبر پر شمع — جل جل کے تمام ہو گئی ہے

ہر بات پہ ہونٹ پر ہے دشنام — اب حسن کلام ہو گئی ہے

سر خم ہے حرم میں سوئے طیبہ — کچھ خوئے سلام ہو گئی ہے

دولت دل کی بتو ہے محفوظ — اللہ کے نام ہو گئی ہے

پھر پھر کے نظر ہوئی ہے صدقے — جم کر خط جام ہو گئی ہے

ہے دور ابھی ریاض منزل — دن ختم ہے شام ہو گئی ہے

ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی

ست بھی بندے ہیں حسن فطرت کے — سمجھ میں آئے نہ راز اس طلسم حیرت کے

ہ منتظر انقلاب رہتے ہیں — مزاجدان ہیں جو ہنگامہ زارِ فطرت کے

ازل سے کیوں تپش بے سبب ہو ہر دل میں — کھلے نہ راز نہاں حسنِ حقیقت کے
دکھائی خواب پریشاں نے سیر نگار رنگ — بھرم کھلے نہ طلسمات بے حقیقت کے
بلند و پست برابر ہیں اپنی آنکھوں میں — خیال خام ہے یا ولولے ہیں ہمت کے
پلٹ کے پھر وہی آواز بازگشت آئی — بڑھے نہ حوصلے فریاد بے اجازت کے
وطن تو کیا ہے ہوائے وطن سے ہیں بیزار — پسند ہے جو بگولوں سے دشت غربت کے
دکھائی موت نے تصویر وعدۂ فردا — ہوائے شوق نے پردے اٹھائے غفلت کے
زمیں پہ نور کے پتلوں نے کیوں ڈھئی دی ہو — کفن ملے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے
گلا نہ کاٹ سکے اپنا وائے ناکامی — پہاڑ کاٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے
سعادتِ ابدی ہے مشیتِ ازلی — ہوس فضول بھروسے پہ حسنِ خدمت کے
ٹھٹک رہے حرم و دیر کے دوراہے پر — خلاف جا نہ سکے شاہراہِ فطرت کے
اسی نے خاک کیا تھا اسی نے پاک کیا — خوشا نصیب جو پالے پڑے محبت کے
نگاہ یاس ہے آئینہ غم فردا — نظر کے سامنے ساماں ہیں قیامت کے

جناب سید محمد فاضل صاحب فراق موہانی

عشق کی پہلے اسی باعث سے رسوائی نہ تھی — حسن عالم آشنا کی جلوہ آرائی نہ تھی
کچھ خبر بھی ہے فریبِ عشق کی اے حیلہ ساز — پائے بوسی کا بہانہ تھا جبیں سائی نہ تھی
پوچھنے والا نہ تھا کوئی بجز ذاتِ خدا — صبح تھی روزِ ازل کی ... ام تنہائی نہ تھی
ہائے پھر عرضِ تمنا کی تمنا رہ گئی — آگیا جب سامنے وہ ... ائی نہ تھی
تھا ہجومِ یاس غم سے ایک ہنگامہ بپا — صبح محشر تھی ہمارے ... نہ تھی
حسن جو اللہ اکبر کس قدر ہنگامہ زا — خود نمائی تھی فقط کچھ ... آ
قبل موجودات تھی ہر ہر صفت اک چشم شوق — پردۂ اسرار میں ...
یہ بھی در پردہ تھی اک عاشق فریبی کی ادا — خود تماشائی تھا ...

تھا پریشان دل ہجومِ یاس و حسرت سے فراق
شعر کیا کہتا شبِ فرقت بھی تنہائی نہ تھی

ا جو

زمانہ

جلد ۳۹ اگست سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲

ڈوزی

۲۱- فروری سنہ ۱۸۲۰ء کو فرانسیس جیکوس ڈوزی ایک طبیب کے گھر بمقام لیڈن
ملک ہالینڈ) پیدا ہوا- اُسکے آبا و اجداد ویلنسینز کے رہنے والے تھے- گزشتہ ۱۶۴۰ء مین
سکا خاندان ہمیشہ کے لڑائی جھگڑے سے بچنے کے واسطے ہالینڈ مین ہجرت کر آیا- ڈوزی
کے باپ نے اُسے رینارٹ پیٹر ڈوزی کے نام سے بپتسمہ دیا- لیکن بعدہٗ وہ صرف رینارٹ ڈوزی
کے نام سے مشہور ہوا- ابھی ۹- برس کا تھا کہ اسکی والدہ سارا میریا کا انتقال ہو گیا- عموماً
کا سایۂ عاطفت بچون کی نشو و نما کے لیے ضروری چیز ہے لیکن ڈوزی کی تعلیم پر اُسکی مادر مشفقہ
قت موت کا کوئی برا اثر نہ پڑا- کیونکہ فطرت کا آغوش تربیت اُسکے لیے کشادہ تھا-
۱۴- برس کی عمر مین اسکو ڈاکٹر جے- جے ڈی گلڈر کی شاگردی کا فخر نصیب ہوا اور کمسنی
نا فرنچ- جرمن- اور انگریزی زبانون مین معقول استعداد حاصل کر لی- ڈاکٹر گلڈر نے اپنے

Francais Jaques Dox
Valenciennes
Reinhart Pieter D.
Sara Maria
Dr J-J. De Gelder.

طالبعلمون کو (جنکو دینیات کا شوق ہوتا تھا) اکثر عربی صرف و نحو پڑھایا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈوزی کی جدت پسند طبیعت نے قابل اُستاد کے اس طرز کو بھی فوراً قبول کر لیا۔

ستمبر ۱۸۳۷ء مین لیڈن یونیورسٹی مین داخل ہوا۔ اور وہان ایک مشہور اور قابل زباندان پروفیسر ویجرز کی قدر شناس نظر اسپر پڑی۔ اور فطرت نے ڈوزی کے لیے ترقی کی ایک اور سبیل نکالدی نوجوان ڈوزی کا ارادہ تھا کہ عربی شاعری کے دشوار گزار میدانون کو طے کرے مگر ویجرز کی نصیحت کارگر ہوئی۔ اور اُسنے ڈوزی کو شاعری سے ہٹا کر تواریخ عرب کا شیدا بنا دیا۔ مگر چند دنون کے بعد تواریخ سے اسکی دلچسپی باقی نہ رہی کیونکہ لڑائیون کی مستقل داستانون اور خاندانون کی تباہی کے مسلسل فسانون نے ڈوزی کو تواریخ کی طرف سے دل برداشتہ کر دیا اور اُسنے عربی لغات کا مطالعہ نہایت مصروفیت سے شروع کر دیا۔ فرے ٹاگ کی عربی لاطینی ڈکشنری اُس زمانہ کی مشکل لغات مین شمار کی جاتی تھی۔ اسلیے اسنے ایٹین مارک کواٹمیر کی تصانیف سے مدد لی۔ اور اسطرح لغات عربی مین کامل مہارت حاصل کی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد تواریخ کا شوق پھر عود کر آیا۔ اور عربی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

دسمبر ۱۸۴۱ء مین رائل انسٹیٹیوٹ نے عربی لباس و رسم و رواج پر ایک انعامی مضمون کا اشتہار دیا۔ ڈوزی کی بیچین طبیعت اور اُسکے خداداد ذہن کو اپنی قابلیت دکھانے کا موقع نظر آیا۔ لیکن مہلت صرف ایک سال کی تھی۔ اور کئی ایک قلمی نسخون اور نایاب کتابون کی ورق گردانی لازمی تھی۔ تاہم وہ بلا دھڑک اس مشکل کام کو سر انجام دینے کے لیے تیار ہو گیا اور کتبخانہ دار العلوم مین عربی کتابون کا مسلسل مطالعہ کیا۔ آخر اُسکی اِن تھک مصروفیت کو دیکھکر کارکنان دار المطالعہ کو اپنے استعجاب کا اظہار کرنا پڑا۔ مضمون کے مقابلے کی یہ شرط تھی کہ صاحب مضمون کا نام آخر وقت تک پوشیدہ رکھا جائے۔ مگر اب ڈوزی کو بتانا پڑا کہ وہ خود انعامی مضمون

Weijers ؎
Royal Institute ؎
Freytag Lexicon Arabic Latinum
Etienne Marc Quatremère

تیار کررہا ہے۔ ویجرز[1] کو بھی اس بات کا علم ہوا۔ گو کام مشکل تھا۔ مگر قدر شناس اُستاد نے قابل شاگرد کو مایوس نہ کیا۔ آخرکار ۲۰ نومبر ۱۸۲۳ء کو ڈوزی کو انعام دیا گیا۔ اُسوقت اُسکی عمر ۲۴ سال کی تھی چونکہ یہ مضمون لکھتے وقت اُسے خاطرخواہ مطالعہ کی فرصت نہ ملی تھی جسکی وجہ سے مضمون مین کئی ایک خامیان رہ گئی تھین اسلیے ڈوزی اُسے بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ایک اعلیٰ مکمل اور صحیح کتاب اس موضوع پر لکھی۔ جو ۱۸۴۵ء مین شایع ہوئی۔ ڈوزی کی یہ سب سے پہلی تصنیف تھی جس سے علمی دنیا مین اسکی دھاک بیٹھ گئی۔

پروفیسر ویجرز کو اسپین کے مسلمانون کی تاریخ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ اکثر اسوقت کی مشہور کتاب جوس انٹونیو کانڈے[2] کی "تاریخ اسپین" کا ذکر اپنے عزیز شاگردون سے کیا کرتا تھا۔ ڈوزی کی جوہر شناس نگاہ نے فوراً تاڑ لیا۔ کہ یہ کتاب اغلاط اور اختلافات کا مجموعہ ہے اور اُسکی شہرت کی بنیاد بظاہر مضبوط مگر دراصل کھوکھلی ہے اب اُسکے دل مین یہ شوق پیدا ہوا کہ کسی طرح ہسپانوی زبان مین مہارت حاصل کی جائے تاکہ کانڈے کی کتاب پر مکمل اور صحیح طور پر بحث ہوسکے۔ اپنے ایک خط مورخہ ۱۸۴۷ء مین وہ لکھتا ہے "مجھے ہسپانوی زبان کی صرف نحو۔ لغات اور ڈان کوکزٹ[3] کی ایک جلد کی اشد ضرورت ہے" دو سال بعد لکھتا ہے مین اب زیادہ وقت ہسپانوی زبان کی تحصیل مین صرف کرتا ہون۔ اور میرے پاس اب کتابون کا کافی ذخیرہ جمع ہوگیا ہے۔ اب مجھے ازمنۂ وسطےٰ پر زیادہ توجہ کرنی پڑیگی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کام مین میرا زیادہ وقت نہ صرف ہوگا"

ان خطوط سے ظاہر ہوگا کہ شوق مطالعہ کے ساتھ ساتھ ڈوزی کو مالی فراغت بھی حاصل تھی ایک ادیب یا مصنف کے واسطے اس سے بہتر نعمت اور کوئی نہین ہوسکتی کہ وہ خود کتابین

---

[1] Weijers

[2] Jose Antonio Conde

[3] Don Quixote ہسپانوی زبان کا ایک مشہور افسانہ جسکا ترجمہ کئی زبانون مین ہوچکا ہے

مہیا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور اُسے چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے واسطے غیروں کا دست نگر ہونا پڑے۔ شاعر یا ناولسٹ اپنی مفلسی مین بھی اعلیٰ شعر یا ناول لکھ سکتے ہین مگر ایک نادار موئخ کوئی بڑا کام نہین انجام دے سکتا۔[۵]

جب اسپین کے متعلق مطالعہ وسیع ہوگیا۔ تو نوجوانی کے جوش مین غیر ضروری اصناف کی طرف اسکی توجہ بڑھتی گئی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ہی اُسے بہترین مضامین کا شوق پیدا ہوا اور اُسنے اسلامی تاریخ اسپین کے واسطے مصالحہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ اسکے علاوہ کبھی کبھی کسی خاندان۔ یا بادشاہ کے حالات لکھکر اپنا جوش تصنیف بھی پورا کرتا رہا[۲] ۱۸۴۶ء مین ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ اور اسی سال میریا کیرولنا وان اوسٹرلنگ نامی ایک خاتون سے شادی کی۔ یہ رشتہ اُسکے واسطے ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ کیونکہ ایکطرف تو اُسے اُمور خانہ داری مین تمام وکمال سہولت ہوگئی۔ اور دوسرے یہ کہ اسکی بیوی خود اپنے علم دوست اور عالم خاوند کی محنت کی دل سے قدردان ہوگئی۔ شادی کے بعد میان بیوی جرمنی چلے گئے جہان اُسکے شوق تحقیق اور تجسس کو ایک اور میدان نظر آیا۔ لیپزک[۳] مین مشہور عربی دان ہیزک فلیسکر[۴]

[۵] یہ خصوصیت دنیا کے اکثر بڑے آدمیون مین پائی جاتی ہے۔ کہ وہ ساری عمر ایک دھن مین بسر کر دیتے ہین۔ جس بات کی دُھن اُن کو لگ گئی۔ اسکو انجام پر پہونچا کے چھوڑا۔ اور جس چیز کا عشق ہوگیا اُسے حاصل کیے بغیر چین نہ آیا۔ اسوقت مجھے چارلس ڈاروِن (مشہور مفسر ارتقا) کا ایک خط یاد آیا ہے جو اُسنے لندن سے آدھی رات کے وقت اپنے ایک دوست کو نیویارک بھیجا تھا۔ اور جسمین انتخاب مصنوعی کے ایک تجربہ کی کامیابی پر اُسنے اسقدر اظہار خوشی کیا ہے کہ اپنا نام "تمہارا دیوانہ دوست ڈاروِن" لکھا ہے۔ اسی طرح حضرت اکبر الہ آبادی کے خطوط مین روحانیت کی جو جھلک پائی جاتی تھی۔ وہ انکی زندگی کا مقصد تھی۔ اُن لوگون کے خطوط۔ جو دنیا مین کچھ کام کر گئے ہین آیندہ نسلون کے واسطے مشعل ہدایت کا کام دے سکتے ہین اور ہمکو بھی "بڑے" کامون کی ترغیب دلا سکتے ہین۔

[۲] Maria Carolina van Oosterlingh

[۳] Leipzig

[۴] Fleischer.

سے ملاقات ہوئی۔ اور ایک گہری دوستی کی بنا پڑی۔ جرمنی مین اُسنے اپنی مجوزہ تاریخ اسپین کے واسطے بہت سا مصالحہ جمع کیا۔ اور بہت سے نادر اور پُرانے کاغذات اُسے دستیاب ہوے۔ ۱۸۴۴ء مین وہ اکسفورڈ گیا۔ اور بوڈلین لائبریری سے بہت سا ذخیرہ فراہم کیا۔

لیڈن واپس آنے پر ڈوزی نے عربی مین بہت سے رسائل لکھے جنکی پہلی جلد مین ابن ابدون کی اُس نظم کی شرح کا ذکر تھا۔ جو ابن بدرون نے لکھی تھی۔ اور جو تاریخ اسپین کے بعض واقعات پر گہری روشنی ڈالتی تھی۔ ۱۸۴۵ء مین لندن کی مجلس اشاعت کتب ہاے عربی کی درخواست پر مراکو کے مشہور مورخ عبدالوحید کی کتاب کا ترجمہ مع حواشی شایع کیا جسکا مسودہ لیڈن لائبریری سے ملا تھا۔ اُسی سال ایک دو اور نہایت عالمانہ رسائل عربی زبان کے مسودون پر لکھے اور ۱۸۴۸ء مین ابن اظہری کی تاریخ افریقہ و اسپین (البیان المغرب) کو مع ترجمہ۔ حواشی اور دیباچہ کے شایع کیا۔ اس کتاب نے اُسکی شہرت کو چار چاند لگا دیے اور اسکا شمار یورپ کے جید عالمون مین ہونے لگا۔

عرب مورخون کی تصانیف سے ڈوزی کو معلوم ہوگیا کہ کانڈے کی تاریخ اسپین مین بہت سی خامیان ہین۔ چنانچہ اُسنے ہسپانوی مورخ کی غلط بیانیون کو ادبی دنیا پر ظاہر کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کانڈے کی کتاب یورپ مین بہت مستند مانی جاتی تھی۔ اسیلیے اُسکی غلطیون کا ازالہ کرنے کے واسطے خاص محنت۔ مطالعہ اور قابلیت کی ضرورت تھی۔ ڈوزی نے جب سب مصالحہ جمع کر لیا تو ۱۸۴۹ء مین اپنی بے مثال کتاب "اسپین کی پولیٹکل تواریخ کی تحقیقات" شایع کی۔ جسنے علمی دنیا کو حیرت مین ڈال دیا۔ اور کانڈے کے مداحون کو انگشت بدندان کر دیا۔ شروع سے ہی وہ ایک بڑے نقاد مانا جاتا تھا۔ اور اب جو اُسنے کانڈے کا پول کھولنا شروع کیا تو اُسکے فرضی قصون اور من گھڑت فسانون کی جنکو کانڈے نہایت مستند عربی ذرایع سے اخذ کیا ہوا بتاتا تھا دھجیان اُڑا دین۔ اور دُنیا پر ظاہر کر دیا کہ اب تک کانڈے نے تمام مستشرقین کو دھوکے مین ڈال رکھا تھا۔ ڈوزی کی اس تصنیف تحقیقات سے کانڈے کی شہرت کو ایسا دھکا لگا کہ اسکا نام مورخین کے اول صف

B. Odleian Library

سے خارج کر دیا گیا۔ ادھر بڑے بڑے متبحر عالمون نے تحقیقات پر علمی رسائل کے صفحات سب
کر دیے ۔ ارنسٹ رینان[1] نے کا نڈے کی کتاب کو جھوٹا کہا۔ اور اسپر سخت اعتراضات وارد
اور دُنیا پر ظاہر کر دیا کہ کا نڈے کی تدقیق و تحقیق ایک دعو کا تھی اور بس ۔

اسمین کچھ شک نہین کہ کانڈے کو اپنی زندگی مین بہت سے مصائب برداشت کر
پڑے جسکی وجہ سے وہ اپنی تصانیف کی صحت نہ کر سکا۔ تاہم یہ عذر ڈوزی جیسے سخت گیر مو
کی نظرون مین معقول نہ تھا۔ کیونکہ اسکا مقولہ تھا کہ "غلط بیان مورخ سب سے بڑا مجرم ہے" کانڈ
کے ساتھ ہی اور بہت سے مورخ ڈوزی کے زیر عتاب آگئے۔ اپنے دوست گیانگاس[2] پر بھی
خوب برسا۔ اور اسکی اسپین کے مسلمان خاندانون کی تاریخ (جو المقری کا ترجمہ تھی) پر اُسنے
اعتراضات کا طومار باندھ دیا۔ باوجود ان مخالفانہ تنقیدون کے اُسکی شہرت بڑھتی گئی۔ اسپین
کے ادبا کی علمی قدردانی کی داد دینی چاہیے۔ کہ اگرچہ انکے مشہور مورخین کو اسطرح ذلیل
کیا گیا تھا لیکن اُنھون نے ڈوزی کے علمی تبحر کی پوری داد دی۔ اور اسپین کے اعلی خطابات
اور سندات اسکو عطا کیے ۔

۱۸۵۰ء مین وہ لیڈن یونیورسٹی مین تاریخ کا پروفیسر مقرر ہو گیا اور اپنے فرائض منصبی
مین ایسی دلچسپی لی ۔ کہ طلبا جوق در جوق اُسکے درس مین شامل ہونے لگے۔ گو اب اُسے مطالعہ
کی بہت کم فرصت ملتی تھی۔ تاہم اسکا علمی شغف جاری رہا۔ وہ اپنے عہدہ کے پہلے سال
ہیوگو ڈی وراینر[3] کو لکھتا ہے "تعطیلات مین مین سویڈن[4] اور آسلینڈ[5] کی زبانین سیکھنی چاہتا
ڈچ مین آتنی جانتا ہون کہ تواریخی کتب کا مطالعہ کر سکون) کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ آئندہ
سال یورپ مین نارمن[6] تاریخ پر لکچر دون ۔

---

[1] Earnest Renan
[2] Don Pascual De Guangoos
[3] Hugo De Vries
[4] Swedish
[5] Icelandic
[6] Norman

۱۸۶۸ء سے لیکر پانچ چھ سال بعد تک ڈوزی نے بہ امداد - ڈگت[51] - کرہل اور کمرج کے
ایڈیشن[52] - المقری کی "نفح الطیب" کی اشاعت کا انتظام کیا - یہ کتاب سترھوین صدی مین
لکھی گئی تھی - اور اسپین کی ادبی اسلامی تاریخ کا ماخذ تھی - اگرچہ دراصل یہ غرناطہ کے ایک مشہور
ی کی سوانح عمری تھی لیکن اسکے دیباچے مین مقری نے بہت سے تاریخی نکتون پر روشنی ڈالی
جسکا پورا فائدہ ڈوزی اور اسکے ساتھیون نے اٹھایا - اور جسکو انھون نے "اسلامی ادبی
خ اسپین" کے نام سے شایع کیا -

اگرچہ کانڈے کا پول کھول کر ڈوزی نے تواریخ اسپین کے بہت سے غلط واقعات کا
تمہ کر دیا تھا لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانوی تاریخ اسلام ایک بلا تصویر چوکھٹے کے مانند
ا - وجہ اسکی یہ تھی - کہ کانڈے ہی ایک ایسا مورخ تھا جسکی کتاب یورپ والے آسانی
ڑھ سکتے تھے - جب وہ کتاب ہی جھوٹی ثابت ہوگئی تو ہسپانوی تاریخ یورپ والون کی
مین بالکل مفقود ہوگئی - ڈوزی نے اس خود پیدا کردہ کمی کو محسوس کرکے اب یہ ارادہ
س چوکھٹے کو مسلمانون کی سلطنت اسپین کے واقعات کی ہوبہو اور اصلی تصویر سے
رے - اور یہ وہ کام تھا جسمین وہ کئی سال تک منہمک رہا اور آخر کار ۱۸۶۱ء مین اپنی
آفاق کتاب تاریخ مسلمانان اسپین از فتح اندلس تا خاندان المورید دنیا کے سامنے
کی اور یہی وہ کتاب ہے جو اسکا سب سے درخشان کارنامہ شمار کیا جاتا ہے - اس
ب تصنیف مین مورخ نے اسپین کی تاریخ بیان کرتے ہوے اس عظیم الشان فتح کا ذکر
ہے جو مسلمانون کو اہل اسپین پر حاصل ہوئی اور جسکی وجہ سے یورپ کی تہذیب مین ایک
ن انقلاب پیدا ہوگیا - مسلمانون کی سلطنت اسپین نے اہل یورپ کو وہ اسباق
دیے جو ابھی تک انھون نے نہ سیکھے تھے - اور رسول عربی کے پیروون نے تہذیب اور تمدن
ا ایسا شاندار نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جسکی تباہی پر ہم آج تک آٹھ آٹھ آنسو روتے
- انکی شاندار سلطنت - شان وشوکت - سرپرستی علم - فضل انتظام ملک - غرضکہ ہر بات
والون سے بدرجہا بہتر تھی - یہ وہ سلطنت تھی جو دنیا مین ایک آفتاب ہدایت کی طرح

Wright & Krehl & Dugat.

چمکی۔ جسکے نور سے سارا برّ اعظم یورپ منور ہو گیا۔ اور جسکی کرنون نے جہل و ظلمت کی گھٹائین کافور کر دین لیکن نجد و یمن۔ مکہ و مدینہ کے قبیلون کی پرانی لڑائیان جو عربون کی گھٹی مین پڑی ہوئی تھین۔ آخر اس نئی سرزمین مین بھی اپنا رنگ لائین اور بربر اور بدوی کے سطحی جھگڑون نے اس عظیم الشان سلطنت کا نام صفحۂ ہستی سے اسطرح مٹا دیا کہ آج اُسکے آثار بھی مشکل سے ملتے ہین۔

ڈوزی نے اپنی کتاب کو چار حصون پر منقسم کیا۔ پہلے حصہ مین ایام جاہلیت اور حضور پیغمبر خدا (صلعم) کا ظہور مسلمانون کا عروج۔ سپین کا داخلہ۔ بربر اور عرب کے جھگڑون کا ذکر ہے۔ حصۂ دوئم مین عیسائی اہل ہسپانیہ کا ذکر ہے کہ کسطرح اُنھون نے مسلمانون کی سلطنت تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اور کسطرح خلیفہ اعظم عبدالرحمٰن ثالث کا ستارہ عروج پر ہوا۔ اُمیہ خاندان کے خلفا کا تیسرے حصہ مین ذکر کیا گیا ہے اور وزیر اعظم المنظور کے درخشان کارنامے بھی کتاب کے اسی جزو مین تحریر ہین۔ چوتھے حصہ مین ان چھوٹی سلطنتون کا ذکر ہے جو خلافت کے زوال کے بعد اسپین مین جا بجا قائم ہوئین۔ افریقہ والون کی دوسری چڑھائی مسلمانون کی سلطنت کی تباہی۔ اور شاعر خیال المعتمد کا زوال اس خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھون کے سامنے واقعات کا ہو بہو نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

ڈوزی کی کتاب ہاتھون ہاتھ بکی اور سارے یورپ نے اُسے سر آنکھون پر جگہ دی۔ اسکا بڑا کمال یہ تھا کہ اُسنے صحت واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے لطافت زبان اور دلچسپی بیان کو ہاتھ سے نہین چھوڑا۔ وہ اپنی تاریخی داستان اسطرح بیان کرتا ہے۔ کہ پڑھنے والا ایک منٹ کے واسطے نہ اُکتائے۔ فی الحقیقت یہ نہایت ہی مشکل کام ہے مگر ڈوزی نے داستان کی دلچسپی اور صحت کا اتنا لحاظ رکھا کہ اُسکے مخالفین کو بھی اس امر مین اُسکا مداح ہونا پڑا۔ یورپ کے متعصب مورخین کا ڈوزی پر یہ الزام ہے کہ اسکی کتاب کے ماخذ صرف عربی تصانیف ہین۔ جہالت کی اور کیا حد ہوگی۔ کیونکہ نہ صرف عربی بلکہ عیسائی مورخون کی بھی کافی طور پر خوشہ چینی کی گئی ہے اور اسطرح پر بقول ڈوزی اس بات کا پورا التزام رکھا گیا ہے کہ تصویر کا ایک ہی رُخ نہ دکھایا جائے۔

حیرت کا مقام ہے کہ جس کتاب کا ڈنکا چار دانگ یورپ مین بج رہا تھا ہالینڈ والون

نے اُسکی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس حوصلہ شکن سلوک کی وجہ پروفیسر وِتھ[1] نے رسالہ ڈی گِڈز[2] (مطبوعہ ۱۸۶۳ء صفحات ۱۱۴ تا ۱۶۷) مین اسطرح بیان کی ہے ''کچھ شک نہین کہ ڈوزی کی کتاب اہل ہالینڈ کے واسطے باعث افتخار ہے۔ لیکن اگر اُنھون نے اس کا نوٹس نہین لیا تو محض اسواسطے کہ وہ ایک غیر ملکی زبان (فرانسیسی) مین لکھی گئی ہے۔ اس بات کا اہل ہالینڈ کو جائز صدمہ ہے۔ کاش مادر وطن کا یہ فرزند فرانسیسی کو اپنی مادری زبان پر ترجیح نہ دیتا اور اسطرح پر اپنے ہموطنون کو ممنون کرتا'' ایک خود دار اور چھوٹی قوم کیواسطے یہ جذبہ باعث فخر ہے۔ مشہور مورخ گبن[3] کا بھی خیال تھا۔ کہ اپنی کتاب ''عروج و زوال سلطنت روم'' فرانسیسی زبان مین شایع کرے۔ اسکا جو اثر اہل انگلستان پر پڑتا وہ ظاہر ہے۔ ڈوزی نے یہ دیکھا کہ فرنچ ہی ایک ایسی زبان ہے جسے یورپ کی علمی زبان کہہ سکتے ہین۔ اسیلیے یورپ سے خراج تحسین وصول کرنے کے لیے لازم تھا۔ کہ برّاعظم کی مسلمہ ادبی زبان مین کتاب لکھی جائے۔ باوجود اسکے ڈوزی کو اپنے ہموطنون کی دل شکنی کا احساس تھا۔ اسیلیے اُسنے ایک نادر کتاب ڈچ زبان مین ''تاریخ اسلام'' پر لکھی جسکا ترجمہ بعد مین ایک فرانسیسی عالم موسیو وکٹر شادن[4] نے کیا۔ اس کتاب کے دیباچے مین چند امور کا بیان کرتے ہوئے مصنف کی توجہ ایک خاص بات کی طرف مبذول ہوئی۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء مین اُسنے ''مکہ مین بنی اسرائیل'' نام ایک کتاب شایع کی جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ ڈوزی کی سب سے اعلیٰ (اور بقول بعض سب سے بڑی) کتاب ہے۔ اس کتاب مین اُسنے یہ ظاہر کرنا چاہا تھا کہ خانہ کعبہ ساؤل[5] بادشاہ کے زمانہ مین سمیَنی[6] قوم کے جلاوطن اسرائیلیون نے تعمیر کیا تھا۔

بڑھاپے اور پروفیسری کی مصروفیتون کے باوجود بھی اُسنے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا ۱۸۶۶ء مین عربی جغرافیہ دان الادریسی کا ترجمہ کیا۔ اور اس سے ایک سال قبل ان ڈچ الفاظ کا مجموعہ شایع کیا۔ جو عربی فارسی۔ اور عبرانی زبانون سے

M. Victor Chauvin[4]

Saul[5] Professor Vith[1]
Simeon.[6] De Gids[2]
Gibbon[3]

اخذ کیے گئے تھے۔ ۱۸۶۹ء مین انگلمین[1] کی کتاب (ہسپانوی اور پرتگالی الفاظ جو عربی سے
لیے گئے ہین) کو اپنی معلومات سے مستفیض کرکے شایع کیا جسپر فرانس کی علمی مجلس نے
۱۶ جولائی ۱۸۶۹ء کو اُسے ایک گرانقدر انعام عطا کیا۔

پروفیسری کے فرائض سے سبکدوش ہوکر۔ ڈاکٹر سلین[2] کے ترجمہ ابن خلدون پر ایک
زبردست تنقید لکھی۔ ڈوزی کی عادت تھی کہ جب کبھی تنقید لکھتا تو نہایت بےجگری سے لکھتا
عموماً ایسے سخت گیر نقادکے عوام دشمن ہوتے ہین۔ لیکن باوجود سختی کے ڈوزی کے الفاظ مین زہر
نہ ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اُسکے اور دیگر علما کے درمیان کوئی خاص تنازعہ نہ پیدا ہوا
البتہ اگر کچھ بدمزگی ہوئی بھی۔ تو اپنے دیرینہ دوست فلیشر کے ساتھ۔ اس جھگڑے کی
بنا المقری کے ترجمہ سے پیدا ہوئی۔ اور کئی سال تک دونون دوست برسرپیکار رہے
لیکن آخرکار خوش قسمتی سے مصالحت ہوگئی اور یہ ناگوار بحث ختم ہوئی۔

۱۸۶۷ء کے بعد ڈوزی عربی لغت کا ضمیمہ تیار کرنے کی فکر مین تھا۔ اور اہل ادب
کی نظر مین یہ اسکی سب سے زیادہ قابل قدر کارگذاری تھی۔ ۱۸۸۱ء مین یہ ضمیمہ بھی مکمل
ہوگیا اور ڈوزی کو اسکی تکمیل پر ایک روحانی حظ حاصل ہوا جسکو وہ بار بار اپنے خطوط مین
دُہراتا ہے حقیقت مین اُسنے اس کتاب پر اپنی آخری عمر کا بہت سا بیش بہا وقت خرچ
لیا تھا۔ اور اسی لیے اسکے شایع ہونے پر اُسے خاص خوشی ہوئی۔

ڈوزی کی شہرت کا آفتاب اب نصف النہار پر تھا۔ یورپ کے ادبا اُسکی تعریف
مین رطب اللسان تھے۔ اور مختلف علمی مجالس اُسکی شرکت کو باعث فخر خیال کرتی
تھین۔ لیکن بڑھاپے مین جس شخص کی حوصلہ افزائی سے اُسے غیر معمولی تقویت ہوئی
وہ اُسکے دیرینہ دوست فلیشر کی تعریف تھی۔ جسنے بوڑھے اعضا (جو کمزوری اور ضعف
کی وجہ سے بیکار ہو چلے تھے) مین نئے سرے روح پھونک دی۔

لگاتار دماغ سوزی اور محنت نے آخر اعصاب پر اپنا برا اثر کیا گو بوڑھا پروفیسر

[1] Englemann

[2] Dr Slane

یہ ٹھیک ہے کہ مانچو خاندان کی حکمرانی کو ناقابل اطمینان کہکر مختلف ملکون نے وہان طرح طرح کے حقوق حاصل کر لیے تھے - لیکن اب موجودہ لیڈرون کی زیر نگرانی چین اپنی قدرتی جگہ لینے کے لیے تیار ہو رہا ہے - اور اسکے لیے چین کے سفیر نے واشنگٹن مین کھلے بندون اس بات کا مطالبہ کیا کہ ایسے حقوق کا جو کہ چین کی آزادانہ سلطنت کی حیثیت کے برخلاف ہین خاتمہ کر دیا جائے - واشنگٹن نے تو ان باتون کو ٹال دیا لیکن زمانہ اس قسم کے مذاق کو پسند نہین کرتا چین جاگ رہا ہے - اور اس بیداری کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان بندھنون کو اپنے لیے مصائب کی زنجیر سمجھ رہا ہے - اور یہ کٹ کر رہین گے -

(۲)

لیکن چین کو یورپ سے کیا واسطہ؟ بات یہ ہے کہ یورپ کی ہر ایک سلطنت چین کو اپنا نوالا نگاہ سمجھتی ہے - انگلستان اور جاپان کا عہدنامہ (جو دونون کے مشرق بعید مین حاصل شدہ حقوق کو قائم رکھنے کیلئے تھا) ختم ہو چکا تھا - انگلستان اسکو پھر جاری رکھنا چاہتا تھا جاپان بھی اس بات کا خواہشمند تھا - لیکن اس عہدنامے کو اسکی پرانی شکل مین تازہ کرنا ہین کو اور اسکے ساتھ اُس کے ہمدرد امریکہ کو چیلنج دینا تھا - ساتھ ہی برطانیہ کی نوآبادیان جاپان کے اس عہدنامے کے برخلاف تھین - عہدنامہ کو ختم کرنا انگلستان اور جاپان کے تعلقات کے لیے ناخوشگوار تھا - لیکن اسکو قائم رکھنا بھی خطرہ سے خالی نہین تھا - واشنگٹن مین امریکہ انگلستان جاپان اور فرانس اکٹھے ہوے اور جو عہدنامہ کہ پہلے انگلستان و جاپان کے درمیان مین تھا وہ ایک تبدیل شدہ شکل مین چارون کے درمیان ہو گیا - لیکن یہ صرف ایک مذاق تھا - واشنگٹن کانفرنس نے مشرق بعیدہ کے تصفیے نے انگلستان کے تعلقات جاپان اور فرانس سے بگاڑے تو نہین لیکن اُنمین وہ پرانا بھروسہ بھی نہین رہا جاپان اور فرانس اکٹھے ہو گئے - اور انگلستان کو معلوم ہو گیا کہ گو فرانس کے ساتھ اسکی روز کی ملاقات ہے - لیکن اسکا نقطۂ نگاہ فرانس کی نسبت امریکہ کے نقطۂ نگاہ سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے -

(۳)

خیر اس جھگڑے کا فیصلہ تو ہوا لیکن دوسری طرف فوجی بحث کا جھگڑا تھا پہلے پہل امریکہ انگلستان اور جاپان نے اس بحث مین حصہ لیا۔ اور ساری دُنیا انکی تقریرون سے گونج اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پچھلے جنگ یورپ نے ان لوگون کے کان کھول دیے ہین اور اب دنیا کے ملکی مدبر بھی پولیٹیکل شطرنج کی چالون سے گھبرا کر امن کے خواہان ہین بہت غور و خوض کے بعد جنگی جہازون کی تعداد مقرر کردی گئی۔ اور لوگون نے اطمینان کا سانس لیا کہ جنگ کے ایک ہتھیار کے بننے مین تو کمی ہو گئی۔ لیکن ابھی اس عہد و پیمان پر دستخط بھی ہونے نہ پائے تھے کہ بد اندیش نکتہ چینیون نے اس کھوکھلی دیوار کا پول کھول ڈالا اور آخر کار یہ راز افشا ہو ہی گیا کہ اب ان جہازون کی کوئی وقعت ہی نہین۔ آیندہ لڑائیان ان جنگی جہازون سے نہین بلکہ ہوائی جہازون۔ تارپیڈو اور پانی کے نیچے چلنے والے بیڑون کے ذریعے سے لڑی جائینگی۔ جونہی انکا ذکر کیا گیا۔ فرانس نے پلٹا لیا اور جرمن کے برخلاف زہر اگل کر نہین ہٹنے دی۔ غرضیکہ وہ چیزین تو جو کہ واقعی پانچ سال مین قومی عجائب خانون کی زینت بنتین تعداد مین محدود کردی گئی ہین لیکن اصلی ہتھیارون کو کم کرنے کی کسی کی ہمت نہین پڑی۔ اور کرتا کون۔ شانتی تب ہی ہو سکتی ہے کہ مختلف قومون کو ایک دوسرے پر بھروسا ہو۔ لیکن نو سال کی بربادی بھی اقوام عالم کو یہ سبق نہین سکھا سکی ہے ایکلے لڑائی کی تیاری ہر جگہ جاری ہے۔

(۴)

واشنگٹن ہی سے جنیوا کانفرنس کے گیت شروع ہو گئے تھے۔ مسٹر لائڈ جارج نے نہ معلوم کس طرح فرانس کو اس بات پر راضی کر لیا کہ غدار جرمنی اور شیطان روس کے ساتھ ایک ہی میز پر بیٹھکر بات چیت کرے۔ خیر جنیوا مین بھی سب پہونچ گئے۔ اور کام شروع کیا گیا جنیوا کا مدعا روس اور جرمنی مین ایک تازہ روح پھونک کر سارے یورپ کو زندہ کرنا تھا لیکن برا ہو فرانس کے حافظے کا۔ جونہی مسٹر لائڈ جارج نے جرمنی پر ڈالے ہوے تاوان کو کم کرنیکا سوال پیش کیا۔ فرانس نے اپنی کوٹ کی جیب مین سے عہدنامہ صلح نکال کر دکھلا دیا۔ اور اپنے حصے کی ایک پائی تک کم کرنے سے انکار کر دیا۔ مسٹر لائڈ جارج نے صبر کا بہت

ایڈریش دیا - لیکن فرانس نے دیکھا کہ برطانیہ کے قبضے مین جرمنی کی نوآبادیان ہین - جرمنی کی منڈیون پر برطانیہ قبضہ کر رہا ہے - ٹرکی کے حصے بخرے بھی اسکے ہاتھ آئے لیکن وہ بالکل محروم ہے - آخر بہت کچھ ہوا لیکن فرانس نے اپنی ضد نہ چھوڑی - آخر جو ہونا تھا وہی ہوا - روس اور جرمنی نے جو دنیا کی مہذب قومون کی صف سے ابھی باہر ہی رکھے گئے تھے - آپس مین عہدنامہ کرلیا - فرانس چونکا - اور جنیوا سے چلے آنے کی دھمکی دی - انگلستان نے بھی کان کھڑے کیے - لیکن انگلستان کو اسوقت اپنی تجارت کا زیادہ فکر تھا - مسٹر لائڈ جارج نے صرف لفظون کے ہیر پھیر سے کام نکالنا چاہا - آخر جنیوا کانفرنس کا بھی خاتمہ ہوگیا - لیکن ہوا کیا - روس اور جرمنی کا معاملہ جہان تھا وہین رہا - اور طفلانہ تسلی کے لیے ایک اور کانفرنس ہیگ مین منعقد کردی گئی -

(۵)

ہیگ کانفرنس بھی شروع ہوگئی - لیکن اس کے متعلق بھی فرانس اور انگلستان مین باہمی اختلاف رونما ہوگیا - ایک طرف فرانس اسکے ذریعے سے اپنی مرضی کی حکومت روس مین قائم کرنا چاہتا ہے - مگر انگلستان اس حد تک ضبط نفس سے کام لینے کیلیے تیار نہین - انگلستان نے تو اس پالیسی کا تجربہ نپولین کے زمانے مین فرانس سے حاصل کیا تھا - اور اب اسے دہرانے سے گریز کرتا ہے - فرانس والے تاریخ پر نظر نہین رکھتے اور ابھی تک وہ روس مین فرانسیسی لوگون کی جائداد کی حفاظت چاہتے ہین - روس مین اسوقت سوائے گورنمنٹ کے اور کسی کی جائداد نہین ہے اور روس اس بات پر کسی طرح سے بھی سر جھکانے کے لیے تیار نہین - ہیگ کانفرنس بھی رزولیوشن پاس کردے گی لیکن ہوگا کیا ؟ یہ سوال ہے جو لوگون کے دلون مین اسوقت چکر لگا رہا ہے -

(۶)

موجودہ یورپ کیا ہے - اسوقت موجودہ یورپ کے مختلف ملکون کی حدود پر روشنی ڈالنا بڑی تحقیق کا کام ہے - جنگ یورپ نے کئی نئی سلطنتین پیدا کردی ہین - آسٹریا ہنگری کی جگہ چار سلطنتین ہین - روس کے کنارے جمہوری حکومتون سے

بھرے پڑے ہین پولینڈ پھر تین سو سال کے بعد ایک نئی سلطنت ہے - جرمنی مین ایک جمہوری حکومت ہے - ان نئی سلطنتون کی حدود کا ابھی یقینی طور پر فیصلہ نہین ہوا ہے اور نہ انکی زندگی بڑی لمبی چوڑی ہے - ٹرکی کی حالت کو بیان کرنا مشکل ہے سلطان ٹرکی بظاہر ایک حکومت کا نمایندہ ہے لیکن دراصل ٹرکی حکومت انگورا مین ایک جمہوری حکومت کی شکل مین قائم ہے - اٹلی بھی اپنی نئی حدود دبا لے بیٹھا ہے - ان ... نیرنگیون کے باوجود ایک بات جو موجودہ یورپ کے متعلق کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسکے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ ابھی تک مختلف صنعتین اچھی طرح سے جاری ہین امریکہ جو کہ گزشتہ جنگ یورپ سے پہلے انگلستان کا قرضدار تھا اب اسوقت یورپ کے سارے ملکون کا قرضخواہ بنا ہوا ہے - یہ قرضہ اتنا ہے کہ ہر روز ایک نہ ایک ملک کی طرف سے اس قرضے کی معافی کے لیے کسی نہ کسی شکل مین آواز اٹھتی ہے - یہ مفلسی مختلف ملکون کے بجٹون سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے - کسی ملک کا خرچ بھی اسکی آمدنی سے پورا نہین ہو سکتا اس تنگدستی کے باوجود بھی جنگ کی خواہش - اور خود غرضانہ مفاد کا خیال ابھی مختلف ملکون کے دماغ سے نہین گیا - برطانیہ جو کچھ جنگ سے حاصل کرنا چاہتا تھا وہ کر چکا ہے - اسیلیے اب وہ خود دوسرون کو صبر کا اپدیش دینے پڑتا ہوا ہے لیکن فرانس کی سرکردگی مین یورپ کی کئی قومین صبر و سکون کی خواہان نہین معلوم ہوتین - تین سو سال کے بعد غلامی کے جوے سے آزاد ہونے پر پولینڈ کی آج یہ خواہش ہے کہ وہ روس یا جرمنی کے کسی ٹکڑے کو دبا لے - چھوٹا سا بلجیم بھی فرانس کے ساتھ مل کر روس کی حکومت کے بنیادی اصولون مین تبدیلی چاہتا ہے - اور وہ ریاستین جن کا نام تو کیا خیال تک بھی صفحہ ہستی پر کل تک قائم نہ ہوا تھا - آج خود غرضی کے جوش مین اندھی ہو کر روس سے یا جرمنی سے ناممکن مطالبات کر رہی ہین - خیال پیدا ہو گا کہ اگر یورپ کی یہ حالت ہے تو بین الاقوامی انجمن کہان ہے - وہ ان جھگڑون کو کیون نہین طے کرتی لیکن انجمن کا تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا گیا تھا - دنیا امن کی خواہان تھی - لیکن یورپ کی فاتح (؟) اقوام اسے اپنے امن کا ذائقہ چکھانا چاہتی تھین -

انجمن کے سامنے کوئی بھی ایسا سوال اُٹھنے نہ پایا جو ضروری یا اہم ہو۔ پہلے سپریم کونسل بیٹھی جرمنی اور روس اور دوسری قومون کی قسمت کا فیصلہ کرتی رہی۔ پھر سفیرون کی کونسل نے اُسکی گدی سنبھالی۔ اسکے بعد وزیر اعظم آپس مین فیصلے کرتے رہے اور انجمن کس مپرسی کی وجہ سے مرہی گئی بات یہ تھی کہ انجمن الاقوام قومون کی انجمن نہین تھی بلکہ طاقتورون کی کانفرنس۔ اور ایسی حالت مین اسکا ہونا نہونا برابر تھا۔ وہ قومون کی انجمن ہی کیا جسمین روس۔ جرمنی اور ٹرکی کو جگہ نہین ملی۔ غرض وہ انجمن فنا ہوچکی ہے

(۸)

تو پھر ہوگا کیا؟ اس بات کا جواب دینا مشکل ہے۔ دنیا مین روس اور جرمنی کیلیے جگہ ہے اور انکی ضرورت بھی ہے۔ کوئی ایسا نظام جو انکو الگ رکھے گا ضرور ناکامیاب ہوگا۔ موجودہ جھگڑے تو آدمی کو مایوس بنا دینے کے لیے کافی ہین اور بے اختیار مُنھ سے نکل جاتا ہے کہ جنگ یورپ سے دُنیا کی پُرغرور لازمی ہستیون نے کچھ نہ سیکھا۔ امن اُسی حالت مین ہوسکتا ہے جبکہ مختلف قومین ایک دوسرے کی بھلائی مین کوشان ہون۔ اسکے لیے یہ ضروری ہے کہ لوگون کی آنکھون مین دھول ڈالنے کے جو مختلف ذریعے استعمال کیے جاتے ہین اُنکا خاتمہ کر دیا جائے۔ ڈیموکریسی کی اصلی فتح اُسی وقت ہوگی لیکن اس نتیجہ تک پہونچنے کے لیے پہلے اُن لوگون کے خیالات مین تبدیلی کی ضرورت ہے جو کہ مختلف قومون کے ممبر ہین۔ ہر ایک ایسا کام جو اس نتیجہ مین مدد دیتا ہے قابل قدر ہے۔

سری رام شرما بی۔ اے

مرزا عبدالقادر بیدل جو ایک صوفی مزاج شاعر تھے۔ جب نواب آصف جاہ نے انکو ایک خط کے ذریعہ سے بلانا چاہا تو جواب مین یہ بیت لکھی۔

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجاے خویش
من بستہ ام حناے قناعت بپاے خویش

جعفر برمکی کا قتل

جعفر برمکی بن یحییٰ برمکی خلیفہ ہارون الرشید کا مشہور اور ہردلعزیز وزیر تھا۔ اسکی فیاضی اور رحمدلی کے افسانے روز روشن کی طرح ظاہر ہین اور بہت دن نہین ہوے زمانہ بابت ماہ مارچ ۱۹۲۲ء مین بھی منشی کرم شیر خان صاحب اسکے عام عادات و اخلاق پر ایک لاجواب مضمون لکھ چکے ہین لہذا مین ان تمام باتون کو چھوڑ کر جعفر کے قتل کے اصلی اسباب لکھونگا۔ عوام مین مشہور ہے کہ جعفر خلیفہ ہارون الرشید کی بہن کے خلاف تعلقات رکھنے پر قتل کیا گیا۔ عجیب و غریب واقعہ ہونے کی توجہ سے اسکی شہرت اُردو زبان مین بھی بذریعۂ ناول اور رسائل کے ہوگئی ہے اس بے سروپا افسانہ کے ذکر سے تاریخ کے دامن پر ایک ایسا بدنما داغ لگ گیا ہے جو مشکل سے مٹے گا۔

اصل مین اس غلط قصہ کا ماخذ تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری ہے جسنے ۳۱۰ھ مین وفات پائی۔ اسوقت سے آجتک مورخین ایک دوسرے سے اس واقعہ کو نقل کرتے آئے ہین مگر افسوس کہ اسکی تنقید و تحقیق کی طرف بہت کم لوگون نے توجہ کی۔ اب ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ فاضل علامۂ طبری نے جن الفاظ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے اُسسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علامۂ موصوف کو خود اس روایت پر یقین و اعتبار نہ تھا اسکے الفاظ یہ ہین مجھسے احمد بن زہیر نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اُسنے اپنے چچا زاہر بن حرب سے کی ہے کہ سبب ہلاکت جعفر اور برامکہ کا یہ ہے کہ رشید کو بغیر جعفر اور اپنی بہن عباسہ بنت المہدی کے ایک گھڑی چین نہ ملتا تھا اور یہ دونون شراب نوشی کے جلسہ مین شرکت کرتے تھے اسلیے رشید نے جعفر سے کہا کہ مین عباسہ کا عقد تمھارے ساتھ کرنا چاہتا ہون تاکہ تمکو اُسکا دیکھنا مباح ہوجائے لیکن زن و شوئی کے تعلقات نہ ہون چنانچہ اسر

شرط پر عباسہ کا عقد جعفر سے کر دیا، (دیکھو ترجمہ تاریخ ابن خلدون از حکیم احمد حسین الہ آبادی کتاب ثانی۔ جلد ہفتم صفحہ ۳۲)

یہ ہین وہ الفاظ جنپر بعض مورخین اور ناول نویسون نے اپنا وقت برباد کیا ہے اور خیالی واقعات سے جعفر کے قتل کے افسانے مین رنگ آمیزی کرکے اپنا نام ادبی دنیا مین بدنام کیا ہے۔ علامہ طبری سے جسنے اس واقعہ کی روایت کی ہے اسکا حال خود طبری کو نہین معلوم ہوا۔ اسکا یہ کہنا کہ یہ روایت اسنے اپنے چچا زاہر بن حرب سے کی ہے، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ احمد بن زبیر کی روایت مورخانہ حیثیت سے نہین ہے بلکہ عام روایت کی بنا پر ہے اسکو بھی چھوڑ کر اگر ہم یہ مان لین کہ اخیر روایت طبری کا یہ سلسلہ [illegible] جاتا ہے ظاہر ہی ہے تو زاہر کا یہ حال ہے کہ اسکا کسی معاملہ یا رازے عقد عباسہ مین شریک ہونا یا وقت قتل جعفر موجود ہونا کسی تاریخ سے ثابت نہین ہوتا۔ خود علامہ طبری نے اُن لوگون کے نام لکھے ہین جو اس معاملہ مین خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراز و شریک تھے۔ غرض اگر علامہ طبری اس واقعہ کو مان لیتے تو آگے چل کر وہ اور اسباب قتل جعفر کے ہرگز نہ لکھتے اور اگر لکھتے بھی تو اس واقعہ کو ترجیح دیتے لیکن انھون نے ایسا نہین کیا بلکہ کل واقعات جن سے جعفر قتل کیا گیا بلا ترجیح لکھ دئے ہین جن سے بالکل ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ مذکورہ انکے نزدیک ہرگز قابل یقین اور مسلمہ نہین ہے۔

اب دوسرا تماشہ دیکھیے اسی واقعہ کو علامہ محمد نے بھی اعلام الناس صفحہ ۱۰۵ مین یہ روایت ابراہیم بن اسحاق سے نقل کیا ہے اور اصل راوی کا نام ابو ثور زاہر بن ثعلب اور بجاے عباسہ کے میمونہ لکھا ہے جس سے اس لغو واقعہ کی اور قلعی کھل گئی اور اسکا جھوٹا ہونا بالکل ثابت ہو گیا کیونکہ خلیفہ مہدی کی چار لڑکیاں تھین جنکا نام بانوقہ۔ عباسہ۔ عالیہ۔ اور سلمہ تھا لیکن علاوہ انکے کوئی لڑکی میمونہ نامی نہ تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عباسہ کا عقد ہارون نے پہلے محمد بن سلیمان سے کیا تھا جب وہ راہی ملک بقا ہوا تو ابراہیم بن صالح بن علی سے اسکا نکاح کیا گیا (دیکھو کتاب المعارف لابی محمد عبد اللہ بن سلمہ بن قتیبہ کاتب دینوری المتوفی ۲۷۶ھ صفحہ ۱۳۰)

تاریخ علامہ ابن خلدونؒ مین اس بے سروپا واقعہ کی خوب قلعی کھولی گئی ہے اور کڑ
جو تنقید کی گئی ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے مین نے بخیال طوالت نہین لکھا ہے اب مین
جعفر برمکی کے قتل کے اصلی وجوہات واسباب بحوالہ تاریخ علامہ ابن خلدونؒ لکھکر اپنے مضمون
کو ختم کر دون گا۔

جعفر برمکی کی لیاقت پر ہارون الرشید کو ناز تھا مگر وزارت کا اقتدار اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ
ہارون الرشید برائے نام خلیفہ تھا حکم واحکام تمام ممالک محروسہ مین اسی کے جاری تھے دجلہ
کے کنارے اسکے عالیشان محل دور تک بنے تھے۔ اسکے دروازے پر ہر وقت حاجتمندون
کا میلہ سا لگا رہتا تھا پس انھین وجوہات سے جعفر اور اسکا خاندان برباد کیا گیا کیونکہ امراء دولت
کو اس سے حسد پیدا ہوا جب موقع پاتے تو خلیفہ سے اسکی شکایت کرتے۔ کثرت شکایات
سے خلیفہ کے دل مین بھی بمقتضائے بشریت جعفر کی طرف سے ایک خیال پیدا ہو گیا اور وہ
جعفر کے تمام کامون کو بری نظر سے دیکھنے لگا مگر وہ نظر بھی وہ نظر تھی جس سے سنگین اور غیر قابل
عفو جرائم دیکھے جاتے تھے۔ خلیفہ کے برہمی کے اسباب سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلیفہ نے
ایک بہت بڑے باغی یحییٰ بن عبداللہ کو (جسکو فضل برمکی (جعفر کا بھائی) ایکم سے بحکمت عملی
لے آیا تھا) جعفر کے پاس نظربند کر دیا تھا مگر جعفر نے یحییٰ بن عبداللہ کو بغیر اجازت و اطلاع خلیفہ
رہا کر دیا جسوقت خلیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی اسنے جعفر کو بلا کر استفسار کیا جعفر نے اس
واقعہ کی تصدیق کر دی۔ خلیفہ کے دل مین جعفر کی اس خود مختاری وخودرائی اور ایسے باغی
ملزم کے رہا کر دینے سے کشیدگی پیدا ہوئی جو رفتہ رفتہ بڑھتی ہی گئی اور پھر خلیفہ نے صاف طور
پر اپنی ناراضگی ظاہر کر دی۔ بہت دنون تک یہی حال رہا۔ ۱۸۷ھ مین جبکہ خلیفہ حج سے واپس
ہو رہا تھا اسنے انبار مین قیام کیا جعفر بھی ہمراہ تھا ایک دن رات کو خلیفہ نے مسرور (اپنے
خادم خاص) کو طلب کر کے نہایت تاکید سے کہا کہ تو اسی وقت جعفر کے خیمہ مین
جا اور اسکا سر اتار لا۔ مسرور یہ سنکر کانپ اٹھا اسنے بصد منت عرض کیا "یا خلیفۃ المسلمین
آپ اس حکم کو غور کر کے صادر فرمائیے" خلیفہ نے ڈانٹ کر کہا "نہین تجھی کو اس حکم کی
تعمیل کرنی ہوگی" مسرور سہم گیا۔ پھر خلیفہ نے غصہ مین زمین پر چھڑی ٹیکی اور کہا "یا اسی وقت

اس حکم کی تعمیل کرو ورنہ تیری خیر نہین،، مسرور نے جب دیکھا کہ خلیفہ کا غصہ کسی طرح سے کم نہین ہوتا تو رخصت ہوکے جعفر کے خیمہ مین آیا اور اُسکا سر آتار کے خلیفہ کے روبروے گیا خلیفہ نے اسگلے دن جعفر کی نعش بغداد کو روانہ کی اور یہ حکم دیا کہ اسکے دو ٹکڑے کرکے (پل) پر نصف نصف ہر دو جانب آویزان کردیے جائین ۔

یہ ہین جعفر برمکی کے قتل کے اصلی اسباب اور وہ واقعات جنپر ہمارے فسانہ نگارون نے خوب خیالی قلعہ بنائے ہین ۔

انصار احمد اعظم گڑیوی ایڈیٹر طوفان

ستی

میرے چراغ زندگی موت کے ہونٹون نے یکبارگی سانس لیکر تجھکو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کردیا، آہ یہ نظر سے غائب ہوجانیوالی روشنی اب کبھی نظر نہ آئے گی ۔

محبت! کیا مین اس تاریکی مین رہ سکتی ہون

میری زندگی کے پودے، موت کے بیرحم ہاتھون نے تیری چھپی ہوئی جڑ دن کو کھود ڈالا آہ! اب اسمین نازک و خوشنما پتیان کبھی نہ نکلین گی ۔

کیا درخت کے پژمردہ ہوجانے کے بعد بھی غنچے کھل سکتے ہین

میری بیقرار روح! موت کی تیز تلوار نے تجھے میرے جسم سے اسطرح جدا کردیا ہے جیسے قطع کلام کرنے مین کوئی لفظ دو ٹکڑے ہوجائے، آہ! اسی طرح تیرا رشتہ اس کالبد خاکی سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا ۔

کیا روح نکل جانیکے بعد بھی جسم زندہ رہ سکتا ہے

مسز سروجنی نائڈو ۔ ثاقب کانپوری



سراپا ناکامی

ایک ڈاکٹر کی خود نوشت سوانح عمری

کا ایک باب

(۱)

مین جن دنون کالج مین پڑھا کرتا تھا۔ اُس زمانہ مین میرا دل امیدون سے معمور تھا۔ میری
ناؤن کی دنیا بہت وسیع تھی۔ امتحان کے نتیجون کو دیکھکر میرا دماغ آسمان پر جا پہونچتا تھا۔ دوست
رشتہ دار میری مدح سرائی کرتے تو مین جامہ مین پھولا نہ سماتا۔ ایک دن ایک پروفیسر نے مجھ سے
"رتن ناتھ! تم پنجاب یونیورسٹی کے بہترین رتن ہو۔ تم آسمان علم کے درخشان ستارے ہو" مین نے
بنے دل مین کہا [illegible] مین بھی ستارہ ہون کبھی چاند بنکر چمکونگا۔ مین فرصت کے اوقات مین اکثر سوچا
تا تھا کہ تعلیم سے فارغ ہو کر مین یہ کرونگا، وہ کرونگا۔ سب ان طبعیات مین نئی نئی ایجادون
ر تھیوریون سے انقلاب پیدا کر دونگا۔ مین موت کا علاج ڈھونڈ کر دنیا مین ایک تہلکہ مچا دونگا
ن خوب دولت پیدا کرونگا۔ اور دل کھولکر خیرات کرونگا۔ مین دنیا کو اپنی شہرت کے آفتاب سے
نور کر دونگا۔ قطب شمالی سے لیکر قطب جنوبی تک اور ٹوکیو سے سان فرانسسکو تک میرے
م کے گیت گائے جائینگے۔

اُسوقت مجھے معلوم نہ تھا کہ مین جس عالمگیر شہرت کے خواب دیکھتا ہون وہ سوائے خدا اور
یطان کے کسی کو بھی نصیب نہین ہو سکتی مین خدا تو بن ہی نہ سکتا تھا اور شیطان بننا گوارا نہ تھا
ہم مجھے یہ خبط ضرور تھا کہ مجھے شہرت حاصل ہو اور ایسی شہرت جو دنیا مین اور کسی کو نہ ملی ہو۔

اُن دنون مجھے اپنی آیندہ زندگی نہایت خوشگوار نظر آتی تھی مین اپنی زندگی کا مقصد شہرت
لت اور خوشی سمجھتا تھا۔ اور یقین رکھتا تھا کہ مین ضرور اپنے مقصد مین کامیاب ہونگا لیکن مین

اب دیکھتا ہون کہ میرے اُن مسرور کن خیالات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اُس خوش آیند خواب کی تعبیر پوری نہ ہوئی تاہم مین خوش ہون اور اپنی ناکام تدبیرون کو مورد الزام نہین سمجھتا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دنیا کسی ہندوستانی کو شہرت اور خوشی کا حقدار نہین سمجھتی اُسکی نظرون مین کوئی ہندوستانی عزت و شہرت کا مستحق نہین - اور اسی لیے اگر وہ ذرا بھی سر اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو ٹھکرا کر نیچے گرا دیا جاتا ہے اور اُسے سرفرازی کا کوئی موقع نہین دیا جاتا - پھر مین کیا کر سکتا تھا -

مجھے اب اپنے مدعاے زندگی کے پورا نہونے پر کوئی افسوس نہین - میرے لیے اب رنج و خوشی گمنامی و شہرت سب یکسان ہین - پے درپے ناکامیون اور مصیبتون نے میرے دل کو حِس بنا دیا ہے، اُمیدون اور تمناؤن کے لیے میرے دل مین کوئی جگہ نہین رہی - تمام خواہشین نا اُمیدی کی عمیق غار مین ہمیشہ کیلیے دفن ہو چکی ہین اب مجھے شہرت یا خوشی کی نہ اُمید ہے اور نہ آرزو - مین دنیا مین رہتا ہون لیکن اُس سے الگ - مجھے اُس سے نہ محبت ہے نہ نفرت - کنج تنہائی مین گوشہ نشین ہو کر بیٹھا ہون - کالج کے دنون کی خام خیالیان کبھی کبھی یاد کر کے بے اختیار دل ہی دل مین رو لیتا ہون -

۱۹۰۸ء مین ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کر لینے کے بعد مجھے سرکاری نوکری مل گئی اور رفتہ رفتہ ۱۹۱۰ء مین لاہور ہسپتال مین ہوس سرجن مقرر ہو گیا - میرے وارڈ کا میڈیکل افسر ایک انگریز تھا - اُسنے ایک سال پہلے کنگز کالج لندن سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی تھی اور آئی ایم ایس ہو کر ہندوستان آیا تھا - وہ میڈیکل کالج مین اناٹمی (علم تشریح الاجسام) پڑھاتا تھا لیکن لڑکے اس سے بالکل خوش نہ تھے - کیونکہ وہ صرف کتابی مضامین کو رٹ کر لفظ بلفظ جماعت کے سامنے سُنا دیا کرتا تھا عملی اناٹمی سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا -

خیر - وہ میرا افسر تھا اور مین اُسکا ماتحت جسوقت وہ وارڈ مین آتا تھا - مجھے اُسکے پیچھے پیچھے چلنا پڑتا تھا - مین اپنی راے سے کوئی کام نہ کر سکتا تھا بلکہ مجھے ہمیشہ اُسکی ہدایتون پر عمل کرنا پڑتا تھا - مجھے اجازت نہ تھی کہ اُسکے کسی کام پر نکتہ چینی کرون - خواہ وہ غلطی ہی پر کیون نہو -

مین آجتک یہ نہ سمجھ سکا کہ گورنمنٹ نے کن اُصولون کی بنا پر ہندوستانیون اور انگریزون مین

امتیازی صورت قائم کر رکھی ہے۔ مین اپنے افسر سے کسی بات مین کم نہ تھا (بلکہ بعض باتومین اُس سے بڑھ چڑھکر تھا) اگر مجھ مین مقتضاء بشریت کچھ خامیان تھین تو ویسی ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ میرے انگریز افسر مین موجود تھین۔ بارہا اُسکا اپریشن جانستان ثابت ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بارہ سو روپیے ماہوار پاتا تھا اور مین صرف ایک سو بیس۔ میرے خیال مین مجھ مین اور اُسمین فرق صرف اسقدر تھا کہ وہ انگریز تھا اور مین ہندوستانی۔

اُسکا نام میجر واٹسن تھا وہ بذات خود نہایت شریف آدمی تھا لیکن بطور افسر کے اُسے گورنمنٹ کے مقرر کردہ اُصولون کی پابندی لازمی تھی۔

تیل اور پانی ایک برتن مین ہون توبھی وہ آپس مین نہین ملتے۔ الگ الگ ہی رہتے ہین۔ اسی طرح مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ دونون نہ کبھی ملے ہین اور نہ ملین گے ہسپتال مین دو تین گھنٹے تک میرا اور میجر واٹسن کا ساتھ رہتا تھا۔ لیکن ہسپتال کے باہر سوائے بڑے دن کے نہ مین کبھی اُنسے ملنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور نہ کبھی اُنھون نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ اپنی کوٹھی پر اپنے ہموطنون کے ساتھ خوش خوش وقت گزارتے تھے۔ اور مین اپنے گھر پر۔ نہ اُنھین کچھ ہندوستانی سوسائٹی کی خبر تھی اور نہ مجھے کچھ انگریزون کی بابت علم تھا۔ مین اکثر یہ خیال کرتا تھا کہ مغربی فرشتون کے دن ہندوستان مین بڑے مزے سے کٹتے ہین اُنکی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسرت مجسم ہے۔ اُنپر عیش وعشرت کا سایہ ہر وقت پر تو فگن رہتا ہے گویا خدا کی برگزیدہ مخلوق وہی ہین۔ اور ہم تو صرف اُنکی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہین۔

خدا جانے کہ میجر اور اُسکے ساتھیون نے بھی کبھی اپنی آنکھون کے سامنے ہندوستانیون کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی یا نہین۔ شاید اُنھین ایسا کرنے کی فرصت ہی نہ ملتی ہو

(۲)

بچپن سے میرا یہ عقیدہ تھا کہ یونانی اور ویدک علاج مین انمول رتن بھرے پڑے ہین۔ لیکن بی۔ اے پاس کرنیکے بعد جب مین نے دیکھا کہ حکیمون اور ویدون کو کوئی نہین پوچھتا اُنکے نسخے حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین۔ اُنکے شربتون اور جوشاندون کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے۔ سرکاری دفترون مین اُنکے تصدیق سے چھٹی تک منظور نہین کی جاتی۔ توپھر مین کیون اپنی شہرت کے

راستہ میں کانٹے بوتا۔ اور ان بوسیدہ چیزوں کی طرف توجہ کرتا۔ ایلوپیتھی کی حکومت دیکھکر میں بھی با دلِ ناخواستہ یونانی اور ویدک سے دست بردار ہو گیا تھا اور میڈیکل کالج میں داخل ہوکر ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی تھی۔

مگر ڈاکٹر بننے پر بھی ویدک اور یونانی حکمت کی عزت میرے دل سے کچھ کم نہیں ہوئی۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ اگر ویدک اور یونانی حکمت کے مجموعہ میں موجودہ سرجری (علم جراحی) کو شامل کر کے ایلوپیتھی کے بجاے کام کیا جائے تو روزانہ تعداد اموات میں بہت کچھ کمی ہو سکتی ہے۔

سرطان المعدہ ایک نہایت ہی مہلک مرض ہے۔ اسمین علاوہ اور تکلیفوں کے معدہ میں اس شدت سے درد ہوتا ہے کہ جینا دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ ڈاکٹری طریقۂ علاج میں اس کا کوئی علاج نہیں۔

یورپ اور امریکہ کے کئی بڑے بڑے اشخاص اسی نامراد مرض کے پنجہ میں پھنسکر راہی ملک عدم ہو چکے ہیں۔ انہیں سے ایک نے مرتے وقت وصیت کی تھی جو شخص پانچ سال کے عرصہ میں سرطان المعدہ کا علاج بغیر آپریشن کے نکالے اُسے میری جائداد میں سے ڈیڑھ لاکھ پونڈ بطور انعام دیے جائیں۔ یہ وصیت نامہ اخبار میں پڑھکر میرے منھ میں پانی بھر آیا۔ میں نے اپنے دل سے کہا۔ لو اب موقع ہے۔ دنیا میں نام پیدا کرو اور روپیہ بھی حاصل کرو۔

ابتداے ۱۹۰۹ء سے میں کامل مصروفیت کے ساتھ ادھر متوجہ ہوا۔ ہسپتال کے کام کے بعد ویدک اور یونانی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یونانی کتب مجھے اُردو میں مل گئیں اور ویدک کتب کا مطالعہ میں خود آسانی سے کر سکتا تھا کیونکہ سنسکرت میں مجھے کافی دستگاہ تھی۔

لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے کچھ بھی فائدہ نہوا۔ کیونکہ تقریباً سب نے مرض سرطان کو لاعلاج قرار دیا تھا۔ صرف سنسکرت کی ایک کتاب میں ایک شلوک تھا کہ مرض سرطان کا علاج گرش نامی ایک سیاہ رنگ کا لمبا سا کیڑا ہے جو کہ سنشر کے جنگلوں کی گیلی زمین میں پایا جاتا ہے۔ اگر اُس کیڑے کا عرق تیار کر لیا جائے تو پندرہ روز کے استعمال سے سرطان جڑ سے اُکھڑ جاتا ہے۔ اب لفظ سنشر کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ متعدد لغت کی کتابیں دیکھ ڈالیں۔ سنسکرت کے عالموں سے پوچھا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ ساری محنت برباد معلوم ہوتی تھی۔

ایک دن جبکہ وارڈ کی رونڈ کے بعد میجر واشن ہسپتال سے جا چکا تھا میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا سنسکرت کے ایک لغت کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ اور بیدلی سے کتاب کے صفحے اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ اتنے میں چپراسی نے اندر آکر کہا "حضور ایک نیا مریض ہسپتال میں داخل ہونے کے لیے آیا ہے"۔

میں نے کتاب بند کر دی۔ اور چپراسی سے کہا "اُسے یہیں لے آؤ"۔ مریض ایک ہٹا کٹا جوان تھا۔ اُسکے چہرہ کو دیکھنے سے کسی بیماری کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اُسکے چہرہ پر سرخی تھی۔ میں نے اُسے دیکھکر حیرت سے پوچھا "کیوں؟ کیا شکایت ہے؟"

اُسنے جواب دیا "حضور دس پندرہ روز سے مجھے دوسرے تیسرے دن کھانا کھانیکے بعد قے آجاتی ہے جسمیں سیاہ رنگ کے لمبے لمبے کیڑے ہوتے ہیں۔

یہ کہکر اُسنے اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔ اور ڈھکنا کھول کر میرے ہاتھ پر رکھدی۔ اسمیں بیس پچیس سیاہ رنگ کے کیڑے رکھے تھے۔ اُنمیں سے ایک کو نکال کر میں نے میز پر رکھا۔ وہ نہایت ہی چمکیلا تھا۔ اور اُسکا جسم بڑا ملائم تھا۔

میں نے پوچھا "یہ شکایت شروع کیسے ہوئی؟"

وہ کہنے لگا "میں ورکشاپ میں ملازم ہوں۔ عرصہ پانچ چھ ماہ کا ہوا۔ کہ میرے پیٹ میں درد شروع ہو گیا جسوقت درد شروع ہوتا تھا میں مارے تکلیف کے تڑپتا رہتا تھا۔ کچھ دن بعد مجھے خون اور پتھری کی قے آنے لگی۔ بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھایا۔ لیکن سب نے جواب دیدیا اُن دنوں میری حالت نہایت دردناک تھی۔ رات کو میرے پاس کوئی پانی پلانیوالا بھی نہوتا تھا محلے والے میری چیخ و پکار سنکر اُلٹے مجھی کو بددعا دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ میری تمام پونجی ختم ہو گئی۔ اب مجھے کھانے پینے کی بھی تکلیف ہونے لگی۔ پردیس میں بے یار و مددگار مرنے کو طبیعت نہ چاہی۔ وطن کی آب و ہوا نے کشش کی چار و ناچار وزیرآباد کا ٹکٹ لیکر گاڑی پر سوار ہو گیا۔ میرا گاؤں وزیرآباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ وزیرآباد کے اسٹیشن پر میرا بھائی پہلے سے موجود تھا۔ گاڑی سے اُترکر ہم دونوں یکہ پر سوار ہو کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابھی پانچ چھ کوس ہی گئے ہونگے۔ کہ میری تکلیف بڑھ گئی۔ تانگہ کو روک کر میرے بھائی نے مجھے نیچے اُتارا۔ اور ایک آم کے نیچے سایہ میں لٹا دیا۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ بھائی نے اُسی میں سے تھوڑا سا پانی لیکر میرے مُنھ پر چھینٹے مارے اور کلی کرائی۔ میں نے ایک آدھ گھونٹ پی بھی لیا۔ چند منٹ بعد مجھے پھر پیاس لگی۔ میں نے پانی مانگا۔ تالاب کا پانی گدلا تھا۔ بھائی ٹال مٹول کرنے لگا۔ یہ بہت گدلا ہے۔ گانوں اب ایک کوس تو رہ گیا ہے وہیں چلکر پی لینا۔ لیکن مجھے پیاس سخت لگی ہوئی تھی۔ میں نے کہا نہیں۔ میں یہی پیونگا۔ صاف پانی کا انتظار کرتے کرتے تو جان نکل جائے گی۔

آخر مجبور ہو کر بھائی نے اُسی پانی کے دو چار گھونٹ پلا دیے۔ پانی پی کر مجھے کچھ تسکین ہوئی اور ہم دونوں پھر یکہ میں بیٹھ کے روانہ ہو گئے۔

گھر پہونچ کر مجھے اپنی طبیعت کچھ بحال معلوم ہونے لگی۔ رات کو کچھ کچھ نیند بھی آگئی صبح کے قریب میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سبز پوش سفید ریش بزرگ مجھسے ارشاد فرما رہے ہیں کہ بیٹا۔ جس تالاب کا پانی تو آج پی کر آیا ہے۔ اُسکے قریب ہی ہمارا مزار ہے۔ اگر تجھے صحت کی خواہش ہے تو اُسی تالاب کا پانی پندرہ بیس روز اور استعمال کر۔ انشا اللہ صحت ہوگی اسکے بدلے میں فقط ہمارے مزار پر دو اینٹ لگا دینا

صبح کو اُٹھکر میں نے بھائی سے یہ خواب کہا اُسے فوراً یقین آگیا۔ وہ اُسی وقت ایک معمار کو ساتھ لیکر سبز پوش کے مزار پر گیا۔ اور اُسے از سر نو پختہ بنوا دیا۔ پھر شام کے قریب تالاب سے ایک گاگر بھر کے لایا۔ میں نے پندرہ بیس روز تک وہی پانی استعمال کیا۔ بیماری بالکل دفع ہوگئی اور پھر کچھ شکایت باقی نہ رہی۔ لیکن اب دس پندرہ روز سے دوسرے تیسرے دن کھانا کھانیکے بعد قے ہو جاتی ہے جسمیں یہ کیڑے ہوتے ہیں۔ مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ طبیعت کو ایک راحت سی محسوس ہوتی ہے۔

مریض کی باتیں سُنکر میں خوشی سے اُچھل پڑا۔ ابلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے نظر آتے ہیں اُسکی باتوں سے میں نے اپنا ہی مطلب نکالا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ سرطان الامعدہ میں مبتلا ہو گیا تھا ممکن ہے کہ اُسنے سنستر کے جنگل کے کسی تالاب کا پانی پیا ہو جسمیں کرشنا نامی کیڑے

کا جوہر شامل ہو- پانی کے ساتھ ہی اُن کیڑون کے چند انڈے بھی معدے مین پہونچے ہون- جوہر کے اثر سے مرض دور ہو گیا ہو لیکن ساتھ ہی انڈے کیڑون مین تبدیل ہو کر پیٹ مین بڑھتے رہے ہون- اور اب وہی قے کے ذریعے باہر نکل رہے ہین-

رفتہ رفتہ میرا قیاس یقین کے درجہ تک پہونچ گیا- چالیس سال کی عمر تک بے اولاد رہنے والی عورت کو اپنی کامیابی پر اُتنی خوشی نہ ہوتی ہوگی جتنی کہ اُسوقت مجھکو ہوئی- میرے تخیل نے ایک ولایتی اخبار کا پوسٹر میری آنکھون کے سامنے کھڑا کر دیا- جسپر موٹے حروف مین لکھا ہوا تھا

ایک ہندوستانی ڈاکٹر کی حیرت انگیز ایجاد!

سرطان المعدہ کا تیر بہدف علاج دریافت ہو گیا!!

مین اپنی دلی تمناؤن کو بار آور ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا- میرا دل بہت جلد نصیب ہونیوالی شہرت اور دولت کے خیال سے دھک دھک کر رہا تھا- مین نے اُس مریض سے پوچھا- تمھارے گانون کا کیا نام ہے؟"

"چک ..."

(۳)

دفعتہً کمرے کا دروازہ کھلا- اور اندر میجر ڈاسن آ پہونچا- اُسکو دیکھکر مین حیران ہو گیا اور مریض گھبرا گیا- وہ گانون کا نام بھی پورا نہ ادا کر سکا،

میجر کی آمد خلاف توقع تھی- وہ آتے ہی مریض سے مخاطب ہوا- "ویل کیا ہے؟"

مریض نے اپنے آپ کو سنبھالا- ذرا حوصلہ کر کے بولا "حضور مجھے قے مین کیڑے آتے ہین"

"اوہ کوئی ڈر کا بات نہین- آؤٹ ڈور وارڈ مین دکھا آئے ہو؟"

مریض مطلب نہین سمجھا- پاس ہی کھڑے ہوئے چپراسی نے اُسے سمجھایا- تو بولا نہین حضور! پہلے اُدھر دکھا آؤ- اگر وہان کا ڈاکٹر کہے- تو یہان آجانا-

مریض فوراً اُٹھکر باہر چلا گیا- مین بھی کیڑون کی ڈبیا ہاتھ مین لیکر اُسکے پیچھے چلا- کہ میجر نے مجھے روک لیا- کہنے لگا- واہ خوب ملے- مین تمھارے پاس آیا ہون- اور تم باہر جاتے ہو

مین نے لجاجت آمیز لہجہ مین کہا- ذرا اُس مریض سے ایک بات پوچھنی ہے-

پھر پوچھ لینا - میری بات سنو - اسی جمعہ کو ناک کا ایک اپریشن کرنا ہے - اسمین مجھے تمہاری امداد کی ضرورت ہے - زرا ایک دو دن لگا کر ناک کی اناٹمی کو اچھی طرح یاد کر لو -

مجھے اُسکی بات پر سخت غصہ آیا - لیکن مین ماتحت تھا - کیا کہتا - غصہ کو دبا کر بولا "مجھے پہلے ہی سے اچھی طرح یاد ہے -

نہین - نہین - ایک دفعہ پھر یاد کر لو!!

مین نے مجبوراً کہا - "اچھا"

مین نے سمجھا کہ اب شاید وہ چلا جائیگا - اور مجھے مریض سے ملنے اور اُسکے گانٔون کا پتہ پوچھنے کا موقع ملے گا - لیکن بجائے جانیکے وہ کرسی پر بیٹھ گیا - اور خلاف معمول میرے ساتھ ہنس ہنس کر باتین کرنے لگا - بولا "مسٹر رتن ناتھ! مجھے مبارکباد دو - مس ایڈتھ نے میری بیاہ کی درخواست کو منظور کر لیا ہے ،،

مین نے دلی جذبات کو دبا کر چہرے پر بناوٹی ملائمت پیدا کر لی اور مصنوعی جوش کے ساتھ بولا "مبارک - مبارک - دعوت کب دیجیے گا -

"جب مرضی ہو کھاؤ!!

میجر کے چہرے سے خوشی ٹپکی پڑتی تھی - لبون پر مُسکراہٹ نمایان تھی - خوشی کے مارے اُس سے کرسی پر اچھی طرح سے نہ بیٹھا جاتا تھا - اُٹھکر کمرہ مین اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا -

میری بےچینی بڑھنے لگی

سچ ہے غلامی کی زندگی بدترین زندگی ہے ، میری امیدون کا ہاتھ دامن مقصود تک ہو پہنچ چکا تھا - میری تمناؤن کی کشتی ساحل کامیابی کے قریب تھی - لیکن میری نوکری میری دشمنی پر آمادہ تھی - مین مریض سے ملنا چاہتا تھا - اُس سے خزانۂ غیب کی کُنجیان حاصل کرنا چاہتا تھا - لیکن میجر میرے آگے اپنی خوشیون کا راگ الاپ رہا تھا؟ غلامی کی زنجیر میرے پانٔون مین تھی اور اُسکا ایک سرا میجر واٹسن کے ہاتھ مین

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میجر بولا - اس کرسمس کو ہماری شادی ہو گی - دُلھن کے لیے کچھ تحفے کشمیر سے منگوا دو گے ؟ ،،

میرے ماما جی ریاست کشمیر میں بڑے بھاری سوداگر تھے۔ انھیں کی دوکان سے مین نے پہلے بھی کئی دفعہ میجر کے لیے چند چیزین منگوا دی تھین۔ مین اُسوقت دل مین پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ اب شاید وہ مریض مجھے کبھی نہ ملے گا۔ مین نے میجر کی بات سُنی تو سہی۔ لیکن کوئی جواب نہین دے سکا۔ میجر ہنسا۔ اور بولا "گھبراؤ مت۔ مفت نہین منگواتا۔ یہ لو ہزار روپے کے نوٹ اپنی پسند کے مطابق جو چیزین چاہو منگوالو۔

مین نے جواب دیا۔ نہین، نہین۔ ابھی اپنے پاس ہی رکھیے۔ جب چیزین آجائینگی۔ تب دام لے لون گا۔

اسی طرح تیس چالیس منٹ تک باتین ہوتی رہین۔ آخر میجر سے چھٹکارہ ملا لیکن اُسوقت اوٹ ڈور وارڈ بند ہو چکا تھا۔ مریض کو کہان ڈھونڈھتا۔ اگلے دن مین اوٹ ڈور وارڈ مین گیا۔ وہان کے ڈاکٹر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ مریض اُسکے پاس آیا تھا۔ اور دوا لیکر چلا گیا۔ اُسکا نام کتاب مین گاما لکھا ہوا تھا۔

اُس دن کے بعد کبھی وہ مریض ہسپتال مین نہ آیا۔ اسلیے مین نے ورکشاپ مین اُسکا پتہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ وہان گاما نام کے بیسیون آدمی تھے۔ کوئی غلام محمد کوئی غلام رسول کوئی غلام حسین کوئی غلام علی۔ سبھی گاما کہلاتے تھے۔ لیکن اُس خاص گاما کا کوئی پتہ نہین چلا۔

مجھے میجر نے تباہ کر دیا۔ میری تمام اُمیدون کو خاک مین ملا دیا۔ مگر مین اُسے کچھ نہین کہہ سکتا تھا دل ہی دل مین پیچ و تاب کھاتا رہا۔

ایک دن مجھے خیال آیا کہ شاید گاما گپ ہانک گیا ہو۔ وہ کوئی جعلساز ہو۔ اور صرف مجھے لوٹنے کے لیے کہانی گھڑلایا ہو۔ مین نے اُسی دن الماری سے کیڑون والی ڈبیا نکالی۔ کیڑون کو ڈس انفکٹ کرنے کے بعد مین نے اُنکا عرق تیار کیا۔

اُن دنون ہسپتال مین میرے ہی وارڈ مین ایک سرطان المعدہ کا مریض تھا۔ مین نے اپنا تیار کردہ عرق اُسپر آزمانا چاہا۔ اسلیے میجر سے اجازت طلب کی۔ لیکن اُسنے میرا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا۔ کیا خوب! سرطان کی دوائی تیار کرکے لائے ہو۔ اپنا آب حیات اپنے پاس ہی رکھیے مین ایک انسانی جان کو آپ کا کھلونا بنانے سے معذور ہون۔"

مجھے بیحد غصہ آیا۔ مین نے کہا۔ اگر مجھکو اتنا بھی اختیار نہین تو مین نوکری سے استعفا دیتا ہون ۔ میجر پر میری اس دھمکی کا کوئی اثر نہوا۔ وہ اُسی طرح مسکراتا رہا۔ مین ندامت اور غصہ سے باہر نکل آیا۔ عرق کی بوتل اُسکی میز پر ہی رہ گئی

(۴)

چند منٹ کے لیے مین خیالی دُنیا مین لکھ پتی بنگیا تھا پھر یک لخت مجھسے سب کچھ چھین لیا گیا۔ میرے دل کو سخت صدمہ پہونچا۔ مین اپنے آپ کو دیوانیہ سمجھنے لگا۔

ٹوٹے ہوے دل سے پرائویٹ پریکٹس شروع کردی۔ لیکن مریض بہت کم آتے تھے۔ اور نہ مجھے ہی بہت مریض دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ مین یا تو اکیلا بیٹھکر اُس نادر موقعہ کے ہاتھ سے چھن جانے پر آنسو بہایا کرتا تھا۔ اور یا وزیر آباد کے قرب وجوار مین بادیہ پیمائی۔

موچی کی نظر بازار مین چلتے ہوئے آدمیون کے جوتون کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور نائی کی چہرون پر۔ اسی طرح مین بھی جنگلون مین پھرتے وقت زمین پر رینگنے والے کیڑون کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ ایک بڑا سا چاقو ہمیشہ میری جیب مین رہتا تھا جس جگہ ذرا شک گزرتا۔ وہین چاقو سے زمین کھودکر چھپے ہوے کیڑون کو نکالتا۔ لیکن سب بیفائدہ۔ کیڑا نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔

کا مان جو کیڑے مجھے دے گیا تھا۔ اُنمین سے ایک ابھی تک میرے پاس بچا ہوا تھا۔ اُسے مین نے بیرہ دون کالج کے علم الحیوانات کے پروفیسر کے پاس بھیجدیا۔ اور پوچھا کہ یہ کیڑا کس قسم کا ہے اور کہان پایا جاتا ہے۔ جواب مین پروفیسر نے لکھا۔ اس قسم کا کیڑا آجتک میری نظر سے نہین گزرا۔ اور نہین کہا جا سکتا کہ یہ کہان پایا جاتا ہے۔

آخر قطعاً نا اُمید ہوکر مین اپنی پریکٹس مین مشغول ہوگیا۔ اب اُس واقعہ کو تقریباً مین بھول چکا تھا بلکہ پریکٹس ہی سے مجھے فرصت نہ تھی۔ اتفاقاً ایک دن مجھے ایک چٹھی ملی جسکے مضمون نے دبے ہوے غم کے مُنھ کھولدیے۔ پرانے انگور ہرے ہوگئے۔

یہ چٹھی میجر واٹسن کی تھی اُسمین لکھا تھا۔

میرے پیارے رتن ناتھ

ڈیڑھ برس کے قریب ہوا مین نے اپنے کمرہ مین جو سلوک آپ کے ساتھ کیا تھا۔ اُسپر بیحد نادم ہون

اُسوقت مجھ سے ایک نہایت ہی سخت غلطی سرزد ہوگئی تھی جسکی تلافی تقریباً ناممکن ہے ۔ مین آپ سے معافی مانگتا ہون ۔

آپ اُسوقت اپنا تیار کردہ عرق میرے ہی کمرہ مین بھول گئے تھے ۔ وہ میرے لیے آب حیات ثابت ہوا ۔ اُسنے میری زندگی کی راحت و مسرّت کو پامال ہونے سے بچا لیا ۔ میری بیوی کا ہاضمہ شروع سے خراب تھا ۔ کوئی چھ ماہ کے قریب ہوئے ۔ بدہضمی سرطان المعدہ مین تبدیل ہوگئی ۔ کوئی معالجہ کارگر نہوا آخر اُسکی زندگی سے مین بالکل نااُمید ہوگیا ۔ اچانک ایک دن مجھے آپ کے عرق کا دھیان آگیا مین نے یون ہی بیدلی کے ساتھ اُسے استعمال کرایا ۔ پہلی خوراک دیتے وقت مجھے یقین تھا کہ صحت کی اُمید خام خیالی ہے ۔ لیکن آپ کے عرق نے کمال کردیا ۔ مُردہ جسم مین جان آگئی ۔

ایسی حیرت انگیز اور زندگی بخش ایجاد پر مین آپ کو دل سے مبارکباد دیتا ہون ۔ مین سخت شرمندہ ہون ۔ کیونکہ اتنی مدت تک اِس آب حیات کو دنیا کی نظر سے دور رکھنے کا گنہگار مین ہی ہون ۔ لیکن اسمین سارا قصور میرا ہی نہ تھا ۔ آپ جانتے ہین کہ گورنمنٹ کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ کسی ہندوستانی کے ہاتھ مین کوئی ذمہ داری کا کام نہین دیا جاسکتا ۔ اُسوقت اگر مین نے آپ کو اس عرق کا تجربہ نہ کرنے دیا ۔ تو مین مجبور تھا ہسپتال کا قاعدہ ہی یہی ہے ۔

لیکن اب مین نے ایک نیا سبق حاصل کرلیا ہے کہ فہم و فراست کے تنہا ٹھیکہ دار صرف گورے ہی نہین بلکہ ہندوستانی بھی ہین ۔ مین آپ کو یقین دلانا چاہتا ہون کہ اب مین ہمیشہ ہندوستانیون کو اُنکے حقوق دلانے کی جی جان سے کوشش کرونگا ۔

خیر جو ہوگیا سو ہوگیا ۔ اب آپ کو فوراً سرطان ٹرسٹ کے سامنے ڈیڑھ لاکھ پاونڈ کے انعام کا دعویٰ پیش کرنا چاہیے ۔ مین آپ کی مدد کرنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا ۔

اس سنیچر کو پانچ بجے شام مین مسز واٹسن کے ساتھ شکریہ ادا کرنے کے لیے آپ کے دولتخانہ پر حاضر ہونگا ۔

آپ کا مخلص
واٹسن

. . . .

اور جب سنیچر کے روز میجر واٹسن اپنی بیوی کے ساتھ میرے گھر آیا ۔ مین نے اُسے گاما کی تلاش اور

ھ سال کی دوڑ دھوپ اور بادیہ پیمائی کا تمام حال سنایا۔ سنکر آپ بیحد برہم ہوے۔ سر نیچا کیے بولا مسٹر
ں ناتھ مین آپ کا گنہگار ہون۔ یہ میرا قصور ہے۔
مین نے آہ سرد بھری اور آہستگی سے جواب دیا نہین جناب آپ کا نہین۔ یہ سب میرے
ہندوستانی ہونے کا قصور ہے۔

گوپال کرشن پاس

شریر ڈاکیہ

پیاری مان! مجکو بتاؤ کہ تم دروازہ پر خاموش کیون بیٹھی ہو!
کھڑکی مین سے بارش کی بوندین آرہی ہین۔ تم بھیگ رہی ہو۔ نہ معلوم تم کیون چپ ہو،
کیا تم نہین سنتین کہ گجر چار بجا رہا ہے؟ بھائی اسکول سے آتے ہونگے!
تم اسقدر حیرت زدہ کیون معلوم ہوتی ہو۔ کیا والد ماجد کا آج خط نہین آیا!!
مین ڈاکیہ کو خط لاتے ہوے دیکھتا ہون۔ وہ گانون کے تقریباً ہر شخص کو خط دیتا ہے صرف
والد صاحب کا خط خود پڑھنے کیلیے رکھ لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکیہ بڑا شریر ہے
پیاری مان لیکن تم افسوس نہ کرو۔
کل دوسرے گانون مین بازار لگے گا۔ ملازمہ سے کہدو کہ قلم و کاغذ خرید لائے مین ابا جان
کو خود خط لکھونگا، غالباً تم کوئی غلطی نہ نکال سکوگی۔
لیکن امان!!! تم کیون مسکرا رہی ہو؟
شاید تم یقین نہ کرو کہ مین والد صاحب کی طرح بہت اچھا لکھ سکتا ہون!
مین کاغذ پر سطرین کھینچون گا۔ اور اچھے اچھے صاف الفاظ لکھون گا۔ جب مین خط
ختم کرونگا تو کیا تم خیال کرتی ہو کہ مین والد صاحب کی طرح بیوقوفی کرون گا کہ وحشی ڈاکیہ
کے تھیلے مین خط ڈال دون۔
مین خط لاؤنگا . . . اور تمکو ایک ایک لفظ پڑھکر سناؤن گا۔
ڈاکیہ اپچھے اپچھے خط تمکو کیون نہین دیتا۔

ٹیگور

(تماشائی بریلوی)

برسات

چھائین گھٹائین چرخ کہن کجلی بن ہوا | بحر سیہ مین پیل فلک غوطہ زن ہوا
صحرا بھی سبزہ زار بہ شکل چمن ہوا | پیدا دلون مین شوق شراب کہن ہوا
ہان زاہدان توبہ شکن ہوشیار ہو
ٹٹی کی آڑ مین بیٹھے کا شکار ہو

مشرق سے کالی کالی امنڈتی ہین بدلیان | پہنے ہو جیسے فوج حبش نیلی وردیان
کوثر سے بھر کے لائی ہین حورین صراحیان | ہے عزم ہند پہنے ہین زنگاری ساریان
ابر سیہ نے پردۂ نیلی کو چھا لیا
اُن ٹھنڈی گرمیون سے فلک کی بچا لیا

دل بادلون کے کیسے دھوان دھار آتے ہین | چھایا فلک پہ مارتے ہر سمت چھاتے ہین
باتین ہوا سے کرتے ہین بل کیسے کھاتے ہین | کیسے گرجتے گھومتے برسات لاتے ہین
ٹکراتے ہین پہاڑ سے لڑتے ہوا سے ہین
جھلا کے کیسا کیسا گرجتے برستے ہین

ہین مینھ کی یہ دھارین کہ سلک گہر ہین یہ | ہین بادلے کے تار کہ تار نظر ہین یہ
پانی کے بوند بھی ہین تو معجز اثر ہین یہ | آ کر زمین پہ بنتے گیاہ و شجر ہین یہ
دانے یہ بالیون مین صدف ہین گہر بنے
سامان عیش و راحت و قوت بشر بنے

پانی پڑا تو دانے اُگے برگ و گل بنے | دھو کر نکھر کے سرو و صنوبر بنے ٹھنے
بے برگ و بار شاخین وہ سوکھے جلے تنے | پھر لہلہا کے بن گئے پودھے گھنے گھنے

وہ قوتِ نمو ہے جہان مین بڑھی ہوئی
کھلنے لگی ہے کپڑے پہ بوٹی کڑھی ہوئی

توس قزح نے چرخ پہ دکھلایا وہ سمان — صف باندھین جیسے نہر مین رنگین مچھلیان
بجلی چمک کے ابر مین ہوتی ہے یون نہان — ظالم کے دل مین آکے مٹین جیسے نیکیان
بدلی چھٹی تو نجم فلک جھلملاتے ہین
تارون کی چھانون سیر کو معشوق جاتے ہین

دلکش ہے رت سہانا سمان باد خوشگوار — پھولی شفق ہے بجلی چمکتی ہے بار بار
سبزے مین جان پڑتی ہے پڑتی نہین پھوہار — پتّون پہ ہین یہ بوندین کہ لولوے آبدار
بگلے پرے جماتے ہین دریا پہ آن کر
یا کہکشان کے گرد ستارے ہین جلوہ گر

نظّارہ بخش صحن چمن مین ہے یاسمن — سنبل پہ جعدِ شاہدِ رعنا کی ہے پھبن
جوہی، چمیلی، کامنی، نسرین و نسترن — ہین گلعذار غنچہ دہن یاسمین بدن
حوران خلد کا ہے جھمکڑا چمن مین آج
پھولے نہین سماتے ہین گل پیرہن مین آج

باغون مین سیر کرتے ہین معشوق گلعذار — کمسن، حسین، غنچہ دہن، شوخ، طرحدار
جھولون پہ جھوم جھوم کے گاتے ہین وہ ملار — بیخود ہین رند حضرتِ واعظ ہین بیقرار
سب کچھ ہے پر ظہیر ہے کیا واسطہ تمھین
زنجیر پا سے کم نہین یہ زخم پا تمھین

منموہن دیال ظہیر
ڈپٹی کلکٹر



جذبات جوش

ڈرو دنیا سے بے شرمی پہ یہ مجبور کرتی ہے
خرد کے آئینے کو دوست بنکر چور کرتی ہے
اُمید دن کو نیا کرتی ہے، کہنہ جسم انسان کو
فنا کے پاس لاتی ہے، خدا سے دور کرتی ہے

زندگی کہتی ہے "غافل! مین فنا کا باب ہون
چھیڑتے ہین ساز غم جس سے مین وہ مضراب ہون
عافیت سے دور رکھتی ہون، بلاؤن سے قریب
منتشر بادل کا سایہ ہون، پریشان خواب ہون"

دل کا ایمان کے خورشید سے مشرق ہونا
قوتِ عقل کا فطرت کے موافق ہونا
راست گوئی کی ہے درصل یہ جامع تعریف
نُطق کا وضع الٰہی سے مطابق ہونا

اک دبا ہے عالم اخلاق مین اُسکا وجود
تجھ مین اک ذرہ بھی عبرت ہو تو اُس ظالم سے ڈر
اُس کمینے سے حذر کر، بھاگ اُس منحوس سے
خرچ کر ڈالے جو عزت اور بچالے مال و زر

مجھکو دیکھا ہے مصیبت مین تو اب آتے نہین
اپنے وعدون سے ستم ایجاد شرماتے نہین
جنکے دعوے تھے پسینے پر بہا دین گے لہو
خون پر میرے پسینہ بھی وہ ٹپکاتے نہین

زندگی کیا لذت عصیان کی نادان غور کر
برق اُڑ و دھائے پہ اک شکاہی جو بہ جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے لذت فنا ہو جائے گی
اور عذاب اُسکا ہمیشہ کے لیے رہجائے گا

بیوجہ نہین ہے یہ بھڑکنا دل کا　　　یون آگ کے مانند بھڑکنا دل کا
ہان زیست کا قفل توڑ دینے کے لیئے　　　ضربات مسلسل ہین دھڑکنا دل کا

غور کر نیند کی فراغت سے　　　موت کتنی بلند پایہ ہے
زندگی کیا ہے؟ دھوپ آتش ریز　　　سانس کیا ہے؟ دھوئین کا سایہ ہی

رات کی خامشی مین تیرا خیال　　　دافع غم ہے، وجہ تسکین ہے
برق سے بھی ہی بڑھ کے کچھ شفّاف　　　خواب سے بھی زیادہ شیرین ہے

جوش ملیح آبادی

جناب واقف

عشق کی دیوانگی مین بھی تو اتنا ہوش ہی　　　حال دل کہتی ہی آنکھین اور دل خاموش ہی
آج میخانے مین چشم مست ساقی کا ہی دور　　　سب کے سب بیہوش ہین پینے کا کسکو ہوش ہی
سیکھنا ہو جسکو سیکھے اس سے ضبط سوز عشق　　　شمع کے منہ مین زبان ہی اور پھر خاموش ہی
نجد مین لایا ہی اسکو قیس سے ملنے کا شوق　　　ہر بگولے سے ترا دیوانہ ہم آغوش ہی
بزم مین اٹھتی ہی آنکھ اُنکی نئے انداز سے　　　آج ساقی کی نگاہ ہو نہین کوئی مینوش ہی
میکدے مین بھی مجھے خون جگر پینا پڑا　　　ہاے بدمستی مین کسکا ہاتھ کس کا دوش ہی
ایک تم ہو جو نہین سنتے کسی عاشق کی بات　　　نغمہ زن گلشن مین بلبل گل سراپا گوش ہی
ہی عبث اب شمع تربت کا بجھانا ناز سے　　　دیکھنے والا کسی کا خاک مین روپوش ہی

طائر دل زلف کے پھندے مین واقف آگیا
صید بھی نازک ہی نازک دام نازک دوش ہی

لطفِ سخن

جناب اصغر گونڈوی

ہر جنبش نگاہ تری - جانِ آرزو
موجِ خرامِ ناز ہے ایمانِ آرزو

جلوے تمام حسن کے آکر سما گئے
اللہ رے یہ وسعتِ دامانِ آرزو

مین اک چراغ کشتہ ہون شامِ فراق کا
تو نو بہارِ صبحِ گلستانِ آرزو

اسمین وہی ہین یا مرا حسنِ خیال ہے
دیکھون اُٹھا کے پردۂ ایوانِ آرزو

اک راز ہے "تبسمِ غمناک" ہجر مین
ہے اک طلسم "گریۂ خندانِ آرزو"

اب طور پر وہ برقِ تجلی نہین رہی
تھرا رہا ہے شعلۂ عریانِ آرزو

اسکی نگاہ ناز نے چھیڑا کچھ اسطرح
ابتک تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو

اُس نو بہارِ ناز کی صورت کی ہوبہو
تصویر ایک ہے تہِ دامانِ آرزو

چاہا جہان سے منظرِ فطرت بدل دیا
ہے کُل جہان تابعِ فرمانِ آرزو

کوثر کی فوج تھی تری ہر جنبشِ خرام
شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو

جناب احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ

غنیمت تھا سرِ شوریدہ بھی وحشت کے سامان مین
خیال آیا تو رخنے کر دیے دیوارِ زندان مین

عجب وحشت برستی ہے مرے پہلوے ویرانمین
کبھی رہتا تھا شاید کوئی وحشی اس بیابان مین

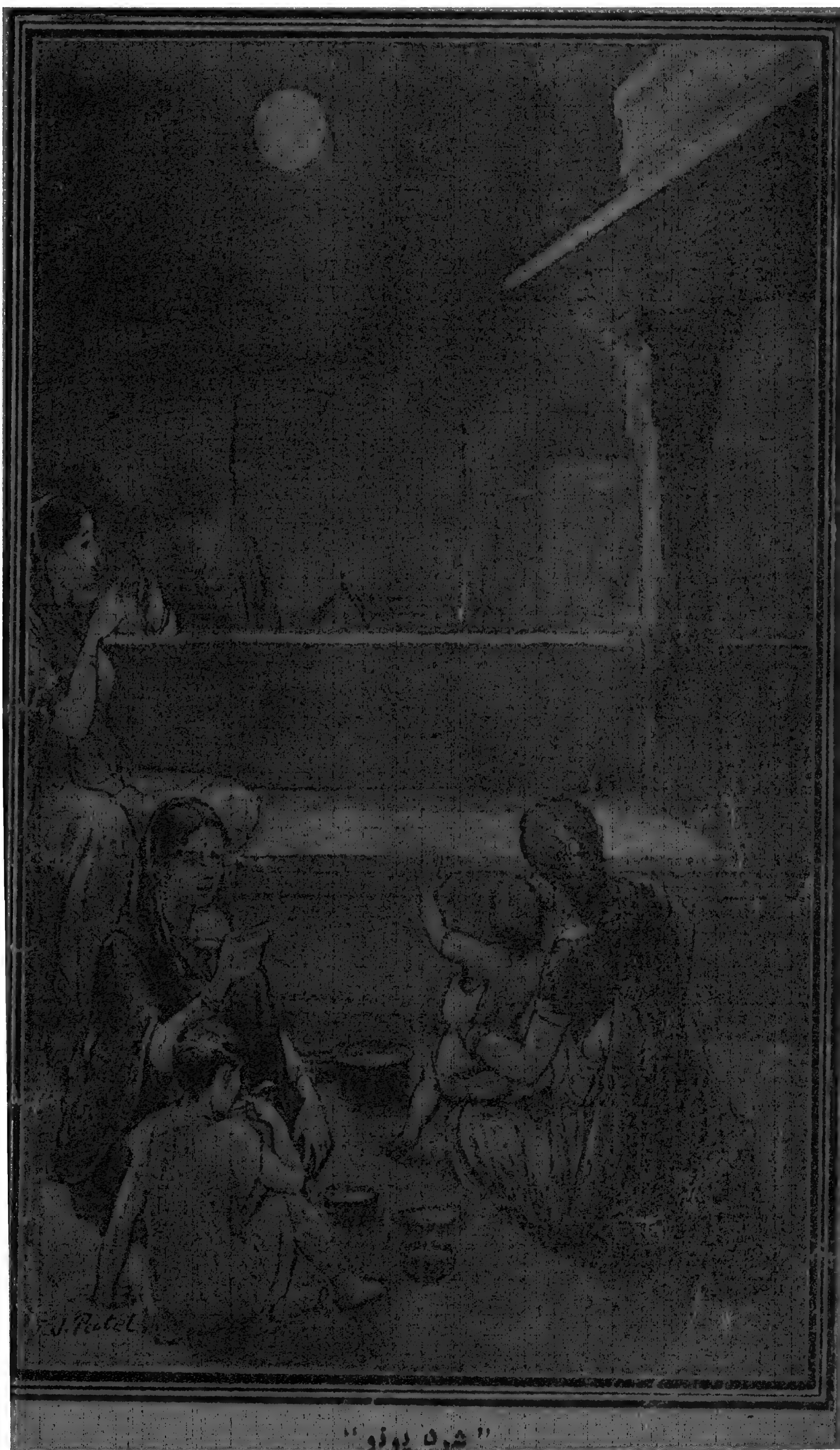
قفس مین آتے ہی از خود فراموشی ہوئی طاری
بس اتنا یاد ہے اپنا نشیمن تھا گلستان مین

لیا منھ بند اُسنے اس طرح فریادِ محشر کا
مری یاد اُنکو کیون لے آئی تھی گورِ غریبان مین

دعائین دین اجل کو جاگنے والے شبِ غم کے
کہ اب سوتے ہین کس آرام سے گورِ غریبان مین

نہ پوچھو مجھ سے رودادِ اسیری مختصر یہ ہے
اجل آئی تھی پیغامِ رہائی لے کے زندان مین

کہین اُنکو نسے اے احسن نہ پردا فاش کر دینا
چھپی بیٹھی ہے اک صورت حبابِ رازِ پنہان مین



"شرد پونو"

زمانہ

جلد ۳۹ — اگست سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۹

ہماری سوشل خامیان

گزشتہ ہولناک جنگ نہ صرف اسلیے تاریخ مین یادگار رہیگی کہ اس جنگ مین انسانی خونریزی کے عجیب ترین ذرائع استعمال کیئے گئے تھے بلکہ اصل یون ہے کہ یہ ایک تازیانہ تھا اُن اقوام کیلیے جو "محکوم" کے نام سے مشہور ہین۔ محکوم اقوام کو اس جنگ نے پورے طور سے بیدار کیا اور انھین اس بات کا احساس پیدا ہوا کہ ہمکو اپنے ہی پیرون پر کھڑا ہونا چاہیے۔

روس کا انقلاب، جرمن کی جمہوریت، پولینڈ کی آزادی ہنگری کی خود مختاری آسٹریا کی تقسیم، آئرلینڈ کی جمہوریت کا اعلان، مصر مین زغلول پاشا کی کارگزاری، عربون کی آزادی کے لیے جدوجہد، ایران کا اپنے معاہدہ کی پابندی سے انکار کرنا، افغانستان کا آمادۂ جنگ ہونا اور سفرا کا سفر یورپ کے لیے روانہ کرنا، اور سب سے آخری گو سب سے عجیب آزادی کے لئے ہندوستان کی کوشش! اگر غور کیا جائے تو اس کشمکش کی اصل کا پتہ باسانی چل سکتا ہے۔ وہ کرب و درد جو اس بےچینی کی تہ مین پنہان ہے آزادی کی دیرینہ خواہش ہے۔

"آزادی کی خواہش" ایک بہت عام لفظ ہے۔ اس سے یہ صاف طور سے نہین ظاہر ہوتا کہ ہمکو کس قسم کی آزادی چاہیئے۔ اگر عوام کے خیالات کا صحیح اندازہ مین کرسکا ہون تو میرا

جواب بالکل جمہور کی راے کے موافق ہوگا کہ ہم سیاسی آزادی کے واسطے یہ ساری جد وجہد کر رہے ہین - بہتون کو میرے اس کہنے پر تعجب ہوگا کہ اگر ہم صرف سیاسی آزادی کے واسطے سر دُھنتے ہین تو ہمین یقین کرنا چاہیے کہ وہ ابھی بہت دور ہے -

ڈیماکریسی کی مختلف طور سے تعریف کی گئی ہے - بعض کا خیال ہے کہ یہ اُس طرز حکومت کا نام ہے جسمین مدار حکومت کثرت راے پر ہو - بعضون کے نزدیک اس طرز حکومت کو ڈیماکریسی کا نام دیا جا سکتا ہے جسمین مزدوری پیشہ جماعت کے فوائد وحقوق کا خاص طور سے لحاظ کیا جاوے لیکن حقیقت مین یہ دونون تعریفین غلطی ہین اور ڈیماکریسی کے اصل مفہوم سے بہت دور ہین - اپنے وسیع ترین، عمیق ترین اور بلیغ ترین معنی مین ڈیماکریسی سوسائٹی کی ایک عام کیفیت کا نام ہے - اُسکی ابتدا نہ تو کسی ایک فرمان شاہی سے ہوسکتی ہے اور نہ جمہور کی متفقہ راے سے بلکہ اسکے اسباب بتدریج خود سوسائٹی مین پیدا ہوتے ہین - اسلیے سوسائٹی کی وہ حالت جسکو ڈیماکریسی کا نام دیا گیا ہے محض اُس طرز حکومت ہی تک نہین موقوف ہے جو "بذریعۂ جمہور" ہو بلکہ اُس حالت مین سیاسی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ اخلاقی، سوشل، معاشرتی (اقتصادی) اور روحانی ترقی بھی شامل ہین - اگر بنظر غور دیکھا جائے تو گزشتہ صدی کے اندر دنیا کی حالت مین نئے انکشافات نے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے - ڈیماکریسی، قومیت، سوشلزم، مذہب، سوسائٹی غرض ہر شعبۂ زندگی حیرت انگیز انقلابی کشش کے زیر اثر رہا ہے - سائنس نے پیداوار مین بیحد اضافہ کر دیا، باربرداری مین آسانیان پیدا کر دین، آمد و رفت کے سلسلون کو انتہائی ترقی دیدی، سونے کو پارہ کی طرح اکناف عالم مین بہا دیا، اور آباد کرۂ ارض مین ایسا زبردست تغیر پیدا کر دیا ہے کہ ایک صدی قبل یہ تغیر معجزہ خیال کیا جا سکتا تھا - لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ خواہ اس دور ترقی مین "حریت" کے خیال کو کیسی ہی تقویت دی گئی ہو اور کیسا ہی نقصان پہونچایا ہو لیکن "اخوت" کا خیال اقوام متمدنہ کے دماغ سے اتنا ہی دور رہا جتنا کہ انقلاب فرانس سے قبل تھا - دنیا مین اقتصادی انقلاب نے اقوام کے مقابلہ کو ایک دوسری صورت دیدی ہے - توپ وتفنگ، گولہ بارود، بم اور زہریلی گیس، ڈریڈناٹ اور آبدوز کشتیان تو جہوری کی چیزین ہین - تجارت کے ذریعہ سے اقوام کو محض شکست دینے کی

ترکیب نہین معلوم ہوئی ہے بلکہ یہ انکو تباہ کرنے کا ذریعہ ہے متمدن اقوام کے دوسری اقوام سے جو تعلقات ہین اُنسے قطع نظر خود انکی اندرونی حالت ناگفتہ بہ ہے۔یورپ و امریکہ مین بڑی بڑی آزاد سلطنتین قائم ہین جنکو اپنی جمہوریت پر ناز ہے لیکن وہان بھی بادی النظر مین جو ہمکو جمہور کی متفقہ راے معلوم ہوتی ہے۔ وہ دراصل کسی معشوق پس پردہ زنگاری کے چشم و ابرو کا اشارہ ہے۔ اور جسے ہم ڈیماکریسی کی نورانی اور قابل نمایش دیوی سمجھکر دوزانو ہوتے اور اپنا سر تسلیم خم کرتے ہین وہ دراصل الہ دین کے چراغ کا موکل ہے جو یورپ و امریکہ کے مہاجنون کے احکامات کا تابع ہے!

ڈیماکریسی کا نہ اپنا جسم ہے نہ اسکے ذاتی ہاتھ پیر بلکہ سارا کام بنکون کے نوٹون اور مہاجنون کی زرپاشی کا ہے! یورپ اور امریکہ کا حال بیان کرنے سے میرا منشا یہ تھا کہ یورپ اور امریکہ کی سلطنتین آزاد طرز حکومت کے عظیم ترین تجربات ہین تاہم اُنکی اندرونی حالت پر اگر غور کیا جاے تو ڈیماکریسی کے اصل مفہوم سے وہ بھی دور ہین اگر اُنکو شخصی حکومت نہین کہا جا سکتا تو چند اشخاص کی یا بالفاظ دیگر "دولت" کی حکومت کہنا چندان بیجا نہو گا۔

جب ہمارے سامنے خود یورپ کی ناکامیاب مثال موجود ہے تو ہمین اپنی جدوجہد جاری کرنے سے قبل یہ غور کر لینا چاہیے کہ ہمارا ملک ابھی کن کن باتون مین طالب اصلاح ہے اور کن باتون کے بغیر وہ حقیقی ڈیماکریسی سے بہت دور رہے گا۔

اگر یورپ مین دولت پرستی اور اصل ڈیماکریسی سے بُعد مادیت کا نتیجہ ہین تو کیا صرف روحانیت کے خیال نے ہماری ترقی کو نہین روک رکھا ہے؟ یورپ نے مادیت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے روحانیت کو ٹھکرایا، نتیجہ دولت پرستی کی صورت مین ظاہر ہوا۔ ہمنے روحانیت کو اپنا کعبہ عمل ٹھہرایا، نتیجہ مذہب پرستی، اجداد پرستی، اور قدامت پرستی ہوا۔ یورپ نے بغیر مادہ پرستی کے خیال مین اصلاح کیے ہوے اصل ڈیماکریسی کے حصول کی کوشش کی لیکن اُمین اُسے کامیابی نہوئی، اسطرح اگر ہم روحانیت پرستی کے خیال مین بلا اصلاح کیے ہوے حصول آزادی کی کوشش کرینگے تو ہماری آزادی اصل آزادی نہ ہوگی بلکہ ہماری حکومت قدامت پرستون اجداد پرستون، اور مذہب پرستون کی حکومت ہوگی پھر ظاہر ہے کہ یہ طرز حکومت حقیقی ڈیماکریسی

سے اُس سے کہین زیادہ دور ہوگا جتنا کہ موجودہ نظام حکومت دور سمجھا جاتا ہے!

ہندوستان مین تمام مذاہب انھین خامیون کا شکار ہو رہے ہین۔ ہندو، مسلمان، عیسائی سکھ بلا استثنا سب اصلاح طلب ہین۔ مثلاً مسلمانون کی چند سوشل خامیون کا ذکر خالی از دلچسپی نہوگا۔ اگر اُنسے رسم پردہ کے خلاف ایک بات کہیے تو وہ آپ کو فوراً کافر کہدینگے اگر انکو پُرانے رسم ورواج کو ترک کرنے کی ترغیب دی جائے تو وہ ان رسوم کو ہر حیثیت سے مفید اور زمانہ کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرینگے، اور اگر اُنسے مذہب مین کسی قسم کے ریفارم کے لیے کہا جائے تو اُنکا جواب یہ ہوگا کہ اسلام دنیا مین قیامت تک کے لیے آیا ہے اور اسمین کسی قسم کا تغیر گویا قانون قدرت مین تغیر پیدا کرنے کے ہم معنی ہوگا!

زیادہ عرصہ نہین گزرا کہ ایک بنگالی خاتون نے ہائی کورٹ پٹنہ مین وکالت شروع کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ اُردو اخبارات نے اس خبر کو خاص اہمیت دی چنانچہ لکھنؤ کے ایک مشہور اور بلند پایہ روزانہ اخبار نے بھی اس متوحش، خبر پر رائے زنی کی اور طنزاً کہا کہ ہمین یقین کامل ہے کہ اگر خاتون موصوفہ کو وکالت کی اجازت حاصل ہوگئی تو بہت جلد اُن کا شہرہ ہوجائے گا اور اُنکے پیشہ کو بہت ترقی ہوگی جن لوگون نے اُردو اخبارات اور خصوصاً اسلامی اخبارات کا مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتے ہونگے کہ صرف کسی ایک "بلند پایہ روزانہ اخبار" پر کیا منحصر ہے ہر ایک اخبار ہر اُس خبر کی جس سے آزادی نسوان کی جھلک بھی معلوم ہوتی ہو اس شدومد سے مخالفت کرتا ہے کہ گویا ملک کے بہبود اور اُسکے مفاد کا انحصار اس رسم پر ہے! ان اخبارات کی شکایت اسلیے چندان ضروری نہین کہ ان مین سے زیادہ تر اُن "مقدس ہستیون" کے ہاتھو مین ہین جنکو دور گزشتہ،، کا مرثیہ خوان اور موجودہ و آیندہ کا ہجو گو کہنا چاہیے اور جو اُس پُرانی تہذیب کے دور اُفتادہ ستارے ہین جو چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہی ہے۔ لیکن تعجب تو اُن بڑے بڑے تعلیمیافتہ پرستاران حریت پر آتا ہے جو سیاسی آزادی کو پیدایشی حق تصور کرتے ہین۔ انکو بھی طبقۂ نسوان کی آزادی مین ایک ایسا فتنۂ خوابیدہ نظر آتا ہے کہ جس سے نظام عالم اگر نہین تو کم ازکم نظام اسلام کے درہم برہم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اگر ہم دُنیا کے ترقی پذیر ہونے پر ایمان رکھتے ہین تو ہمین اس اُصول کو ہر شعبہ

...ندگی مین کامل تصور کرنا چاہئیے - سیاسیات مین ہم آزادی کی منزل آخری تک پہونچنے کے ...قدار ہین لیکن رسم ورواج کی غلامی کا طوق ہمین باعث فخر تمغۂ امتیاز نظر آتا ہے اور مذہب کے دقیانوسی مسائل کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انتہائی حریت تصور کی جاتی ہے -

تاریخ کے بغور مطالعہ کرنے سے ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہونچین گے کہ دنیا نے ہر شعبۂ زندگی مین ...با سیاسیات، کیا اقتصادیات، کیا مذہب اور کیا سوسائٹی - بہت ترقی کرلی ہے - اگر آج ...رسطو اور افلاطون پیدا ہون تو وہ موجودہ فلسفہ اور سیاسیات مین طفل مکتب ہونگے - ابن رشد ...ور امام غزالی جیسے ماہر فلسفۂ مذہب اگر دوبارہ عالم وجود مین لائے جاوین تو انھین کامٹ ...ینٹ، اسپنسر، اور ہکسلے کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا پڑے گا - بہتون کا خیال ہے کہ اصل ...قی اس عہد زرین مین تھی جسے ہنو دست جگ کہتے ہین اور جو مسلمانون اور عیسائیون کے ...زدیک انکے پیغمبرون کی وفات کے بعد ختم ہوگیا لیکن ذی فہم حضرات ان خیالات کی ذرا بھی ...قعت نہین کرتے - انسان نے ایک وحشی حالت سے ابتدا کی ہے اور برابر قدم آگے کو ...ھ رہا ہے ، عہد زرین، گزر نہین چکا بلکہ آیندہ آنیوالا ہے - کسی دوسری دنیا مین نہین بلکہ ...ی دنیا مین ممکن ہے کہ ہمین یا ہماری آیندہ نسلون کو عہد زرین، بہت دور نظر آئے لیکن ...ن زمانہ کی آمد پر ہمین پورا پورا ایمان رکھنا چاہیے - یہ واضح رہے کہ عہد زرین کسی فوق الفطر ...ہستی کے اشارہ "کُن" سے نہین پیدا ہوجائیگا بلکہ اسکا وجود مین لانا محض انسان کے ہاتھ ...ین ہے جتنی جلد انسان حقیقت آشنا ہوجائیگا - جتنی جلد اُسے قدامت کو شکست دینے اور ...چائی کو برتر و بلند کرنے مین کامیابی ہوگی عہد زرین بھی اُتنا ہی قریب ہوتا جائیگا - مسلمان اس بات ...فخر کرتے ہین کہ ہماری آسمانی کتاب بلا کسی تغیر کے اب تک اپنی اصلی حالت مین موجود ہے اور ...نھین اپنی کتب احادیث کی تاریخی حیثیت سے بحث نہین - مذہبی حیثیت سے جسقدر زیادہ ...ہ کتابین قابل قدر تصور کی جاتی ہین، دنیا کی ترقی کے لیے وہ ایسی ہی مضرت رسان ہین خود ...رآن شریف کے اپنی اصلی حالت مین موجود ہونے سے اُس مسلمان کے واسطے جو "گزشتہ" ...ہ موجودہ" کو منسلک کرے کوئی ایسا چور دروازہ نہین جس سے وہ مذہب کو ہاتھ مین لیکر ...ہمین ضروری تغیرات بھی پیدا کردے - جتنے قدیم مذاہب ہین - کیا ہندو مذہب کیسا

سلام اور کیا عیسائیت - انمین حال و مستقبل کو ماضی کے موافق بنانے کی انتہائی کوشش ہوتی ہے اور اُنکے نزدیک ماضی کو حال و مستقبل کے موافق بنانے کا خیال ہی ایک غلط خیال ہے، لیکن ہندو مذہب اور عیسائیت چونکہ زیادہ قدیم مذاہب ہین اسلیے انمین ایسے "چور دروازون" کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے جو ریفارمر کے واسطے ریفارم مین آسانی کا باعث ہون۔ دیانند سرسوتی، راجہ رام موہن رائے، کیشب چندر سین - ایشور چند، ودیا ساگر، اہل ہنود مین ایسے ریفارمر گزرے ہین جنھون نے واقعی ہندو مذہب کو زمانہ کے موافق بنانے کی کوشش کی ہے لیکن مسلمانون مین یا تو مرزا غلام احمد جیسے ریفارمر گزرے ہین جنھون نے "ماضی" کو واپس لانے کی کوشش مین زیادہ "کٹر" اور زمانہ سے دور مسلمان پیدا کیے ہین - یا بہاء اللہ باب کے سے ریفارمر گزرے ہین جنکو ایک سرے سے اسلام کو خیرباد کہنا پڑا ہے - اور یا سر سید کے سے جنھون نے ریفارم کی کوشش کی لیکن باوجود ان تھک کوشش کے وہ محض اسلیے ناکام رہے کہ وہ اسلام کو ہاتھ سے دیے ہوے بغیر "ماضی" کو "حال و مستقبل" کے موافق بنانے کی کوشش کرتے تھے -

ہر ایک بات مین اہل یورپ کی پیروی کرنا سراسر حماقت ہے، لیکن اُن خوبیون کو اختیار کرنے سے انکار کرنا بھی بہت بڑی غلطی ہوگی جو حقیقتاً ہمارے لیے ضروری ہین اور ہم ابتک محض اسواسطے قابل ملامت تصور کرتے رہے کہ وہ یورپ سے کچھ تعلق رکھتی ہین - یورپ کی مادیت پر اختلافات کے طومار باندھے جاتے ہین لیکن کیا ہمنے کبھی اپنی اُس روحانیت کی اصل پر غور کیا ہے جسنے ہمکو محض مراسم پرست بنا دیا ہے - جب ہم کسی دقیانوسی مذہبی مسئلہ کی بنا پر بہتر سے بہتر اصول زندگی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہین اور محض ظاہر پرستی اور مراسم پرستی کی بنا پر اُن تمام نئے انکشافات اور حیرت انگیز اختراعات کو جاہلون کے سامنے رد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہین اُسوقت ہم حقیقی روحانیت سے آتنا ہی دور ہوتے ہین جتنا بڑے سے بڑا مادہ پرست - مین ایک معمولی مثال سے اپنے مفہوم کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کرون گا - آج کل بعض حضرات نے کرتون مین بٹن استعمال کرنیکے بجاے گھنڈی تکمہ پھر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے - حالانکہ بٹن گھنڈی تکمہ کے بعد اور زیادہ مفید ایجاد ہے اور گھنڈی سے

تکمہ مین پھنس جانے سے بعض اوقات جس مصیبت کا سامنا واقع ہوتا ہے اس سے وہ حضرات بخوبی واقف ہونگے جنھون نے دوبارہ اس قدیم چیز کو اختیار کیا ہے جسوقت پہلے پہل گھنڈی تکمہ کو کسی قدیم زمانہ کے ہوشیار درزی یا اُسوقت کی مہذب سوسائٹی کے کسی فیشن ایبل رکن نے ایجاد کیا ہوگا۔ یہ کیسی مُفید اور کارآمد شے تصور کی گئی ہوگی لیکن آج وہ بٹن کے سامنے کچھ بھی وقعت نہین رکھتی۔ بالکل یہی حال پُرانے اعتقادات اور پُرانے خیالات کا ہے۔ اُس زمانے کے واسطے وہ واقعی موزون اور مناسب تھے جسوقت وہ ابتدا مین تعلیم کیے گئے تھے لیکن اتنا زمانہ بدل جانیکے بعد بھی ہم اگر انھین خیالات کو ملک کے لیے مفید تصور کرینگے تو ہم بالکل اُن لوگون کی طرح ہونگے جو بٹن ایجاد ہوجانیکے بعد بھی گھنڈی تکمہ کے استعمال پر بضد ہین۔ اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو ہمارے اجداد مین سے ہر ایک اس جمہوریت، اس آزادی اور اس ڈیماکریسی کو سمجھنے سے بالکل عاری تھا جسکے لیے آج ہمارے ملک کا بچہ بچہ سر دھنتا ہے۔ یہ وہ ترقی دادہ طرز حکومت ہے جسپر دُنیا کی ترقی کا دارومدار ہے۔ ہم اسیان عدم تعاون اسلیے سوراج لینے کے درپے ہین کہ وہ پنجاب کا ذلت آگین مارشل لا دوبارہ ملک مین دیکھنا نہین چاہتے وہ دوسری قوم کی حکومت سیاسی غلامی تصور کرتے ہین لیکن اُن قدیم خیالات کے تصادم سے کیسی کیسی ذلتین ہمسکو برداشت کرنی پڑی ہین جو کب کے خارج ازمیعاد ہوچکے ہین۔ اُن خیالات کے تصادم کی مثالون کے لیے ہمین تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت نہوگی بلکہ اُنکے خلاف آج کٹارپور، آرا وغیرہ کا ذرہ ذرہ گواہی دے گا۔ اگر پنجاب کے واقعات سیاسی غلامی کا نتیجہ تھے تو کیا کٹارپور وغیرہ کے واقعات اور موپلاؤن کا جبریہ مسلمان بنانا مذہبی غلامی کی شرمناک مثالین نہین ہین!

(۲)

اوپر مسلمانون کے قبیح مراسم کے سلسلہ مین پردہ کی رسم کا ذکر بھی آگیا ہے ممکن ہے کہ کسی وقت مین یہ رسم قوم اور ملک کی ترقی کے واسطے مفید ثابت ہوئی ہو لیکن اس سے یہ تو نہین اخذ کیا جاسکتا کہ ہر دور اور ہر زمانہ مین اسکو اسی شدومد سے جاری رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی طبیب کسی مریض کو بخار کی حالت مین ہوا مین نکلنے سے منع کرے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہونگے کہ تندرست

ہو جانیکے بعد جب مریض دوبارہ سل کے عارضہ مین بیمار ہو تو تازہ ہوا اسکے لیے بالکل زہر ہو جاتی
رسم پردہ کا بالکل یہی حال ہے۔ اس رسم کے اثرات بہت ہی مضرت رسان ہین۔ بچون کی تعلیم
پر "جاہل" ماں کا جو اثر ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ بعض حضرات "جاہل" ماں کے لفظ پر
بہت چین بر جبین ہونگے کیونکہ جاہل کا لفظ اتنے زمانہ اسکولون کے جاری ہو جانے کے بعد
بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت مین وہ لڑکیان جو ان اسکولون سے تعلیم حاصل کر کے
نکلتی ہین ایک لحاظ سے جاہل ہی رہتی ہین۔ انگریزی یا فارسی مین گفتگو کرنا سیکھ جانے سے
علم نہین آیا کرتا۔ علم عملی تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ان زنانے اسکولون کے سلسلہ مین ایک
مشہور قصہ یاد آگیا جسکے بیان کر دینے کے بعد معلوم ہوگا کہ واقعی ایسے اسکولون کی تعلیم کا
کیا حال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے لڑکے کو علم نجوم کی تعلیم کے بعد اُسکے پاس حاضر
کیا گیا۔ بادشاہ نے امتحاناً اپنی انگوٹھی جسپر ہیرا جڑا ہوا تھا مٹھی مین لے کر لڑکے سے سوال کیا
کہ میری مٹھی مین کیا شے ہے؟ لڑکے نے کاغذ پر جفر و رمل سے حساب لگا کر اور ستارون کی گردش
سے زائچہ تیار کر کے کہا کہ حضور کے دست مبارک مین کوئی مدور شے ہے، اسکے بیچ مین سوراخ
بھی ہے اور اسمین پتھر بھی ہے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کہا بیٹا! اسکا نام تو کہو شاہزادے نے
فوراً جواب دیا کہ چکی کا پاٹ! ان لڑکیون کا بھی پردہ کی تعلیم مین یہی حال ہے۔ دراصل پردہ ان
لڑکیون کو تعلیم کے اصل مفہوم سے بہت دور رکھتا ہے اور اُصول سے واقفیت کے بعد ان کو
عملی تجربہ کا کوئی موقع نہین ہاتھ آتا اسی کا نتیجہ ہے کہ اُنکی تعلیم بالکل نامکمل اور غیر مفید رہتی ہے۔

اپنی سوشل حالت پر اگر ہم غور کرین تو عورتون کے مردون سے علٰحدہ رہنے کے بہت بُرے
نتائج ہمکو معلوم ہو جائینگے۔ کہا جاتا ہے کہ اگلے زمانہ مین ایتھنس کے لوگ دن کا زیادہ حصہ مکان
سے باہر عام تفرج گاہون، تماشا گاہون، سیاسی جلسون، اور تعلیم گاہون مین گزارتے تھے اور
مغربی ممالک مین اب بھی زندگی کا زیادہ حصہ کنج قفس مین قید ہو کر نہین بلکہ ملنے جلنے اور فرصت
کے اوقات مین تفریح کرنے مین صرف ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے مخصوص لوگون سے بحث
نہین ہان عوام کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ اِدھر کام سے فرصت ہوئی، اُدھر تھکے ماندے گھر
پہونچے۔ بیوی بچون نے گھیر لیا۔ گویا ایک دوسری دنیا مین آگئے جسکا ذرا سا پر تو بھی گھر سے

باہر نہین نظر آتا۔ رضیہ نے احمد کی شرارت کی شکایت کی، احمد اور محمود کی خونریز جنگ کا واقعہ بیوی نے پان کی پیک بیچ بیچ مین تھوک کر بیان کیا۔ میان تھکے ماندے تو تھے ہی ان افکار نے اور انصاف کرنے اور سزا دینے کے اہم فرائض کے خیال نے دل کو دنیا اور زندگی دونون سے آسودہ کر دیا۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ان تمام خامیون کی بنیاد اسی مذموم رسم کو پایئے گا۔

تعلیم یافتہ مسلمان بھی رسم ورواج کی پابندیون مین ایسے جکڑے ہوے ہین کہ بہت کم ایسی اخلاقی جرارت سے کام لے سکتے ہین کہ والدین کی تجویز کردہ بیوی سے انحراف کرین یا اپنی "ذات" سے گھٹکر کسی کے یہان شادی کرلین "شرفار" کی لڑکیان بھی مسلمانون مین تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہوتی ہین لیکن اُنکے شوہر بعض اوقات نہایت اعلی تعلیم حاصل کیے ہوئے ہوتے ہین۔ ایسے میان بیوی بجائے اسکے کہ محبت اور اتحاد کا نمونہ ہون ایسی دو چیزون کا مجموعہ ہوتے ہین جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہین۔ ایسی صورت مین بعض بیوقوف شوہر بیوی کو تعلیم کرنے کی ناکام کوشش مین سر کے بل گرتے ہین، عقلمند شوہر عموماً بیوی سے کوئی تعلق نہین رکھتے اور بیوی شوہر کی نظر مین بی مغلانی سے کچھ بھی زیادہ وقعت نہین رکھتی شاہی زمانہ مین محلات شاہی مین امور خانہ داری کی انجام دہی "بی مغلانی" کے سر ہوا کرتی تھی موجودہ تعلیمیافتہ گروہ کی بیویان عموماً مغلانیون سے زیادہ وقعت نہین رکھتین۔ اور اگر اس زبردستی کے اتحاد کا نتیجہ کسی اولاد کی صورت مین ظاہر ہوگیا تو وہ لڑکا بھی دو ملاؤن کے درمیان کی مرغی ہوتا ہے۔ شوہر اسکو اپنے رنگ مین رنگنا چاہتے ہین اور بیوی اپنی راہ چلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اول عمر مین لڑکے پر بیوی کے زیادہ اثر کو شوہر یہ سمجھکر ٹال دیتے ہین کہ جب لڑکا بڑا ہوگا مان سے علحدہ کر دیا جائیگا۔ لیکن مان کا اثر بچے پر کافی ہوچکتا ہے جب باپ کی آنکھین کھلتی ہین۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ نظام تعلیم بہت زیادہ خامیون سے پر ہے لیکن ہماری اور ہماری آیندہ نسل کی دھوری تعلیم کا ذمہ دار یہ اجتماع ضدین بھی بہت کچھ ہے۔

رسم پردہ کو اگر سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اس جنگ نے ہمین ایک اور سبق بھی دیا ہے۔ گزشتہ جنگ مین ایسا کوئی شعبہ نہین رہ گیا جسمین مستورات نے کام نہ کیا ہو

اور اپنے فرائض بخوبی نہ انجام دیے ہوں صلیب احمر میں کام کرکے اُنھوں نے کتنے ہی زخمی سپاہیوں کی جان بچائی۔ زخمیوں کو مُردوں کے ڈھیر میں سے لانے اور اُنکی ہمدردانہ تیمارداری کرنے میں اُنھوں نے اپنی مثال قائم کردی ہے۔ سامان جنگ کے کارخانوں میں انھوں نے مردانہ وار کام کیا، جاسوسی اُنھوں نے کی، ہوائی جہاز اُنھوں نے چلائے، وزیر اعظم انگلستان کی پرائیویٹ سکرٹری ایک انگریزی خاتون تھی۔ غرضکہ اُنھوں نے تمام کاموں کو انجام دیکر دنیا کو یہ ثابت کردکھایا کہ جو لوگ عورتوں کی ناقابلیت کے مدعی ہیں وہ سراسر خلاف عقل بات کہتے ہیں۔ اب اگر آج انگلستان میں اس قبیح رسم کا رواج ہوتا تو کیا انگلستان کی فتح کی اُمید ہوسکتی تھی؟

ایک عجیب اور شرمناک حرکت ان مخالفین آزادی نسواں سے ہمیشہ سرزد ہوتی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ہر وہ عورت جو تعلیم یافتہ ہے اور جو پردہ کی رسم کی پابندی نہیں کرتی با عصمت نہیں اور جب کبھی کوئی اڈیٹر صاحب اس قسم کی خواتین کی "بے حجابی" وغیرہ کی مذمت کرتے ہیں تو بہت سے الفاظ اُنکے منھ سے ایسے نکل جایا کرتے ہیں جو کسی مہذب اور شائستہ شخص کو ہرگز نہ کہنا چاہیے۔ ان حضرات سے اگر چالیس برس قبل کے پردہ اور موجودہ پردہ کا موازنہ کرائیے تو وہ تغیر بجانب "بے پردگی" کو افسوس کے ساتھ تسلیم کرینگے اور اگر آیندہ کا ذکر کیجیے تو انھیں اس امر کے تسلیم کرنے میں بھی زیادہ پس و پیش نہوگا کہ پردہ کی ناؤ زیادہ چلتی نظر نہیں آتی اور بہت جلد ہندوستان کے مسلمان اس "پاک" رسم کو خیرباد کہنے والے ہیں۔ اگر بنظر غور ان مخالفین آزادی نسواں کے خیالات کا تجزیہ کیا جائے تو اُنکے خیالات ہرگز کسی اُصول کے پابند نظر نہیں آئینگے کتنے ہی مسلمان اخباروں میں مسز بیسنٹ اور مسز سروجنی نیڈو کی ذات پر در پردہ اور کھلم کھلا حملے ہوچکے ہیں، بیگم حسرت موہانی کے سوشل کانفرنس کے پلیٹ فارم پر نمودار ہونے پر کون اخبار خون کے آنسو نہیں رویا، اور مسز محمد علی و شوکت علی کا اپنی ماں کے ساتھ تصویر کھچوانا اور اُس تصویر کا سر بازار فروخت ہونا مسلمان اخباری دنیا میں کیسی دھواں دھار صدائے احتجاج کا باعث ہوا ہے لیکن دوسری جانب یہی اخبارات دلی مسرت اور انتہائی خوشی کے ساتھ ترکی خواتین خالدہ خانم وغیرہ کے کارناموں کو کیسے زرین الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ اُنکی وزارت داخلہ پر مامور ہونے پر کس اخبار نے خوشی کے ترانے نہیں گائے اور اُنکا میدان جنگ کو تشریف لے جانا

ہندوستان کے مسلمانون کے لیے بالتخصیص کیسی مسرت کا سبب ہوا ہے

اب غور طلب امر یہ ہے کہ کیا سبب ہے کہ گو یہ لوگ اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ آیندہ ان تمام پابندیون کا جنازہ اٹھ جانے والا ہے؟ لیکن پھر بھی وہ ایمان نہین لاتے ۔ اسکا اصل سبب وہی قدامت پرستی ہے ۔ ہزارون برس سے ہم لکیر کے فقیر چلے آرہے ہین اور ہماری زیادہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم دوبارہ اس عہد زرین کو واپس بلالین جو ہزارون سال ہوے گزر چکا ہے ۔ اکثر مسلمان علما و مذہب مسلمانون کی موجودہ پستی اور غربت کا سبب " اسلام سے بُعد " قرار دیتے ہین وہ یقین کامل کے ساتھ کہتے ہین کہ اگر قرون اولی کا اسلام واپس آجائے تو اسلام غربت و افلاس پستی و تنزل کے قعر مذلت سے آج نکل جائے لیکن ان علمار کی طفلانہ آرزو کا اس سے زیادہ کیا جواب دیا جاسکتا ہے کہ زمانہ بدل چکا ، اُس اسلام اور ویسے مسلمانون کا واپس آنا خواب ہی اور اگر وہ زمانہ ابھی آجائے تو مسلمانون کے اصل کرب و بیچینی کا علاج نہوگا ۔ کیونکہ مسلمان اسلیے پست نہین ہین کہ وہ قرون اولی کے مسلمانون کے سے نہین ہین بلکہ انکی پستی انکے تنزل اور انکے غربت و افلاس کا سبب یہ ہے کہ وہ زمانہ سے بہت پیچھے ہین ۔

جو لوگ پردے کے حامی ہین (اپنے نزدیک) بہت بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہین کہ اس سے بدچلنی اور اوباشی کا دروازہ بند ہوتا ہے ۔ لیکن ان حضرات سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شہرون مین برقعہ پوش عورتین کیلیے بدنام ہین ؟ " خانگی " کا لفظ کس اصطلاح مین استعمال ہوتا ہے ؟ اور کیا رسم پردہ ہی انکی ذمہ دار نہین جسکے واسطے خطۂ روہیلکھنڈ اسقدر بدنام ہے ؟ اب بتلایئے جس مرض کے دور کرنے کی فکر پردے سے کی گئی وہ مرض اب بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی خواتین کو پردہ مین رکھنا گویا دوسرے الفاظ مین انکی عفت و آبی پر حرف لانا ہے ۔ اگر غور کیا جائے تو یہ تمام دلائل جو مخالفین آزادی نسوان پیش کرتے ہین سطحی ہین گو وہ خود اپنے آپ کو آزادون کا آزاد تصور کرتے ہین لیکن اصل یون ہے کہ وہ قدامت پرستی کے بدترین غلام ہین ۔

―――― (۴۳) ――――

قدامت پرستی اسطرح ہمارے تمدن کا جزو ہوگئی ہے کہ ہر نئی بات کی ابتدا کرنیوالا کافر ٹھہرا

کرتا ہے۔ ریل، تار، ہوائی جہاز، ٹکٹ ڈاک وغیرہ کون ایسی شے تھی جسکے خلاف مذہبی کتب کے حوالہ سے اُن علماء مذہب نے کفر کا فتویٰ نہ دیا ہو جنکی معلومات گولر کے بھنگون سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ ہمارے صوبہ کے ایک نوجوان گریجویٹ کی ایک مشہور اور قابل قدر تصنیف کے خلاف بہت سے اسلامی اخبارات مین صدائے احتجاج بلند ہوئی اور جاہلانہ غضبناکی کے عالم مین ایک اخبار نے لکھا تھا کہ مصنف موصوف نے کئی کروربار اس ایک کتاب مین کفر بکا ہے ،، جسکے صفحات کی تعداد بمشکل تین سو ہوگی! لیکن یہ دیکھکر گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ ایسے رجعت پسند علماء کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے اور جو باقی بھی ہین وہ "دیروزگان" ہین ہین۔

نئی معلومات اور نئے خیالات نے بہت سے پرانے خیالات کی جگہ نئے خیالات کو دیدی ہے۔ مملکت جذبات بھی اس زمانہ کی تغیر پزیری سے نہ بچ سکی۔ بہادری یا شجاعت یا جرأت کو لے لیجیے۔ اگلے زمانہ مین یہ الفاظ جنگ وجدل یا اپنے سے قوی دشمن سے بلا اپنی زندگی کے خوف کے لڑجانیکے واسطے استعمال ہوتے تھے۔ لیکن توپ، بندوق، بم کے گولے زہریلی گیس، تارپیڈو کشتی وغیرہ کی ایجاد نے فنون حرب کی لغت سے ان الفاظ کو نکال دیا ہی اور اب بلا زندگی کا خوف کیے ہوے محض دفعتاً اعصاب مین غصہ کے سبب ہیجان پیدا ہو جانیکے وجہ سے اپنے سے قوی دشمن سے لڑجانا حماقت کی علامت تصور کی جاتی ہے۔ بہادری شجاعت، اور جرأت وغیرہ کو اب دوسرے ہی خیالات کے اظہار کے لیے اختیار کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ اب قدیم خیالات کو ترک کرنا جو عرصہ ہوا ٹکسال باہر ہو چکے اور نئے خیالات پر ایمان لانا جو عرصہ سے سکۂ رائج الوقت ہین یہی بہت بڑی بہادری ہے۔ راجہ رام موہن رائے نے ہندو دھرم کی پردہ دری کی اور شراب کہنہ کو قدح نو مین بھر کر پیش کیا، انھون نے بہت بڑی بہادری سے کام لیا۔ اب قدیم خیالات کو محض حق پرستی اور صداقت کی خاطر ترک کرنا جرأت ہے اور اُن خیالات کا بلا خوف اظہار شجاعت!

مسلمانون اور ہندوون مین بہت کثیر تعداد ایسے تعلیم یافتہ حضرات کی موجود ہے جو ان قدیم خیالات سے بیزار ہین، جو دل مین ضرور خیال کرتے ہین کہ ہمارا تمدن اپنی عمر طبعی سے گزر چکا، جو اپنے ہم خیال لوگون کے گردہ مین "قدیم"، پر قہقہہ زن ہوتے مین، اور خود انھین مین بیٹھکر اُن کی

بعض بالکل پرانی حرکات، کو خندۂ زیر لب سے ٹال دیتے ہین، لیکن اُن مین اتنی اخلاقی جرأت نہین کہ اپنے خیالات کا کھلم کھلا اظہار کرین۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ جو لوگ باین ہمہ دعویٰ روشنخیالی، قدیم خیالات کی مخالفت کی جرأت نہین رکھتے معلوم ہوتا ہے کہ جدید خیالات کی بنیاد مستحکم نہین ورنہ اُصولاً انکو اظہار حق سے ذرا بھی باک نہونا چاہیے۔ لیکن سکی ذمہ داری بھی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے سر عاید ہوتی ہے۔ ہمکو ہزارون سال سے کس بات کی تعلیم دیجاتی رہی ہے؟ کیا کسے یہ کہا گیا کہ جیسے جیسے زمانہ بدلتا جائے اور جدید انکشافات اور علمی ترقی کے ساتھ خیالات مین تغیر پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی جائے۔ ویسے ویسے تم بھی اپنے خیالات بدلتے جاؤ اور ہمیشہ حق و صداقت پر ایمان رکھو۔ اگر کاش ہمین ایسی تعلیم دی گئی ہوتی تو آج دنیا کی تاریخ کچھ کی کچھ ہوتی۔ اور بہت سے تاریک ابواب کے بجائے جو خون کی تحریر سے لکھے جا چکے ہین حروف زرین اور اوراق نورانی مین لکھے ہوئے ہوتے۔ ہم ایک عرصہ سے تکوین* عالم کے بجائے تخلیق عالم کے قائل ہوتے، ڈارون کی تعلیم پر اگر ہم سر تسلیم نہ بھی خم کرتے تو بلا تعصب اُسکی خوبیون کو اخذ کر لینے مین ہمین ذرا بھی شرم نہ معلوم ہوتی، نئے علما سائنس کے خیالات ہماری آیندہ نسلون کی رہنمائی کرتے، اور آزادی نسوان کی تعلیم کب کی ہم ان کی تصانیف سے حاصل کر چکے ہوتے۔ پرانی مذہبی کتب ہمارے لیے عزت کا باعث ہوتین اور ہم فخر سے کہتے کہ انھین نے ہمین حق و صداقت کی پیروی کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اُسوقت ہمارا یہ کہنا ایک لحاظ سے بجا ہوتا کہ ہمارا مذہب قیامت تک کے لیے آیا ہے!

اس غلطی کا سبب ایک معلوم ہوتا ہے۔ کسی مذہبی رہنما کے پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ جب سوسائٹی مین ایسی تمدنی خامیان پیدا ہو جاتی ہین کہ وہ زمانہ کے موافق نہین رہتی تو "قدیم" و "جدید" مین ایک خوفناک جنگ ہوتی ہے، "جدید" کو فتح ہوتی ہے، اُسوقت اسی

---

* تکوین عالم اس مذہبی خیال کی طرف اشارہ ہے کہ محض "کن" کہنے سے چھ دن کے عرصہ مین تمام دنیا عالم ایجاد مین آگئی اور تخلیق عالم سے مراد وہ نیا خیال ہے کہ دنیا نے بتدریج کرورون سال کی مدت مین موجودہ حالت تیار کی ہے۔

سوسائٹی مین ایک شخص جو زیادہ پیش بین، زیادہ سمجھدار ہوتا ہے جدید خیالات کی تعل
کردیتا ہے - قدیم مذاہب کی ابتدا کی جانب اگر غور کیا جائے تو یہ خیال بالکل صحیح ثابت
ان قدیم رہنماؤن نے اپنی معلومات کے موافق یہ سمجھا کہ ہمارے خیالات بہت ہی ترقی
خیالات ہین اور انمین کسی قسم کا تغیر نہین ہوسکتا۔ انکے اس خیال کے کہ انکی تلقین ناقا
ہے دو سبب قرار دیے جاسکتے ہین اول یہ کہ انکو اس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ مبادا کو
پھر "قدیم" کی تعلیم کو آمادہ ہو جائے اسلیے اسطرح تعلیم "قدیم" کے اندیشہ کا سدباب کردیا
یہ کہ اول تو وہ تاریخ سے بالکل نابلد تھے چہ جائیکہ اُس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا دوسر
فلسفیانہ مطالعہ اُسوقت کہان سے ممکن تھا کہ وہ دنیا کی ترقی پر ایمان لاکر یہ قیاس بھی کر
ہمارے خیالات کو بھی ایک دن گھن لگنے والا ہے - وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کہ رہے ہ
جدید ترین خیالات ہین اُنسے زیادہ ترقی یافتہ خیالات اُنکے قیاس سے باہر تھے - ان
دو اسباب کو اُن رہنمایان مذاہب کے پیروون نے یا تو خود بھی نہین سمجھا یا اُسے اپنے خیا
ضرورت سے زیادہ طرفداری کے سبب پس پشت ڈال دیا اور ہر مذہب کے پیرو د
کہنا شروع کیا کہ ہمارا مذہب ہمیشہ کے لیے آیا ہے -

اس ہمیشگی کے دعوی نے مذہب کو زمانہ کے موافق نہ رکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اب مذا
مراسم کا مجموعہ ہین جنکے فوائد کی جانب غور کرنا ایک فعل عبث ہے - ایک نہایت ہی پر
سے مین اس مراسم پرستی کے مرض کو بیان کرنے کی کوشش کرونگا - عرب مین تبلیغ
کے وقت قمری ماہ سے سال کا شمار ہوا کرتا تھا - رسول اللہ صلعم اور اُنکے بعد حضرت
نے بلاکسی تغیر کے قدیم رسم کو جاری رکھا لیکن شاید حضرت عمر کو فتوحات کی کثرت اور اس
کے بڑھ جانے کے سبب سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قمری ماہ کے شمار کے
عام اور فوری اصول قرار دیدیے جائین - مثلاً دو مسلمانون کی شہادت وغیرہ ابتک
انھین اصول کے نہایت سختی سے پابند ہین حالانکہ موجودہ زمانہ کے ریاضی دان نہا
لگاکر رویت ہلال کی صحیح تاریخ بتلاسکتے ہین - اس پُرلطف مسئلہ کا قضیہ ہرسال پیش
لکھنؤ مین مولوی نظام الدین حسن صاحب جو عربی فارسی کے بہت بڑے عالم اور سا

کے ماہر ہین ہر سال اخبار ہمدم مین یہ شایع کرا دیتے ہین کہ عید کا چاند فلان دن نکلے گا لیکن علماء فرنگی محل اسکے تسلیم کرنے کو کسی طرح آمادہ نہین ہوتے۔ وہ یا تو دو مسلمانون کی عینی شہادت پر رویت ہلال تسلیم کرین گے یا خود دیکھکر! یہ محض قدامت پرستی نہین تو اور کیا ہے۔

ایک اس سے بھی زیادہ دلچسپ مثال ہے۔ چونکہ زمین مغرب سے مشرق کو اپنے محور پر گھومتی ہے اسلیے آفتاب جاپان وغیرہ مین ہندوستان سے پہلے طلوع ہوتا ہے اور افریقہ و یورپ وغیرہ مین ہندوستان مین طلوع ہونیکے بعد۔ کلکتہ کو اگر لیجیے تو کلکتہ سے مشرق کی جانب ایک ڈگری پر چند منٹ قبل آفتاب طلوع ہوگا اور کلکتہ سے مغرب کو چند منٹ بعد۔ اسطرح ساری دنیا کا سفر کرنیوالے کے لیے اگر وہ مغرب کی جانب سفر کرتا ہے ایک دن شمار سے زیادہ ہوئیگا اور اگر مغرب کی جانب تو ایک دن کم۔ اس گڑبڑ کو رفع کرنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر کر لیا گیا ہے کہ ۱۸۰ ڈگری پر جب جہاز پہونچتے ہین تو اگر وہ مشرق سے مغرب کو جا رہے ہین تو ایک دن ہفتہ مین کم کر لیتے ہین اور اگر مغرب سے مشرق کو تو ایک دن زیادہ!

لیکن دن کا کم زیادہ کرنا کسی اسلامی قاعدہ یا اصول کی بنا پر نہین ہوتا نہ کسی عالم سے اجازت بلکہ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسطرح سفر کرے تو اسکا کیا طرز عمل رہنا چاہیے سی مسلمان کی شہادت کے موجود نہونے سے اُسے اسکو تسلیم نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ یہ نہین تا تو اگر وہ مغرب سے مشرق کی جانب سفر کرتا ہے اور جاپان مین جمعہ کی شام کو اُترتا ہے تو اُسے لا دن بھی جاپان والے جمعہ ہی بتلائینگے!

یہ مثالین ہماری قدامت پرستی کی ہین۔ لیکن یہ محض سرسری مثالین ہین۔ اگر غور کیا جائے اسلام اور موجودہ زمانہ مین بکثرت نہایت اہم مسائل مین اختلاف ہوگا۔ ایسی صورت مین جو دو ... سے خلاف ہونا خود قدامت پرست بنانا ہے۔

(۴)

ایک امر اور قابل ذکر ہے جسکی جانب ابھی تک بہت کم مسلمانون نے توجہ کی ہے۔ وہ مسلمان ن کی ابتدائی تعلیم ہے۔ ابتدا مین مسلمان بچون کی عمر کے تین یا چار سال محض قرآن کی تعلیم صرف ہوتے ہین۔ مین نے لفظ تعلیم اقتباسی اختیار کر ... اسواسطے لکھا کہ حقیقتاً یہ تعلیم نہین

کہی جا سکتی۔ محض قرآن کے متن کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرنا جو ہندوستانی بچون کے واسطے ایک امر عظیم ہے یہ قرآن کی تعلیم" ہے اگر ذرا بھی اس تعلیم کی جانب تعصب اور قدامت کی عینک اُتار کر توجہ کی جائے تو اس کی خامیان پورے طور سے ظاہر ہو جائینگی۔ محض قرآن کی تعلیم" سے بلا واسطہ یا بالواسطہ میرے خیال مین کسی قسم کا فائدہ حاصل نہین ہو سکتا۔ نہ تو اس سے خود مذہب سے کسی قسم کی واقفیت ہوتی ہے اور نہ بچہ کی آیندہ زندگی مین اس سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ بچے کا ذہن "کیون؟" "اور کیا" کا گنجینہ ہوتا ہے وہ کسی گہرے فلسفی کی طرح ہر شے کے اسباب پوچھنے کا شائق ہوتا ہے "ستارے کیا ہین؟ چاند کیا ہے" یہ بچون کے مشہور اور عام سوال ہین۔ لیکن نہ تو بغدادی قاعدہ اور نہ سورۂ فاتحہ اُنکے ان سوالات کا جواب دیتا ہے بہترین تعلیم وہ ہے جو بچے کے سوالات کا تشفی بخش جواب دے۔ اسطرح اس کا ذہن جلا پاتا ہے اور خود اسمین اسباب و معانی پر غور کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے، حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ معلومات مین اضافہ ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے ابتدا مین بچہ کو جب قرآن کی تعلیم پر بٹھا دیا جاتا ہے تو اسکا "کیون" "اور کیا"، کا خزانہ ایک مقفل صندوق کی مثل ہو جاتا ہے۔ اسکے دماغ کے جذبات کا مادہ فوت ہو جاتا ہے اور وہ محض ایک ایسی مشین ہو کر رہ جاتا ہے جو گراموفون کی طرح چند الفاظ کو اپنے مُنھ سے ادا کرتی ہو۔ ماہرین تعلیم کا متفقہ خیال ہے کہ بچون سے ایسا کام لینا جس مین انکا ذہن کسی قسم کا کام نہ کرے اُنکے قواے ذہنی کو پژمردہ اور مضمحل اور بعض حالتون مین بالکل فوت کر دیتا ہے۔

ایک بڑا نقص اس تعلیم" سے اور پیدا ہوتا ہے، جسکی جانب توجہ ضروری ہے۔ بچون مین ابتدا ہی سے اشیاء کے اسباب پر غور کرنے کا خیال جاتا رہتا ہے۔ انکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا مین کچھ ایسی چیزین بھی ہین جنکو ہم نہ سمجھ سکتے ہین اور نہ انکی بابتہ کسی قسم کا سوال ہی کر سکتے ہین پھر بھی اُنکی انتہائی عزت کرنا ہوتی ہے۔ اُنکی جانب پشت کرنا اسکو بلا بوسہ دیے ہوئے کھولنا۔ اسمین پیر لگ جانا۔ یا اُسے ایسی جگہ لیکر بیٹھنا کہ کچھ لوگ قریب ہی بلند جگہ پر بیٹھے ہون، یہ ایسی باتین ہین جنکے کرنے سے شاید زندگی مین پہلی بار گناہ اور دوزخ کا خیال اُسے دلایا جاتا ہے۔ دو جذبات اُسکے دل مین قرآن کی جانب سے پیدا ہوتے ہین۔ اول تو اسکی عظمت کا جذبہ کہ گویہ ہماری سمجھ

سے باہر ہے لیکن پھر بھی قابل عزت ہے دوم یہ کہ اگر ہمنے کسی طرح کی بے حرمتی اسکی جانب کی تو ہمین
اسکی سزا دی جائیگی ایک قسم کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ ان دو جذبات کا کسی ایسی شے کی جانب
پیدا ہونا جو انکی سمجھ سے باہر ہے اُنکے ضمیر کی آزادی کو فوت کرنے کا پہلا باب ہے۔
مین نے جاہل" مان کے ذکر کے ساتھ یہ بھی دکھلانے کی کوشش کی تھی کہ بچہ جبتک کہ "شاخ نوبرید"
ہے مان ہی کے زیر اثر رہتا ہے اس عرصہ مین مان اسکو توڑ مروڑ کر اپنا ہی بنا لیتی ہے۔ خدا کا خیال
باپ بچے کے دل مین نہین پیدا کرتا بلکہ اُسکے وجود کی تعلیم مان کی جانب سے ہوتی ہے۔ وہ خدا
کو "اللہ میان" کہتی ہے اور اسکی عظمت اُسکے اختیارات کی تعلیم بھی اسکی جانب سے ہوتی ہے
توبہ" کی تعلیم کی ذمہ داری بھی مان ہے۔ غرض ایسی باتین سکھائی جاتی ہین جو بچے کی عقل سے بالاتر ہین
توبہ کی ابتدائے عمر ہی مین تعلیم صرف ضمیر کی آزادی ہی کو نہین فوت کر دیتی بلکہ اواخر عمر مین ایسی
باتون پر اعتقاد بہت ہی زیادہ بڑھ جاتا ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہین جتنی عمر بڑھتی جاتی ہے وظائف
اور اوراد اور دعاؤن اور تعویذون پر لوگون کا اعتقاد بڑھ جاتا ہے حتی کہ صبح کا وظیفہ اور اُسکے
بعد کی توبہ استغفار یوم گزشتہ کے گناہون کو معاف کرا دینے کا وسیلہ خیال کیا جانے لگتا ہے
اس خیال کے ساتھ ہی ساتھ گناہون مین اضافہ ہونا لازمی بات ہے اور باب توبہ کے وا ہونے پر
پورا اعتماد اُن گناہون کی جانب سے بیفکر کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو صبح کے
وظیفہ ہی کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ زبان سے تو چند عربی الفاظ ادا ہوتے ہین جنکے مطالب سے
"وظیفہ" بالکل بے بہرہ ہوتا ہے لیکن دماغ اُن تمام تدابیر کے نقشون کو مکمل کرنے مین مشغول ہوتا
ہے جو دروغبافی، رشوت ستانی، ظلم، جبر، وغیرہ کو کام مین لا کر انجام دی جانیوالی ہین۔
ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ مذکورہ بالا لوگ صرف بچپن کی خراب تعلیم ہی کا نتیجہ ہون۔ اور بھی اسباب
ہین جو بچپن کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ اُن کو ایسا بنا دیتے ہین لیکن اسکے تسلیم کرنے سے کسی کو انکار
نہین ہو سکتا کہ کسی ایسی شے مین اعتقاد بچپن ہی کی "تعلیم" کا نتیجہ رہتا اور خاص کر ان ملکون
لیکن جو دنیا کے ہر ایک کام کو انجام دینے کا اثر رکھتی ہے۔ اور یہی
فوت کرنے کی ابتدا کرتی ہے۔ وسائل کی عدم موجودگی۔
ان اعتراضات پر اگر بلا تعصب اور ٹھنڈے ہونا۔

بات کا پتہ چلے گا کہ ہماری پستی کا اصل سبب یہ نہین ہے کہ ہم قرون اولی کے مسلمانوں سے بہت دور ہین بلکہ یہ ہے کہ اقوام موجودہ کی رفتار ترقی کو ابھی تک حقیقی تعلیم کی کمی کے سبب سے ہمنے نہین پایا ہے - ہم اسلیے قعر مذلت مین نہین گرے ہوے ہین کہ ہم ماضی کو پس پشت ڈالے ہوے ہین بلکہ اسلیے کہ ہمنے حال و مستقبل کو اپنی ترقی کے لیے ابتک ضروری نہین سمجھا ہے

مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس نے موپلاؤن کے مظالم کی صاف الفاظ مین مذمت نہین کی - کیا یہ امید ہو سکتی ہے کہ اتنے تعلیم یافتہ ایسے غیر جانبدار اور ہندو مسلمانون کے اتحاد کے حامی ارکان قوم نے عمداً ایسا فعل کیا - اصل سبب یہ ہے کہ وہ خود مجبور ہین وہ خود کو اب بھی راہ راست پر سمجھتے ہین اور مذہبی قدامت پرستی کے سبب سے انکی مذمت کرنا ان لیڈران کے لیے غیر ممکن ہو گیا ہے -

"یازا"

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھکو — مآل حسن کی کیا مل گئی خبر تجھکو؟
متاعِ نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھکو! — ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھکو!
زمین سے دور دیا آسمان نے گھر تجھکو — مثال ماہ اُڑھائی قبائے زر تجھکو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے — جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
ستارونکی اک ولادتِ مہر — فنا کی نیند مے زندگی کی مستی ہے
رینش گل — عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

محال ہے قدرت کے کارخانے مین
زمانے مین

یورپ کی پائمالی اور حال موجودہ کا نقشہ

یورپ مین قرضہ کا بار اتنا گران ہوگیا ہے کہ کسی طریقہ سے یورپین ممالک کیلیے اسکا ادا کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے ۔ ٹیکس کی زیادتی بھی اس بارگران سے سبکدوش نہین کرسکتی ۔ نرخ چڑھتا ہے اور مزدوری بھی اُسی کے ساتھ بڑھتی ہے ۔ ان دونون وجوہات کے ہوتے ہوئے صنعت و حرفت کا کام رُک رُک کر چلتا ہے کیونکہ جتنا نرخ زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی بکری کم ہوتی ہے جب بکری کم ہوتی ہے تو پیداوار مین کمی لازمی ہے اور جب پیداوار مین کمی ہوتی ہے تو مزدوری پیشہ جماعت کا کام کم ہوجاتا ہے ۔ انمین بیکاری پھیلتی ہے اور بیکاری کے ساتھ موجودہ نظام سے بدظنی اور بے چینی ۔

ان حالات مین یورپ کے مدبرین سر کھجلاتے ہین اور سوچتے ہین کہ کیا تدابیر اختیار کیے جاوین کہ جسسے بندھا بندھایا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور بہبودی کی صورت نکل آئے ۔ بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری کانفرنسین منعقد ہوچکی ہین ۔ موجودہ حالات کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔ وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ تاریک اور دردناک ہے ۔ یورپ مین خاص خاص مشکلات جو درپیش ہین حسب تفصیل ذیل ہین ۔

۱ ۔ نرخ کی بیحد گرانی ۔

۲ ۔ سونے کے مقابلہ مین سکون کی قیمت مین قلت ۔

۳ ۔ شرح ایکسچنج یعنی "تبادلہ اشیا مابین ممالک" کا ایک سطح پر برقرار رہنا اور خاصکر ان ملکون کی شرح تبادلہ کا جو مال برآمد کرنیکے قابل ہین ۔

۴ ۔ بین الاقوامی تجارت کو جاری رکھنے کیلیے قرض کے وسائل کی عدم موجودگی ۔

۵ ۔ سرکاری اخراجات کا مناسب طریقہ پر ہونا ۔

۶۔عوام کو اصلی حالت کا پتہ نہونا اور یہ اسوجہ سے کہ گورمنٹین پوشیدہ طور پر بہت کچھ کارروائی کرتی ہین۔

نرخ کی گرانی کی اصلی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سکہ جات مین ضرورت سے زائد اضافہ ہوا ہے جسمین کاغذی سکے بھی شامل ہین۔یورپین گورمنٹون نے بے تحاشا اسمین اضافہ کیا ہے۔اگر بغیر زر روکے نوٹون کا اضافہ ہوتا ہے تو ضرورت سے زائد ہوتا ہے اور یہ نرخ کو قدرتاً گران کر دیتا ہے۔جب بغیر سرمایہ محفوظ کے نوٹون کا اجرا ہونے لگتا ہے تب صرف نوٹون کا چھاپنا ہی چھاپنا رہ جاتا ہے اور گورمنٹ اپنی ضرورت کے خیال سے جتنا دل مین آتا ہے اضافہ کرتی ہے۔جو سلطنتین اس جنگ مین برسرپیکار تھین انمین روس کی حالت مالی نقطہ خیال سے نہایت ابتر ہے اسکا کاغذی سکہ یعنی رؤبل نوٹ اتنا کم قدر ہو گیا ہے کہ پندرہ ہزار ملاکر بھی ہمارے روپیہ کی برابری نہین کرسکتے۔یورپ مین نوٹون کا اضافہ جنگ کی ضروریات نے کرایا۔نوٹون کو زر فلزائی مین مبدل کرنے کے لیے جو سرمایہ محفوظ رکھا جاتا ہے اسکا دوران جنگ مین اجراشدہ نوٹون کیلیے نام کو بھی نشان نہین۔اسکا نتیجہ نوٹون کی قدر کو ہمیشہ گرا دینا ہوتا ہے اور اب بھی ہر ملک مین یہی ہوا ہے۔ہندوستان بھی اس سے مبرا نہین۔غرض یورپ مین پولیٹکل اثرات جو اجراے نوٹ پر حاوی تھے اب بھی غالب ہین۔برسلز مین جو بین الاقوامی مالی کانفرنس ہوئی تھی اسکی کرنسی اور اکسچینج کی کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ جو بنک نوٹ اجرا کرتے ہین انپر سے پولیٹکل اثر ہٹا لینا چاہیے۔مگر سب جگہ ایک سا عملدرآمد نہین ہوا ہے۔

نرخ کی گرانی کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ پیداوار مین کمی ہوئی ہے اور ساتھ ہی اسکے طلب مین اختتام جنگ کے بعد بہت بڑا اضافہ ہوا ہے۔جب کسی شی کی رسد کم اور طلب زیادہ ہوتی ہے تو اسکے نرخ مین اضافہ ہونا لازمی ہے۔ایسی چیزون کی پیداوار کا جنکا انحصار مشینون پر

*۔ ناسکو ۴ اکتوبر ۱۹۲۲ء کی خبر ہے کہ روس نے سرکاری طور پر دوسرے ملک کے سکون کی قیمت روبل مین حسب تفصیل ذیل مقرر کی ہے۔

پونڈ انگریزی	۲۳۱۰۰۰	جرمن مارک	۶۰۰	ہندوستانی روپیہ	۱۵۰۰۰
ڈالر امریکن	۶۲۴۰۰۰	جاپانی ین	۳۰۵۰۰	فارسی کران	۳۰۰۰۰
فرانسیسی فرانک	۴۳۰۰۰	چینی ٹیل	۹۰۰۰۰		

نہین ہے مگر جو انسان کی زندگی کے واسطے ضروری ہین (جیسے غلہ) تو دوسری چیزون پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر غلہ کی پیداوار کی کمی کی وجہ سے غلہ کا نرخ بڑھا چڑھا رہا تو اور چیزون کا نرخ بھی گران ہو جاتا ہے۔ یورپ مین جنگ کی وجہ سے پیداوار غلہ مین بہت بڑی کمی واقع ہوئی۔ پولینڈ روس۔ رومانیا وغیرہ مین گیہون بہت پیدا ہوتا تھا مگر جنگ سے ابتک اس خطہ کی پیداوار بمنزلہ صفر ہے پس گرانی نرخ ان حالات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اسکے علاوہ شرح تبادلہ کے خلاف ملک ہونیسے نرخ پر اور بھی اثر پڑتا ہے۔ یورپین ممالک نے امریکہ اور دیگر ممالک سے دوران جنگ مین بہت مال منگایا ہوا انکو دیگر ممالک کو بہت رقم ادا کرنی پڑی۔ یہ رقم سونا یا چاندی یا مال بھیجکر ادا ہوسکتی ہے جنگ کی وجہ سے یورپین ممالک کے پاس ان سب کی کمی تھی پس شرح تبادلہ ممالک یورپ کے خلاف ہونے لگی اور پونڈ اور ہر ایک یورپین قومی سکہ کی قدر امریکن ڈالر کے مقابلہ مین گھٹ گئی۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ اگر فرض کیجیے انگلستان امریکہ سے کچھ مال منگاتا ہے تو چونکہ پونڈ کی قیمت فرض کیجیے پہلے کے مقابلہ مین $\frac{3}{4}$ ہے تو پہلے کے برابر مال کی قیمت $\frac{4}{3}$ پونڈ بجائے ایک پونڈ کے دینا ہوگی اسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان مین درآمد شدہ مال کی قیمت مین اضافہ ہوگا اور چونکہ انگلستان اپنا کھانا بقدر ساٹھ فیصدی غیر ملکون سے منگاتا ہے اسلیے کل اسباب کو ملاکر انگلستان مین نرخ ضرور گران ہوگیا اور یہی ہوا بھی۔ پونڈ پہلے دنیا کا مستند سکہ خیال کیا جاتا تھا مگر اسکی امریکہ مین قیمت پہلے کی بہ نسبت $\frac{3}{4}$ سے شاید ہی کچھ زیادہ ہے۔ ہندوستانیونکو یاد ہوگا کہ زیادہ عرصہ نہین ہوا جب پونڈ کی قیمت ہندوستان مین بھی چھ روپیہ ہو گئی تھی

ان تمام مشکلات مین جو یورپ کی کھوپری پر گاج کی طرح پڑی ہین یورپین گورنمنٹون کی پالیسی نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے ایک تو جنگ ہی کیا کم مصیبت تھی جسکی پاداش نہ معلوم کب تک بھگتنا پڑیگی دوسرے سرکاری پالیسی بھی پانی کے تنکے کی طرح جھکولے رہی ہے تقریباً ہر ایک گورنمنٹ چند روزہ فائدہ کے علاج پر صرف مین اضافہ کرنے پر مجبور ہوتی ہے مگر یہ علاج بیماری کو اور بھی سخت ... لاعلاج بناتا جاتا ہے۔

ہر ملک آجکل سوشل اصلاح کے بڑے بڑے منصوبہ باندھتا ہے اور اسپر بے دریغ روپیہ صرف کرنے کو تیار ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ اخراجات کہان تک جائز ہین جبکہ آتنی چادر

ہی نہین چھتا۔ آپ پانون پھیلانا چاہتے ہین۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یورپین ممالک جنگ سے سبق نہ لیکر ادھر اُدھر ہاتھ پانون پھیلا رہے ہین مگر جتنا پانون پھیلائینگے اُتنی ہی ذمہ داریان بڑھینگی اور اخراجات ملکی مین غیر ملکی اخراجات کی وجہ سے اضافہ ہو گا اور مشکل یہ پڑے گی کہ ہر روز حالت بدتر ہوتی جائیگی۔

ایک ماہر علم سیاست اوسط نکال کر بتلاتا ہے کہ اب بھی فوجی اخراجات کا بیس فیصدی اسلحہ جات کے قیام اور ترقی پر صرف ہوتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ جنگ کی تیاری مین۔ دنیا اسقدر مصارف برداشت نہین کر سکتی مگر ہندوستان تو پچاس فیصدی برداشت کرتا ہے۔ ہم خوش ہونگے اگر سال آیندہ مین ہمارے جنگی مصارف گھٹ کر بیس ہی فیصدی رہ جائین۔

(۲)

ان مشکلات کو آسان کرنے کی مختلف تجاویز پیش کی جاتی ہین انمین بعض تو محض پند و نصائح اور بعض خصوصیت کا درجہ رکھتی ہین۔ قسم اول مین ایسے تسکین بخش کلمات ہین جیسے اخراجات کو کم کرنے کی اپیل۔ بلا محفوظ سرمایہ کے نوٹون کی رفتہ رفتہ تنسیخ۔ رازدارانہ مالی پالیسی کی پردہ دری۔ سکہ جات مین سونے کے سکے ازسرنو جاری کرنے کی ناموزونیت۔ گورنمنٹون کا مصنوعی حدود قائم کرنے اور نرخ پر اثر ڈالنے سے پرہیز اور تبادلہ کی رہنمائی سے گورنمنٹ کی دست برداری۔

یہ پند و نصائح بلاشبہہ نیک ہین مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہان اور کیونکر آغاز ہونا چاہیے؟ موجودہ برائیون کا اثر طرفین پر ہوتا ہے اور انسے چھٹکارا پانا ناممکن نہین تو بہت دشوار ضرور ہے۔ مثال کے طور پر اسپر غور کیجیے جن ملکون مین کرنسی ناپائدار ہے یعنی سکہ جات کی قدر کو استقرار نہین انکو دوسرے ملکون سے قرض ملنا دشوار ہے۔ اور جب تک قرض نہین ملتا انکا کام نہین چل سکتا اور جب کام نہین چلے گا تو کرنسی کو استقرار نہین ہو سکتا۔

ایسی حالت مین ماہرین علم و فن کی رائے ہے کہ کوئی ایسی اسکیم چلانا چاہیے جس سے پند و نصائح پر عمل کرنیکے موقع حاصل ہون۔ بہت سی تجاویز پیش کی گئی ہین جنمین دلچسپی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل بیان کیجاتی ہین۔

۱- گورنمنٹ کے بار کو ہلکا کرنے کیلیے اندرون ملک کاروبار کے زائد منافع پر ٹیکس لگانا چاہیے۔

برطانیہ نے اس طریقہ کو اختیار کیا تھا اور ۲۰-۱۹۱۹ء مین تقریباً چار سو ملین پونڈ حاصل بھی کیے مگر ملک کی صنعتی حالت کو دیکھکر اب اسکو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

۲- ملک مین جتنی دولت سرمایہ کی شکل مین ہے اُسپر مثلاً دس فیصدی ٹیکس لگا دیا جائے۔ برطانیہ کی مزدور پیشہ جماعت نے تجویز کیا تھا کہ یہ ٹیکس بقدر پچیس فیصدی ہونا چاہیے۔ اسطرح سے ایک بڑی حد تک قرض کا بار ہلکا ہو جائیگا۔

۳- کل دولت پر ٹیکس لگایا جائے جیسا اوپر نمبر ۲ مین بیان کیا گیا ہے۔

۴- ریل- کانون اور اسی طرح کے دیگر کاروبار کو سرکاری ملکیت بنا لیا جائے تاکہ سرکاری آمدنی مین اضافہ ہو- ایک سال بیشتر اس مسئلہ پر بڑی چہل تھی مگر اب خاموشی ہے۔

۵- آمدنی پر بتدریج زیادہ مقدار مین معمولی ٹیکس کے علاوہ اور بڑھا کر ٹیکس لگایا جائے ہندوستان مین آمدنی پر یہ المضاعف ٹیکس رائج ہو گیا ہے۔

۶- چونکہ دنیا مین اب امریکہ ایک ایسا ملک ہے جس سے مدد کی امید ہو سکتی ہے اسیلیے امریکہ سے مدد کی درخواست کی جائے اور اسکو قرضدار گورنمنٹون کی مالگذاری کا انتظام سپرد کر دیا جائے اور یہ اسوجہ سے کہ یورپین گورنمنٹین مالی معاملات مین قابل اعتبار نہین ثابت ہوئین

۷- ایک بین الاقوامی بنک کی کاروباری اصولون پر بنیاد ڈالی جائے جو مصیبت زدہ ملکون کی مالی امداد کرنا اپنا فرض سمجھے۔

۸- مختلف مصیبت زدہ ممالک کی مالگذاری کے صیغہ جات کا انتظام لیگ اقوام کی ماتحتی مین ایک بین الاقوامی کمیٹی کے سپرد کیا جائے اور اس کمیٹی مین ملک مقروضہ کے ممبر بھی شامل ہون اور ملک کا کمیٹی پر اعتبار رہو۔

۹- ایک بین الاقوامی آزاد تجارت کی انجمن قائم کی جائے تاکہ بین الاقوامی تجارت کو ترقی دے سکے۔

۱۰- انگلستان کے سر جارج پیش کی یہ تجویز ہے کہ چار ہزار ملین پونڈ کا ایک بین الاقوامی فنڈ

قائم کیا جائے جسکا انتظام امداد باہمی کے اصول پر ہو اور اس سے بین الاقوامی تجارت کے مردہ قالب مین جان ڈالی جائے۔

۱۱۔ ولایت کے مسٹر جے۔ ایم کینس جو ہندوستان کے مالی کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے ہین یہ کہتے ہین کہ اتحادیون کا قرضہ منسوخ کر دیا جائے اور جرمنی کے تاوان جنگ کو دو ہزار ملین پونڈ پر محدود کر دیا جائے جسمین سے پانسو ملین پونڈ سمجھ لینا چاہیے کہ ادا ہو گئے۔ اس سامان کے عیوض جو جرمنی سے مل چکا ہے۔ باقی تیس برس کے دوران مین پچاس ملین پونڈ سالانہ کے حساب سے وصول کیا جائے اور سود نہ لیا جائے۔

۱۲۔ ایک بین الاقوامی بیمہ کی انجمن لندن مین قائم کی جائے تاکہ بین الاقوامی تجارت مین جو خطرے ہین انکا بیمہ کر سکے۔ اسطرح بین الاقوامی تجارت پھر چل نکلے گی۔ دوران جنگ مین ملک سوئیڈن نے اپنی تجارت اسی طرح قائم رکھی تھی۔

۱۳۔ بین الاقوامی کریڈیت کی سہولت کیلیے لیگ اقوام کی ماتحتی مین ایک بین الاقوامی کمیشن قائم کیا جائے۔ اس کمیشن کا یہ کام ہوگا کہ ضمانت لیکر جس ملک کو کریڈٹ یا قرضہ کی ضرورت ہو اسکی تعداد مقرر کرے اور اس ملک کی گورنمنٹ سے ضمانت کے طور پر ملک کی مالگذاری کے صیغے علحدہ کرائے جسکا انتظام یا تو کمیشن اپنے ذمہ رکھے یا اپنی مرضی سے اسی گورنمنٹ کے ہاتھ مین دیدے۔

بروسلز مین جو بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی اسنے آخری تجویز کو جو "مبولن" کی اسکیم کے نام سے منسوب ہے پسند کیا اور لیگ اقوام کی کونسل سے اسپر غور کرنے کی سفارش کی۔

اسکا اصل منشا یہ ہے کہ تجارت بین الاقوامی کا دھارا پھر پیشتر کی طرح روان ہو جائے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بین الاقوامی تجارت زیادہ تر کریڈٹ پر چلتی ہے یعنی اعتبار پر۔ فرض کیجئے کہ ہندوستان سے کسی نے ولایت کو مال بھیجا اسنے اسکی قیمت کی میعادی ہنڈی لکھی اور بنک کے ہاتھ فروخت کر ڈالی اور اسطرح فوراً اپنا روپیہ وصول کر لیا۔ یہ ہنڈی بنک اسکے اعتبار پر لیتا ہے اور محض اسی کے اعتبار پر نہین بلکہ اسکے اعتبار پر بھی جسکے نام ہنڈی لکھی گئی ہے یعنی مال منگوانے والے کے اعتبار پر۔ بنک کو یہ پوری امید ہونا چاہیے کہ میعاد ختم ہونے پر ہنڈی کا روپیہ وصول ہو جایگا۔ کیونکہ اگر کسی وجہ سے وصول نہوا تو اسکا سراسر نقصان ہے

اب اگر بنک کو اعتبار کافی نہین ہے تو وہ ہُنڈی فروخت کرنیوالے سے اُسکی ضمانت طلب کریگا کیونکہ وہ محض ایک کاغذ کے بھروسہ پر روپیہ دے رہا ہے۔ دوران جنگ مین اس قسم کی مشکلات ہندوستانی تجارت مین پیش آچکی ہین اور شرح تبادلہ دو شلنگ سے گر جانے پر ہُنڈی کمیشن کرانیکی وقت ابھی ہندوستان مین پڑ چکی ہے۔ ہندوستانی تاجرون نے جب مال منگایا تھا تو روپیہ دو شلنگ کا تھا جب ہنڈی آئی روپیہ ایک شلنگ اور چار پائی کا رہ گیا تھا یعنی جب مال منگایا تھا اُسی وقت اگر ہنڈی آتی تو ایک پونڈ کے دس روپیہ دینا پڑتے مگر جب مال کے آنے پر ہنڈی آئی تو ایک پونڈ کے بجاے پندرہ روپیہ طلب کیے گئے۔ یہ ایک بڑی حیرت انگیز اور دہشتناک داستان ہے جس سے مضمون زیر بحث کی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے۔ غرض بیولن کی اسکیم کا منشا بین الاقوامی تجارت مین جو مشکلات ہین اُنکا سہولیت سے حل کرنا ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ایسی گارنٹی مہیا کی جاے کہ برآمد کرنیوالے کو بالآخر ادائگی ہنڈی کا اعتبار آجاے اور اسطرح تجارت مصیبت زدہ ملکون کے ساتھ جاری ہو جاے برآمد کرنیوالون کا معمولی کاروبار مین جو خطرہ ہوتا ہے اور جسکو وہ معمولاً انگیز کرتے ہین اُس سے اس اسکیم کو کوئی سروکار نہوگا۔ اسکیم کے ذریعہ سے اگر برآمد کرنیوالے کی ہنڈی نہ سکاری گئی تو اُن صیغون کی مالگزاری سے جنپر کمیشن مجوزہ کو اختیار ہوگا ہنڈی کا روپیہ بالآخر ادا کیا جائیگا ان صیغون کی مالگذاری پر درآمد کرنیوالے ملک کی گورنمنٹ تمسکات جاری کردیگی اور یہ تمسکات اسی ملک والے خرید لین گے اور انکو درآمد کرنیکے لیے بطور ضمانت استعمال کرینگے۔ اگر برآمد کرنیوالے کو یہ تمسکات قیمت مال کے عوض ملین گے تو وہ کمیشن کے ذریعہ درآمد کرنیوالے ملک سے اسکے دام وصول کر سکیگا۔

ولایت کے سر مارشل ریڈلے اسمین یہ خصوصیت پیدا کی ہے کہ تمسکات جو درآمد کرنے والے ملک کی گورنمنٹ اپنے چند صیغون کی مالگذاری کی ضمانت پر اجرا کرے گی انکو درآمد کرنے والا خرید کر برآمد کرنیوالے کے ہاتھ مین نہ دے بلکہ انکو کمیشن مجوزہ کے حوالہ کرے۔ درآمد کرنیوالا تو ایسا کر کے مال کی قیمت ادا کر چکا۔ برآمد کرنیوالے کو ابھی قیمت نہین ملی۔ ابھی تمسکات کمیشن کے ہاتھ مین ہین۔ تجویز یہ ہے کہ کمیشن ان تمسکون کو لیکر اُنکی ضمانت پر خود اپنے تمسک برابر کی

قیمت کے جاری کرے اور یہ بانڈ بر آمد کرنیوالے کے سپرد کرے۔ اب جو آمد کرنیوالے کے ہاتھ مین بجاے درآمد کرنیوالے ملک کی گورنمنٹ کے بانڈ کے کمیشن بین الاقوامی کے بانڈ ہین اسمین مفاد یہ ہوگا کہ کمیشن۔ انڈ کی کسی گورنمنٹ کے بانڈ کے مقابلہ مین زیادہ وقعت ہوگی اسلیے وہ زیادہ آسانی سے تبدیل ہوسکے گا۔ کمیشن کے بانڈ گورنمنٹ بانڈ کے مقابلہ مین زیادہ شگرداں ہین گے اور بازار کے نرخ پر بکا کرینگے۔ بازار نرخ کو گرنے سے باز رکھنے کے لیے سر مارشل ریڈ یہ تجویز فرماتے ہین کہ گارنٹی فنڈ قائم کیا جاے جسمین مختلف ممالک سے جو اس اسکیم مین شریک ہون کمپنی کے حصون کے طور پر چندہ لیا جائے یعنی گارنٹی فنڈ کے حصے مختلف ممالک لے لین وہ کہتے ہین کہ یہ ضرور نہین ہے کہ یہ سرمایہ کمیشن مین جمع ہو۔ گورنمنٹ بانڈ مین ہو تو کوئی ہرج نہین ہے۔ اس گارنٹی فنڈ کا کام سنٹرل کمیشن کے بانڈ کی قیمت کو گرنے سے بچانا ہوگا۔

(۳)

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ تجاویز یورپ کو مصیبت سے رہائی دلا سکتی ہین؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اصولی نقائص ہین جو ان کل تجاویز کا عام عنصر ہین۔

پہلی بات جو ایک مبصر کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہے یہ ہے کہ جنگ کی مصائب جھیلنے اور امن وامان کا سکہ جمانے مین مشکلات رونما ہونے پر بھی یورپ نے عموماً صداقت اور صاف گوئی کا سبق نہین سیکھا ہے۔ یہ اسطرح معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر کانفرنس مین زاہدانہ اصولون کی چاردانگ عالم مین منادی کیجاتی ہے مثلاً امن وامان قائم رکھنے کے یہ اور یہ اصول ہین۔ "کل سلطنتون کو بھائی چارہ کا برتاؤ کرنا چاہیے" "تجارت بندشون سے آزاد ہونا چاہیے اور بین الاقوامی اخلاص ومحبت کا دم بھرنا چاہیے" وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کانفرنسون مین جو ڈلیگیٹ آتے ہین وہ اپنی راے پہلے ہی سے قائم کرکے آتے ہین دبحث ومباحثہ حقیقت سے معرا ہوتا ہے لیکن قابل اطمینان نتائج کی رپورٹ اخبارون مین شایع کرادی جاتی ہے ساتھ ہی ساتھ گورنمنٹین اسی خیال پر عمل پیرا ہوتی رہتی ہین جو انھون نے قائم رکھا ہے۔ خاص خاص حالتو کو چھوڑ کر غیر جانبدارانہ راے پر بھی گورنمنٹ کی راے کا اثر ہوئے بغیر نہین رہتا۔ جو سلطنتین کہ وسط یورپ مین قائم ہوئی ہین وہ سب محفوظ تجارت کے اصول پر سختی سے عامل ہین۔ برسلز کی کانفرنس

برطانیہ کے ڈیلیگیٹ نے فرمایا تھا کہ گو برطانیہ یورپ مین سب سے بڑا قرضخواہ ہے پھر بھی
الاقوامی تجارت کے قالب مین نئی روح پھونکنے کی غرض سے بین الاقوامی کریڈیت کو کچھ حد
حق قدامت عطا کریگا۔ لیکن گورنمنٹ برطانیہ کر کیا رہی ہے؟ محفوظ تجارت کے اصول کی طرف
ی سے گامزن ہو رہی ہے۔ درآمد اور برآمد پر بحری جنگی لگ رہی ہے اسکی ایک مثال یہ ہے کہ زکون
یک قانون ابھی پاس ہوا ہے۔ دوسری مثال صنعتون کو محفوظ رکھنے کا قانون پیش کرتا ہے۔ یہ
ون پہلی اکتوبر ۱۹۲۶ء سے عمل پذیر ہوا ہے۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ ایسی چیزون کی درآمد پر جنکا مصنوع
الابدی ہو یعنی جنکو صنعت کی کنجی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے انکی قیمت کے ایک تہائی کے
بر محصول لگایا جانے لگا۔ ریوٹر کا بیان ہے۔ کہ یہ قانون چھ ہزار اشیا پر جو نو صنعتی
یون کے گروہ مین شامل ہین مستعمل ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ لیگ اقوام جسکی طرف تمام دنیا کی پُر امید نگاہین اٹھ رہی ہین وہ
ین ثابت ہوئی ہے جو اسکو ہونا چاہیے تھا۔ سب سے شدید ضرورت اس زمانہ کی یہ ہے کہ قدیم
وتون کو فراموش کر دیا جائے۔ ماضی کے بیجا افتخار اور غرور کو خیرباد کہدیا جائے اور صلح و
ی کے مندر مین صفائی قلب کے ساتھ قدم رکھا جائے۔ لیکن عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لیگ کے جلسون
جو ڈیلیگیٹ جاتے ہین وہ بنی نوع انسان کے نمایندے کی حیثیت سے نہین جاتے ہین
یا اس مقدمہ یا اُس مقدمہ کے پیروکار

یثیت سے شریک ہوتے ہین

ایک دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ بہبودی کی یہ تمام کوششون مین یورپین طاقتون نے ان
ون کے فوائد اور انکی رائے کا کافی خیال نہین کیا ہے (سوال یہ ہے کہ کیا بھی ہے؟) جو محض
م مال اور غلہ پیدا کرتے ہین۔ جنگ کے قبل تک تمام دنیا مین یوروپ کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور اسلیے
یکل رود بارون کے ذریعہ وہ تمام دنیا کی اقتصادی موتراشی کرتا تھا۔ اس معاملہ مین جنگ سے
بق لیکر انھون نے اپنا رویہ نہین بدلا ہے۔ بروسلز کی کانفرنس نے لیگ اقوام سے "سیولین
اسکیم کی سفارش کی ہے۔ اس اسکیم کے مطابق ضروری اشیا درآمد کی اجازت مجوزہ کمیشن دیگا
وری اشیا درآمد کی تفصیل ایک دوسری جگہ پر ہے جہان اسکے معنی "خام مال اور ضروریات

اولین کی چیزین بنائی گئی ہین۔ صاف الفاظ مین اسکا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزین اور خام مال۔ "پس میولن" کی اسکیم کا منشا یہ نکلتا ہے کہ یورپین ممالک جو اسوقت مصیبت زدہ ہین انکو کھانے پینے کی چیزین اور خام مال ایسے ملکون سے جائے جو یہ اشیا جنگ کے قبل برآمد کرتے تھے۔ تاکہ یہ مصیبت زدہ ممالک انکو استعمال کرکے اپنی بنائی ہوئی چیزین پھر ان ملکون کو روانہ کرین۔ اور اپنی تجارت و صنعت کو فروغ دین۔ ظاہر ہے کہ اس اسکیم کے عملدرآمد ہونے سے یہ ایسے ممالک جو قبل از جنگ خام مال برآمد کرتے تھے اب بھی برآمد کرتے رہین گے اور انکی صنعتی ترقی کا باب جیسا پہلے مسدود تھا اب بھی بند رہیگا۔

یورپین اقوام جو لیگ کی ممبر ہین اس بات کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہین کہ انکے ممالک ضروریات کیلیے دوسرون کے دست نگر نہ رہین مثلاً انگلستان کی یہ کوشش ہے کہ اسکی زراعت، اسکے جنگلات۔ اور رنگ کی صنعت - ماہی گیری وغیرہ وغیرہ اسی طرح ترقی پا جائین جیسے اسکی اور ضروری صنعتین۔ یہ ایک معیار ہے جو اور ملکون نے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور کر رہے ہین کسی خاص سمت مین غیر معمولی ترقی کے عیوض وہ ہر سمت مین ترقی کے خواہشمند ہین جب صنعتی ممالک کا یہ حال ہے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ خام مال برآمد کرنیوالے ممالک خام مال کو بنانے کی تدابیر نہ اختیار کرین جس سے یہ مال ملک ہی مین رہے اور صنعت منافع بھی ملک مین رہے۔ ہمارے واسطے یہ خودکشی کی پالیسی ہوگی اگر اب بھی خام مال کو برآمد کرکے اسکے عیوض مصنوعات درآمد کرین۔ امریکہ یعنی ممالک متحدہ امریکہ اب زیادہ تر اپنا خام مال اپنے یہان مصنوعات کے بنانے مین صرف کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ اپنے یہان سے خام مال زیادہ مقدار مین بھیجنا اور اسکے عیوض غیر ممالک سے مصنوعات منگانا ملکی فوائد کے خلاف سمجھتا ہے۔ امریکہ سے انگلستان کی ملون کے لیے نفیس روئی نہین ملتی ہے۔ دن بدن اسکی مقدار جو انگلستان جاتی تھی کم ہوتی جاتی ہے۔ انگلستان کی ملون کیلیے امریکہ کی روئی ابھی تک لابدی خیال کی جاتی تھی مگر امریکہ کی پالیسی انگلستان کو مجبور کر رہی ہے کہ امریکن روئی کے بغیر اپنی پارچہ بافی کی صنعت کو قائم رکھنا سیکھے۔ اسی لیے ہندوستان مین روئی کی تحقیقات کیلیے ایک کمیٹی مقرر ہوئی تھی اور اسنے صوبہ صوبہ مین گھوم پھر کر روئی کے عمدہ اور نفیس پیدا کرنیکے وسائل کی سفارش کی تھی لیکن اگر ہندوستان سے بھی روئی

نہ ملی تو صنعت کا کیا حال ہوگا؟ سلطنت برطانیہ کے دیگر حصوں مین بھی روئی کی کاشت کے تجربے ہو رہے ہین اور بہت ممکن ہے کہ افریقہ کی نوآبادیون مین جنکو حکومت خود اختیاری حاصل نہین ہے روئی کی کاشت لنکاشائر کی ملون کے لیے ہو۔

اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لیگ کے ممبر اپنے اپنے ممالک کے فوائد کی نگہداشت لیگ کے ذریعہ کرنا چاہتے ہین یہ دکھلایا جا چکا ہے کہ اُنکی یہ پالیسی ایسے ممالک کیلیے جو فی الحال خام مال ہی پیدا کرتے ہین اُمید افزا نہین ہے۔ ایسی حالت مین لیگ کامیاب نہین ہوسکتی کیونکہ نئے دور کی مساوات کی اسپرٹ کا جو اثر اُسکو ماننا چاہیئے وہ نہین مانتی۔ ضرورت یہ ہے کہ پولٹیکل حالات کو علیحدہ رکھکر اقتصادی معاملات مین ہر ملک کو آزادی نصیب ہو تاکہ وہ برابری کا سلوک خود کرے اور دوسرون سے اسکا دعوی کرسکے۔ جب تک یہ آزادی حاصل نہوگی تب تک کاروباری صداقت کا سکہ نہ چلے گا اور نہ بین الاقوامی تجارت کو عروج حاصل ہوگا۔

(۴)

اب جرمنی کے تاوان کا حال سُنیئے۔ فرانس تو اس معاملہ مین کوئی رعایت کرنے کو تیار نہین ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جتنا تاوان جنگ اُسکو ملنا ہے فوراً ہی ہاتھ آجائے تو اچھا ہے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے لندن کی کانفرنس مین کہا تھا کہ جسقدر ممکن ہو جرمنی سے کوڑی کوڑی وصول کرنا چاہیے اب سوال یہ ہے کہ جرمنی ادا کس طرح کرے؟ سونا اُسکے پاس اتنا ہے نہین کہ وہ برابر سال بسال ادا کرتا رہے۔ جرمنی مین سونے کی کانین ہین نہین۔ اگر اُسکی سونے کی کانین ہین تو اُسکی صنعتین۔ سونا جرمنی کو تاوان ادا کرنے کے لیے برآمد اشیا کے ذریعہ ہاتھ آسکتا ہے۔ پس جرمنی یا تو خود اپنا مال دنیا کی بازارون مین بیچ کر سونا خرید کر اتحادیون کو ادا کرے یا مال اُنکے سپرد کرے کہ وہ خود سونا خریدلین اگر اُنکو سونے کی خواہش ہے۔ غرض جرمن مال کی شکل مین تاوان جنگ ادا ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر اس شکل مین ادائگی منظور کیجاتی ہے تو جرمن صنعتون کو ترقی ہوتی ہے اور اُنسے مقابلہ کا امکان پختہ ہوتا ہے۔ پھر جرمن صنعتون کو چلنے کے قابل بنانے کیلیے اسکو خام مال مہیا کرنا چاہیئے۔ غرض جنگ کا نتیجہ جرمن کی صنعتی ترقی کی شکل مین نمودار ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی پہلے ہی سے پیشبندی کیجاتی ہے اور جرمن مال کے درآمد پر بھاری

محصول لگانیکے قانون پاس ہوتے ہین - پس مشکل یہ پڑی ہے کہ تاوان جنگ لیتے ہین تو جرمن مال دنیا پر اپنا سکہ جما تا ہے اور اپنی صنعتین کمزور پڑتی ہین اور اگر نہین لیتے ہین تو جنگ مین فتحیابی سے نتیجہ ہی کیا حاصل ہوا؟ ہارنے والا ہار پر بھی مزہ مین رہتا ہے - ایکسچنج کی جو شرح جرمنی اور دیگر ممالک کے درمیان ہے ایسی ہے کہ اس سے بھی جرمن صنعتون کی ترقی متصور ہوتی ہے - جرمن مال شرح ایکسچنج کی وجہ سے اتنی کم قیمت پر دیگر ممالک مین فروخت ہوسکتا ہے کہ یہ ملک کسی طرح اتنے مین محض خرچہ بھی نہین نکال سکتے منافع درکنار رہا - یہ کس طرح ہوتا ہے؟

یہ بات مسلمہ ہے کہ جرمنی کو تاوان جنگ کی وجہ سے مال کے درآمد برآمد اور دیگر لین دین کے توازن پر پینے کے بہ نسبت دینا زیادہ ہوتا ہے - پس جرمن ہنڈیان جو دیگر ممالک مین سکاری جاتی ہین کم ہو نسبت ان ہنڈیون کے کم ہوتی ہے جو دیگر ممالک سے اگر جرمنی مین سکاری جاتی ہین پس جرمنی مین ہنڈیون کی کمی ہوتی ہے اور دیگر ممالک مین انکی زیادتی - جرمنی مین ہنڈیون کے دام چڑھ جاتے ہین اور دیگر ممالک مین ہنڈیون کے دام گرجاتے ہین - اب فرض کیجیے کہ انگلستان مین ایک تاجر نے جرمنی سے مال منگوایا - قیمت کی ادائگی کے لیے وہ ایسی ہنڈی کی تلاش کریگا جو جرمنی مین واجب الادا ہو - جرمنی مین جو ہنڈوی واجب الادا ہین اسکے دام بہت گرے ہوئے ہین - پس مال کی قیمت بھی ایسی ہنڈی ادا کرنے مین کفایت ہوتی ہے اور مال کے دام کم بیٹھتے ہین - اگر ولایت مین مارک (جرمن سکہ) ہنڈی کی قیمت پیشتر کی بہ نسبت نصف رہگئی ہے تو جرمن مال کی قیمت خریدارون کو نصف پڑے گی اور اگر ایک تہائی ہے تو مال جتنے کا ہے اسکی تہائی قیمت پر ہاتھ آیگا - یہ مال اگر سستا نہ بکے گا تو کون مال بکے گا -

(۵)

اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ یورپ کی بیماری اصل مین ہے کیا؟ اسکی تشخیص قابل اطمینان طریقہ سے نہین ہوئی ہے اور نہ عوام کو اسکا اندازہ ہے - چند ماہرین نے اسکی تشخیص ٹھیک ٹھیک کی ہے مگر یہ عام پسند نہین - واقعہ یہ ہے کہ مادی تہذیب نے یورپ کو اتنا مادہ پرست اور دولت پرست بنادیا تھا کہ مادی دولت کا اضافہ میعار زندگی ہو رہا تھا - دولت جمع کرنا ہر ایک کا مذہبی فرض ہوگیا تھا کیونکہ تمام عیش و آرام اسی کے ذریعہ ہاتھ آتے تھے - دولت کے تعاقب مین

ہر فرد بشر اندھا ہو رہا تھا اور جا اور بیجا طریقون کا احساس مفقود ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت کے نشہ نے دماغ کو ماؤف کر دیا۔ کل دنیا پر حکومت کا سکہ بٹھانے کی سوجھی۔ دولت اور سائنس نے اسکے وسائل پیش کیے۔ ایک ذرا سی تکرار پر تلوار چل گئی اور وہ گھمسان جنگ ہلوی کہ ایک لحظہ کے لیے سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ اب جو نشہ اترا تو لگے ضعف کی شکایت کرنے اتنا ہوتے ہوئے بھی بیماری کی اصل وجہ کی بابت شک و شبہ باقی ہے۔ اور پھر وہی ہم اور وہی دنیا ہماری لونڈی کا راگ الاپا جا رہا ہے۔

بیماری کی تشخیص مین دو باتین سب سے پہلے اپنی طرف ہماری توجہ مبذول کرتی ہین۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ متحدہ طاقتین اس بات کو محسوس کر [illegible] قاصر ہین کہ اب وہ تمام دنیا کو اپنا اقتصادی غلام بنائے رکھنے کے قابل نہین ہین۔ انکی سمجھ مین۔ نہین آتا کہ جہان جنگ کے قبل پولیٹیکل اقتدار یا پالیسی سے الو سیدھا ہوتا تھا وہان اب یہ چالین نہین چل سکتین کیونکہ جنگ نے تمام دنیا مین آزادی اور حکومت خود اختیاری اور اسی طرح کے خیالات کی وہ برقی رو دوڑا دی ہے کہ کوئی امپیریل ملک زیادہ عرصہ تک دوسرے کی ملک و جائداد پر غاصبانہ قبضہ قائم نہین رکھ سکتا۔ انگلستان کو آئرلینڈ۔ مصر۔ مشرقی افریقہ۔ عرب اور ہندوستان سے سبق لینے کی ضرورت ہے (۲) دوسری بات یہ ہے کہ اوسط درجہ کے یورپین کا میعار زندگی ضرورت سے زیادہ مرتفع ہے مزدور پیشہ جماعت کی ضروریات زندگی اتنی بڑھی ہوئی ہین کہ قومی افسردگی کی حالت مین انکے مطالبون کا پورا کرنا ممکن نہین تو محال ضرور ہے۔ اسکی مثال ویسی ہی ہے کہ ایک لرورپتی کا دیوالہ ہو گیا ہو مگر وہ اب بھی پیشتر کیطرح رہتا ہو لاتعداد ہڑتالون کا منشا اسکے سواے کچھ نہین نکلتا کہ یورپین پیشہ ور جنگ کے قبل کی سطح عیش پر رہنے کیلیے پر بضد ہین سوال یہ ہے کہ کیا مزدوری کام کی قدر کے مطابق ہو یا مزدور کے متعلقین کی ضروریات کے موافق۔ لیکن اگر مزدور اپنے متعلقین کا پیٹ نہ پال سکے تو اُسکا کام کرنا عبث ہے زق صرف اتنا پڑ سکتا ہے کہ گرانی کے زمانہ مین وہ اپنا پیٹ پال سکے خواہ وہ تن آسانی جو اسے جنگ کے پیشتر میسر تھی اب نصیب نہ ہو مگر یورپین مزدور پیشہ کا مطالبہ کفایت شعاری سے منافی ہے جو ہر ملک کی قومی ضرورت ہے۔

پس پہلی بات جو علاج کی مد مین ذہن مین آتی ہے یہ ہے کہ عوام کے مزاج مین حق بجانب تبدیلی ہو۔ کوئی معجزہ یورپ مین اس تباہی کی تلافی نہین کر سکتا جو گزشتہ جنگ مین برپا ہوئی ہر کیونکہ یہ تباہی اس مادی ترقی کی ہے جسکو ایک صدی سے کم یورپ مین نہین لگی تھی۔ گزشتہ را صلوۃ۔ آیندہ را احتیاط۔ کا نقطۂ نظر حال اور مستقبل مین یورپ کا نقطۂ نظر ہونا چاہیے۔ اسکے واسطے ضرور ہے کہ یورپ کے دماغ سے اپنی فضیلت کے خیالات مفقود ہو جائین۔ یہ جنون جاتا رہے کہ سفید قوم دُنیا مین حکومت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اسکا یہ قدرتی حق ہے کہ جہان جائے حاکم ہو کر رہے اور محکوم کو اپنے فائدہ کی غرض سے استعمال کرے۔ اس تبدیلی سے تین نتائج مترتب ہونگے (...) تین شرائط ہونگے جنپر یورپ کے مسایل لاینحل کی گتھی سُلجھ سکتی ہر یہ شرائط حسب ذیل ہین۔

۱۔ زراعت کو وہی فوقیت ہونا چاہیے جو صنعت کو حاصل ہے۔ زراعت اتنی ہونا چاہیے کہ ملک کے اندر آبادی بھر کی خوراک پیدا ہو سکے۔ انگلستان مین اگر یہ شرط پوری کی جائے تو بیکاری جسکی شکایت عام ہے دور ہو سکتی ہے۔ اگر صنعتین اتنی ترقی پر نہین رہ سکتین کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے واسطے کام نکل سکے تو عقل سلیم یہ بتاتی ہے کہ انکو زراعت اور متعلقہ صنعتون کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس بات کے یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ خام پیداوار کے برآمد کرنیوالے ملکون کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ خام پیداوار کو ملک سے باہر بھیجنا نہ صرف زمین کو کم زرخیز بناتا ہے بلکہ ملک کے افلاس کا باعث ہوتا ہے۔

۲۔ یورپ کو اپنے اقتصادی فوائد کے لیے پولیٹکل ہتھیار کو کام مین نہ لانا چاہیے۔ ایک ملک کا دوسرے پر پولیٹکل اقتدار کبھی دوسرے ملک کی بہبودی کا باعث نہین ہو سکتا۔ اگر حاکم صنعتی ملک ہے تو محکوم کو زراعتی بنائے رکھنا صنعتی ملک کا عین فرض ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی صنعتی پس ماندگی کو اگر برطانوی حکومت کا نتیجہ کہا جاتا ہے تو عین قانون جد و جہد انسانی کے مطابق ہے SURVIVAL OF THE FITTIST. ہندوستانی صنعتین انگریزی صنعتون کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر معدوم ہوتی گئین۔ اگر ہندوستان جاپان یا امریکہ کی طرح خود مختار ہوتا تو مقابلہ اتنا تند نہ ہو سکتا بلکہ اسکو ہموار بنانے کیلیے وہی تدابیر اختیار کی جاتین جو ان ممالک نے

برتی نعین برطانیہ کی جو پالیسی موصل اور عراق عرب مین ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی طرف جو انکی پالیسی کا نتیجہ ہوا ہے اس سے سبق نہین لیا گیا ہے۔

۲۔ یورپ والون کو قلیل آمدنی پر بسر کرنا سیکھنا چاہیے۔

PLAIN LIVING & HIGH THINKI یعنی سادہ زندگی اور اعلی خیالات یہ انکا معیار زندگی ہونا چاہیے۔

کیا یورپ مین ان شرائط پر عمل ہوگا؟ کیا کل یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک اس پالیسی پر عمل کرینگے؟ کیا تجارت کی آزادی محض تھیوری مین نہین بلکہ واقعی قائم ہوگی؟ کیا تجارت سے پولیٹکل اقتدار ہٹ جائیگا کیا کل قومین لیگ مین شامل ہوکر صلح عامہ کا راگ گائینگی؟ کیا لیگ کا اثر تمام حکومتون پر اسقدر زبردست ہوگا کہ بین الاقوامی معاملات مین جو لیگ کہے وہی ہو؟ کیا یہ خیال دنیا سے اٹھ جائیگا کہ اپنا ملک اپنے لیے؟ کیا مختلف ممالک لیگ کو اپنا "بادشاہ" تصور کرنے کی طرف مائل ہونگے؟

مشکل یہ ہے کہ لیگ کی موجودہ حالت مین کل قومین اسکی ممبر نہین ہین۔ اگر لیگ کے ممبر خود لیگ کی اصلی پالیسی کو برتنا شروع کرتے ہین تو لیگ کے باہر کے ممالک اسی طرح اسکا فائدہ اٹھائینگے جسطرح انگلستان اور ہندوستان کی آزادانہ تجارت کی پالیسی سے جرمنی اور دیگر محفوظ تجارت والے ملکون نے اٹھایا تھا۔ یہ انصاف سے بعید ہوگا۔ پس سب سے پہلا اور سب سے آخری سوال یہ رہا کہ کل قومین لیگ کے دائرہ کے اندر جائین اور اسکی پالیسی کل دنیا کی بہبودی اور ترقی کی پالیسی بنائین اور اسپر عمل درآمد کرین چھوٹی قومین بڑی قومون کی سطح ترقی پر آجائین اور جو آزاد نہین ہین آزاد ہو جائین تا کہ کل قومین برابر ہو کر رہین۔

اقبال بہادر سکسینہ



الخلفاء راشدون

ابوبکر الصدیق رضؓ [1] — ابن ابی قحافہ۔ خلیفۃ رسول اللہ صلعم
نام عبدالکعبہ اور پیغمبر صلعم انکو عتیق بھی کہا کرتے تھے۔

پیغمبر صلعم کی وفات کے بعد خلافت کے بارہ مین اختلاف تھا۔ انصاری یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ انہین سے بنایا جائے اور اگر اتنا نہین توکم ازکم ایک خلیفہ انصاریون مین سے اور ایک مہاجرین مین سے۔ ہو ظاہر ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو اسلام کے اندر نفاق اور ناچاقی پیدا ہو جاتی۔

حدیث نبوی مین آچکا تھا کہ الایمۃ قریش۔ مگر مشکل یہ تھی کہ صحابہ مین سے کسکو خلیفہ تجویز کیا جائے خوش قسمتی سے بیشتر اسکے کہ جھگڑا بڑھتا اور رفساد سر اٹھاتا عمرؓ ابن الخطاب نے اس مشکل کو حل کر دیا اور اسلام کو تباہی سے بچا لیا یعنی اُنھون نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسکو دیکھکر اور سب لوگون نے بھی بیعت کر لی اور پیغمبرؐ کے دفن ہونے کے بیشتر ۱۱ھ مین ابوبکر الصدیقؓ خلیفۃ الاسلام مقرر ہوے آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ پڑھا۔

قسم ہے [2] خدائے پاک کی کہ مجھے خلافت کی ہرگز ہوس نہ تھی۔ خلافت کے فرائض مشکل اور اہم ہین اور مین اپنے کو اسکے لائق نہین سمجھتا ہون مگر مین نے اس خیال سے اس اعزاز کو قبول کیا ہے کہ اسلام کے اندر فتنہ برپا نہو۔ اگر تمکو یہ امید ہو کہ مین پیغمبرؐ کی طرح تم پر حکومت کرون تو یہ ناممکن ہے۔ اسلیے کہ مین بھی تمھاری طرح ایک آدمی

---

[1] والذی جاء بالصدق وصدق بہ

[2] واللہ ما کنت حریصاً علی الامارۃ یوماً ولا لیلۃ قط ولا کنت راغباً فیہا ولا سألتہا اللہ فی سر ولا علانیۃ ولکن اشفقت من الفتنۃ ومالی فی الامارۃ من راحۃ لقد قلدت امراً عظیماً مالی بہ من طاقۃ الا بتقویۃ اللہ تعالی۔ واتکم ان کلفتمونی ان اعمل فیکم بمثل عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم اقم۔ کان رسول اللہ صلعم عبداً اکرمہ اللہ بالوحی وعصمہ بہ وانما بشر ولست بخیر من احدکم فراعونی فان استقمت فاتبعونی وان زغت فقوّمونی فان احسنت فاعینونی۔ اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم

ہون پیغمبر کو ہر دم خدا کی مدد رہتی اور ان پر وحی اترا کرتی تھی - اگر مین ٹھیک راستہ پر چلون تو تم میری مدد کرو اگر کوئی غلطی کرون تو اسکی اصلاح کرو اور کوئی بات مجھسے دین کے برخلاف سرزد ہو تو اس امر مین میرا حکم ماننا تمپر فرض نہین ''

الردۃ - اُسوقت اسلام کی نہایت نازک حالت تھی - اسلام کی اشاعت کو ابھی چند ہی سال ہوے تھے جب یہ دین پھیلا تو اُسکو قبول کرنے مین صحرائے اعراب کو کوئی دقت معلوم نہ ہوئی لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کے کہنے مین اور نماز پڑھنے مین انکا کچھ خرچ نہین ہوتا تھا - بیت الحرام انکے قریب ہی تھا - جہان پر تجارت کرنے اور لین دین کی غرض سے انکو سال بھر مین ایک دو مرتبہ ضروری جانا پڑتا تھا - اسلیے حج کرنا بھی اُنکے لیے چندان دشوار نہ تھا - بلکہ غزواۃ یعنے بدر الکبری اور حنین کی لڑائیون مین جب مال غنیمت مین حصہ ملنے لگا تو اونٹ ہانکنے اور بھیڑی چرانے کی نسبت مجاہد اور محارب بننا انکو سودمند معلوم ہوا - تاہم صدیون کی بت پرستی انکے رگ و ریشہ مین پیوست ہو چکی تھی - الٰہکم اللہ واحد کی تعلیم اُنکے لیے ابھی تک غیر مانوس تھی - ہر قبیلہ خود مختار رہنے کا عادی تھا - کسی حاکم کی کبھی کسی نے اطاعت نہ کی تھی - اور نہ باج و خراج ادا کرنے کے خوگر تھے -

مسلمان ہونے پر انکو ایک حاکم کا حکم ماننا پڑا - صوم و صلوٰۃ - حج - صدقہ اور زکوٰۃ کی پابندیان کرنا پڑین -

پیغمبر اسلام کے سنگین قوانین اور انکی زبردست شخصیت نے عرب قبائل کی منتشر اوراق کو آہنی شکنجہ کے اندر کسکر ایک مضبوط شیرازہ مین باندھ لیا تھا جس سے عرب ایک قوم اور ایک ملت بنگئے -

عربی قبائل نے گو اسلام قبول کر لیا تھا اور بظاہر اسسے رضامند بھی ہوگئے تھے مگر اس سطحی رضامندی کے تلے حسد - بغض اور خودغرضی کی آگ ابھی تک سلگ رہی تھی اور لات و منات کی یاد انکو گاہ گاہ پریشان کر دیا کرتی تھی -

پیغمبر اسلام کی زندگی مین ہی کئی اور شخص[۱] نبوت کے دعویدار پیدا ہو گئے تھے - جنکو اُن کے

[۱] اسود - طلیحہ - سجاحہ - مسیلمہ -

شخصی رعب نے سر اٹھانے نہیں دیا۔

جب پیغمبر اسلام کی بے مثل ہستی اور انکا سایہ لوگون کے سر پر سے اُٹھ گیا تو قبائل نے جابجا سرکشی شروع کی اور طوق اسلام کو گردن سے نکال دینے کی کوشش کی۔ اور دوسرے دینی فرائض تو وہ اداکرنے کو تیار تھے فقط زکوۃ دینے سے انکو انکار تھا۔ عام طور پر انکا یہ خیال تھا کہ ہم لینے کے لیے مسلمان بنے تھے نہ کہ دینے کے لیے چنانچہ وہ کہنے لگے قد کنا ندفع اموالنا الی محمد فما بال بن ابی قحافۃ یسالنا واللہ لانعطیہ منہا شیئاً ابداً[1]۔

تو سوال اب یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ زکوۃ دینے سے انکار کرتے ہین مگر اور دوسرے اسلامی فرائض اداکرنے پر آمادہ ہین انکو مسلمان سمجھنا چاہیے یا نہین۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان نہین تو کافر ہین اور کافرون کے ساتھ قتال کرنا اور انکو مسلمان بنانا مسلم کا فرض ہے۔ یہ ایک ایسا مشکل معاملہ تھا کہ جسمین نہ صرف خانہ جنگیون کا اندیشہ تھا بلکہ اسکے اندر اسلام کی تباہی متصور تھی۔

اس بات کا عملی طور پر فیصلہ کرنے سے پیشتر ابوبکرؓ نے صحابہ سے اس بارہ مین مشورہ کیا سب نے بالاتفاق یہی راے دی کہ زکوۃ نہ دینے والون کو مسلمان تصور کرنا چاہیے اور انکے ساتھ لڑائی ہرگز جائز نہین۔ بلکہ مصلحت وقت بھی اسی مین ہے کہ وہ لوگ اگر زکوۃ نہین دیتے تو نہ دین اگر دوسرے فرائض اداکرکے مسلمان بنے رہین تو اسمین ہرج ہی کیا ہے۔

اس راے کی تائید مین حدیث اور کلام رسول بھی پیش کیا۔

"امرت[2] ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ فمن قالہا عصم منی دمہ ومالہ"

ابوبکرؓ نے بحیثیت خلیفہ اسلام یہ فیصلہ کیا کہ اسلام ایک دین ہے اسمین تقسیم ناممکن ہے کیونکہ اگر زکوۃ کا دینا فرائض دین سے نکال دیا جائے تو کوئی وجہ نہین کہ دوسرے باقی فرائض بھی اسی طرح سے آہستہ آہستہ متروک نہ کر دیے جائین۔

---

[1] محمد کو جو دیتا تھا سو ہم نے دیا۔ مگر ابوبکر جسے زکوۃ مانگنے والا کون ہے ہم اسکو ہرگز کبھی کچھ نہین دینگے۔

[2] حکم یہ ہے کہ کافرون کے ساتھ لڑائی تب تک جائز ہے جب تک وہ کلمہ شہادت نہ پڑھین۔ مگر جب وہ ایک بار کلمہ پڑھ لین تو انکے جان و مال کا کوئی مزاحم نہین۔

تو اس حالت مین اسلام کا قیام ناممکن ہو جائیگا۔ اور کہا کہ
لاقاتلنّ من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ[1]، اور حاضرین مجلس کو کہا کہ تملوگ اس امر مین میرا ساتھ نہین دیتے تو نہ دو۔ مین اکیلا ان مرتدون کے ساتھ لڑنے اور اپنا دینی فرض ادا کرنے کو تیار ہون۔ اسکی تائید مین آپ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔

ابوبکرؓ کی یہ ثابت قدمی اور راسخ الاعتقادی دیکھکر سب کے سب دنگ رہگئے اور سر جھکا کر سب نے اُنکی راے سے اتفاق کر لیا۔

چنانچہ فوج کی تیاری کا حکم ہوا۔ کہتے ہین کہ گیارہ فوجین ایک ہی وقت مین روانہ کی گئین، خالد ابن ولید کو بنی اسد اور غطفان اور بعد مین یمامہ کو بھیجا جہان پر مسلمۃ الکذاب نبوت کا دعوی کر رہا تھا۔ العلا الحضرمی کو بحرین عکرمہ کو عمان۔ مہاجرین امیہ اور زیاد بن لبید انصاری کو فوجین دے دے کر چارون طرف روانہ کیا حتی کہ قتل من قتل واسر من اسر و رجع الباقون الی الاسلام[2]۔

تدوین قرآن ان لڑائیون مین زیادہ تر وہی مسلمان شامل ہوے جو پیغمبرؐ کے زمانہ مین جہادون اور غزوات مین شامل ہو چکے تھے۔ بعض انہین سے صحابہ تھے اور بعض پیغمبرؐ کی قربت کے سبب سے حافظ قرآن تھے۔ قرآن کی سورتین ابھی سب ایک جگہ پر فراہم نہین کی گئی تھین۔ بہت سی سورتین تو لوگون نے حفظ کر کے سینہ کے اندر محفوظ کر لی تھین۔ کئی سورتین متفرق ہڈیون۔ پتھرون۔ کپڑون یا چمڑون پر لکھی ہوئی جا بجا لوگون کے پاس موجود تھین لیکن عموماً لکھے پڑھے لوگ بہت کم تھے۔

ان مذہبی جہادون مین قاری اور حافظ قرآن بہت سے مارے گئے اسلیے اندیشہ پیدا ہوا کہ قرآن کہین تلف نہو جائے۔ اسلیے ابوبکرؓ نے زید بن ثابت کو قرآن کی تدوین کا حکم دیا اور جب سب سورتین جمع کر کے مصحف شریف تیار کیا گیا تو اسکو حضرت حفصہ۔ بیوہ پیغمبرؐ کے پاس امانت رکھ دیا۔

---

[1] جو کوئی نماز اور زکوۃ مین فرق بتاتا ہے مین اسکے ساتھ ضرور لڑائی کرونگا۔
[2] جو مارے گئے سو مارے گئے۔ جنکو قید ہونا تھا وہ قید ہوے اور باقی اسلام مین واپس آگئے۔

فتوحات عراق وشام - الردة کی آتش فرو ہونے سے عربستان مین امن چین ہوگیا- اور اشهد ان محمد الرسول اللہ کی آوازین جزیرہ نما سائی سے لیکر یمن اور حجاز تک اور نجد سے لیکر بحر عمان تک پھر سنائی دینے لگین -

ایک مذہب، ایک قوم، اور ایک زبان ہو جانے سے سب عربی قبائل اپنے آپ مین ایک قوت محسوس کرنے لگے - انکے ہر جوڑ بند نے زور پکڑا اور پٹھون مین پھڑک پیدا ہوئی حظ الدنیا والآخرۃ کا لالچ اسلام نے ہر نو مسلم کے دل مین ڈال دیا تھا - اس سے نئی امنگین - نئے نئے ولولے پیدا ہو رہے تھے جنگی لہرین انکے دلون مین جوش مارنے لگین مگر آپس مین مواخات اور برادری ہو جانے کی وجہ سے ان اولوالعزمیون کی آزمائش کے لیے ملک عربستان کی بساط تنگ تھی -

عربستان ایک طرف سلطنت روما سے اور دوسری طرف سلطنت عجم سے گھرا ہوا تھا ان قدیم اور عظیم الشان ریاستون کی عظمت اور شکوہ نے عربستان کے گرد اگرد رعب اور ہیبت کی ایک چار دیواری بنا رکھی تھی جسکو پھاندنے کی عربون نے ابھی تک جرات نہ کی تھی نئے دینی جوش مین آکر یمین سے بعض منچلے اس احاطہ کے اوپر سے جھانکنے لگے - ان ایام مین ان سلطنتون کی پریشان حالی اور ادبار کی خبرین ہر روز چلی آرہی تھین

سلطنت ساسانیہ کا عروج کسری نوشیروان کی حکومت کے ساتھ ۵۶۱ء مین ختم ہوا - اس اولوالعزم بادشاہ نے سوریا مصر یمن اور ترکستان کو فتح کیا اور عدل اور دادگستری کا سکہ چار دانگ عالم مین چلایا - نوشیروان کے مرتے ہی سلطنت کو دفعۃً زوال آگیا -

ملک کی وسعت کے ساتھ ارکین سلطنت اور عامہ رعایا مین تن آسانی اور عیش عشرت پھیل گئی - مزدق، اور مانی کی تلقینون نے ایرانیون کی اخلاقی اور دینی بنیاد کو بوسیدہ کر دیا تھا - ادھر روما کے ساتھ صدہا سال کی متواتر لڑائیون نے حکومت کو ضعیف اور ناپائدار بنا دیا تھا -

انوشیروان[1] کے بعد چند ہی سال کے اندر، ہرمز - پرویز - شیرویہ یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے

[1] نوشیروان کا پایہ تخت مدین تھا - جہان پر دسنے طاق یا ایوان کسری ایک عالیشان محل بنوایا تھا -

(دیکھو صفحہ ۷۹۹)

شیرویہ کے بعد جب کوئی مرد وارث تاج وتخت نہ رہا تو پوران دخت اور اسکے بعد آذرم دخت یزدجرد کی لڑکیون کو ملکہ بنایا گیا۔

سلطنت روما کی شرقی حصہ کا نام بیزنٹیم تھا۔ اس سلطنت کا زمانہ عروج قیصر جسٹینین کے وقت مین تھا جو کسریٰ نوشیروان کا تقریباً ہمعصر گذرا ہی۔ اسکے زمانہ مین قانون جسٹینین مرتب ہوا جو آجتک ممالک یورپ مین رائج ہے۔ بڑے بڑے عالیشان معابد اور کنایس بنائے گئے جنمین صوفیہ کا کلیسہ بہت مشہور تھا جو آجکل قسطنطنیہ مین مسجد صوفیا کہلاتا ہے۔

اس بادشاہ کے مرنیکے بعد قیاصرہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ساسانیون کے ساتھ کبھی صلح کبھی جنگ کرتے رہے۔

تثلیث کے مسئلہ پر عیسائیون کا آپس مین جھگڑا تھا۔ انکے دو فریق ہو رہے تھے ایک فریق تو مصری اور شامی عیسائیون کا تھا جنکے خیالات بطلیموسی فلسفہ سے متاثر ہو چکے تھے یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ چونکہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اسلیے یہ بات لازمی ہے کہ بیٹا باپ سے عمر مین چھوٹا ہو یعنی ایک زمانہ ایسا ضرور ماننا پڑتا ہے کہ جب باپ موجود تھا تو بیٹا موجود نہ تھا۔

اسکے برخلاف قسطنطنیہ کے علما باپ اور بیٹے کو ہمعصر اور ہمقران مانتے تھے قیصر ہرقل کے زمانہ مین انستاسیوس ایک عیسوی علامہ نے ان دو متضاد فریقون کے اندر اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کوششون کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجاے اتحاد کے تیسرا ایک اور فریق کھڑا ہو گیا۔

ان فریقون کی آپسمین لڑائیان اور خونریزیان ہمیشہ ہوا کرتی تھین اور بجاے زبانی اور دینی دلائل کے ادلہ شمشیر اور لاٹھی کھلے دل سے استعمال ہوا کرتی تھی۔

یہود اور نصاریٰ کے الگ جھگڑے ابد الآباد سے چلے آرہے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۴۹۸) جسکے آثار ابھی تک موجود ہین۔ مدائن بغداد سے ۲۲ میل جنوب کی جانب واقع تھا۔ اسکو یورپین مورخ ٹسیفان لکھتے ہین۔ اسکے مقابل دریاے دجلہ کے دہنے کنارہ پر ایک دوسرا شہر تھا جسکا نام بہرسیر تھا جسکو یورپین مورخ سیلوسیا لکھتے ہین۔

ان خانہ جنگیون اور آپس کی عنادون نے سلطنت کی حالت نہایت متزلزل اور نازک بنا رکھی تھی۔

اس قسم کے مختلف اسباب نے مل ملاکر ابو بکرؓ کے زمانہ مین ان دونون سلطنتون کی ایسی ابتر حالت بنا دی تھی کہ جیسا ایک پھل پک کر خود بخود زمین پر گر پڑنے کو تیار ہوتا ہے۔

ابتک جو لڑائیان مسلمانون نے لڑی تھین وہ اپنے جیسے بدوی اور صحرائی عربون کے ساتھ لڑی تھین۔ باہر کی کسی قوم کے ساتھ ابھی تک انکا مقابلہ نہین ہوا تھا۔

یہ سچ ہے کہ پیغمبر کے زمانہ مین موتہ اور تبوک کے غزوات مین غالباً چند رومی سپاہی مسلمانون کے مقابلہ مین موجود تھے۔ مگر ان دونون غزوہ مین اسلامی جھنڈون کا سر نیچا رہا اسلیے ابو بکرؓ نے سوچا کہ سوریا اور فلسطین پر بڑے پیمانہ پر حملہ کرنیکے پیشتر مسلمانون کی ہمت اور [illegible]ت قدمی کا امتحان کرلینا ضروری ہے۔

موتہ کی لڑائی مین زید مارا گیا تھا اب ابو بکرؓ نے خلیفہ بنتے ہی اسامہ بن زید کو اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے تیار کیا۔

جب لشکر کو فراہم کرنے کا حکم ہوا تو صحابہ نے یہ راے دی کہ مسلمان ابھی تک تعداد مین بہت کم ہین اور نیز عربستان مین مرتدون نے جابجا فساد برپا کر رکھا ہے ایسے وقت مین شام پر حملہ کرنا مصلحت سے بعید ہے۔

ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ جو بات پیغمبرؐ نے ایک بار منھ سے نکال دی اور جو حکم انھون نے ایک بار دیدیا اسکی تعمیل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔

جب لشکر جمع ہوا تو ابو بکرؓ نے اپنے ہاتھ سے لوا اسامہ کو دیا اور لشکر کی طرف مخاطب ہوکر یون نصیحت کی۔

لاتخونوا ولا تغدروا ۔ ولا تمثلوا ۔ ولا تقتلوا طفلاً ولا شیخاً کبیراً ولا امراۃ ولا تعقروا

نوٹ ۔ طبری اور دوسرے اسلامی مورخون کے مطابق پیغمبر اسلام نوشیروان کے عہد حکومت مین پیدا ہوے اور نوشیروان نے انکی پیدائش کے بعد آٹھ برس تک حکومت کی ۔ مغربی مورخ کہتے ہین کہ پیغمبر نوشیروان کے مرنے کے دس برس بعد پیدا ہوے واللہ اعلم۔

ملاحظہ ہو صفحہ ۵۰۱

تخلُّو ولا تحرقوا ولا تقطعوا شجرۃً مثمرۃً ولا تذبحوا شاۃ ولا بقرۃً ولا بعیراً الا لاکلہ ولا تغدروا اذا عاہدتم - ولا تنقضوا اذا صالحتم - ولا تقاتل مجروح الخ"۔

اسامہ چالیس دن کے بعد فتحیاب ہو کر مدینہ واپس آیا -

اسامہ کے واپس آنیکے بعد پہلے عراق پر چڑھائی کی اور لشکر تیار کیا گیا - لڑائی مین شامل ہونے کیلیے قبائل کی طرف احکام[۲] بھیجے گئے جنمین نص قرآن اور احادیث کے حوالہ دیے گئے کہ جہاد کرنا مسلمانون کا فرض ہے جسمین دونون طرح سے فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی اگر مارے گئے تو شہید ہو کر سیدھے بہشت کو گئے اور اگر فتح پائی تو ملک ملا اور لوٹ ہاتھ آئی - اور دشمنون کا پیچھا نہین چھوڑنا چاہیے تا وقتیکہ وہ دین اسلام قبول کرکے کلمہ شہادت نہ پڑھ لین یا جزیہ دینے پر راضی نہو جاءین ان حکام کے پہونچتے ہی چارون طرف سے لشکر جمع ہو نا شروع ہوا -

خالد بن ولید جسنے مرتدون پر فتح پاکر سیف اللہ کا لقب حاصل کیا تھا اس فوج کا سپہ سالار

---

[۱] جس بات کا تم عہد کرو یا صلح کرو تو اسمین کسی قسم کی خیانت عہد شکنی یا دغا بازی مت کرنا - اور معصوم بچون اور ناتوان بوڑھون عورتون کو قتل کرنے سے پرہیز کرنا - جو دشمن زخمی ہو جاے اسپر حملہ نہین کرنا نخل اور بار دار درختون کو نہ اکھاڑنا نہ جلانا نہ کاٹنا اور بکری - گاے یا اونٹ کو بغیر کھانے کی ضرورت کے بیفائدہ ضایع مت کرنا -

[۲] بسم اللہ الرحمن الرحیم من خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی من قرئ علیہ کتابی من المؤمنین والمسلمین من اہل الیمن السلام علیکم

اما بعد فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ہو - فان اللہ کتب علی المؤمنین الجہاد وامرہم ان ینفروا خفافاً وثقالاً - قال اللہ تعالی انفروا خفافاً وثقالاً وجاہدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ فالجہاد فریضۃ معروضۃ وثوابہ عند اللہ عظیم - وقد استنفرنا من قبلنا من المسلمین الی جہاد الروم بالشام وقد سارعوا الی ذلک وتسکروا وحربوا وحسنت فی ذلک نیتہم وعظمت فی خیر حسنتہم فسارعوا عباد اللہ الی فریضۃ ربکم والی احدی الحسنیین اما الشہادۃ واما الفتح والغنیمۃ - فان اللہ لم یرض من عبادہ بالقول دون الفعل - ولا یترک اہل عداوتہ حتے یدینوا بالحق ویقروا بحکم الکتاب اویودوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون وحفظ اللہ لکم دینکم وہدی قلوبکم وزکی اعمالکم ورزقکم اجر المجاہدین - والسلام علیکم -

نامزد ہوا اور مثنیٰ بن حارث ایک عراق عرب کا بدوی جسنے آکر عراق کی ابتری اور بدامنی
کے حالات سنا کر چڑھائی کی تحریص دی تھی اسکا نائب مقرر کیا گیا۔
عراق کے مشہور شہر حیرہ ایلہ۔ انبار۔ دومۃ الجندل اور عین التمر بہت بھاری کشت و
خون کے بعد فتح ہوئے اور عراق عرب مین اسلامی جھنڈا نصب کیا گیا مسلمانون کو لوٹ
اور غارت کا مال اتنا ہاتھ آیا کہ سب عرب مالا مال ہو گئے۔
اسی اثنا مین شام اور فلسطین پر بھی چڑھائی شروع کر دی گئی۔
شامی فوج کے تین دستے بنائے گئے اور ہر ایک دستہ شام کے ایک ایک شہر کے نام نامزد
کیا گیا۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور یزید بن ابی سفیان دمشق کے لیے سرجیل اردن پر اور عمر
ابن العاص فلسطین پر۔ ابو عبیدہ سب کا سالار لشکر تھا۔
جب رومیون کو خبر ہوئی تو انھون نے پچاس ہزار سوار اور پیادہ کی فوج مسلمانون کے
مقابلہ کے لیے بھیجی اور انکو حکم دیا کہ اسلامی فوجون کو حدود کے اندر داخل نہونے دین۔
رومی لشکر نے دریاے یرموک کے کنارہ پر آکر مسلمانون کا راستہ روکا
ابو عبیدہ نے ابو بکرؓ سے مدد مانگی۔ ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو لکھا کہ عراق عرب مین
سے جتنی فوج ہو سکے اپنے ہمراہ لیکر شام کو روانہ ہو اور شامی فوج کا سپہ سالار بھی اُسے
بنا دیا۔ اسکے علاوہ جہان جہان پر اسلامی فوجین موجود تھین سب کو شام جانے کا حکم بھیجا
خالد نے یرموک مین پہونچ کر سالاری لشکر اختیار کی اور لڑائی شروع کی پیغمبرؐ کے ہمعصر
بہت سے مہاجرین اور انصار لشکر مین موجود تھے۔ بہت سے بدوی مجاہد بھی تھے۔ انکو بلا کر
خالد نے کہا کہ مین تمکو لڑنے کے لیے نہین کہتا بلکہ تم الگ ہو کر رسول خدا اور اللہ تعالی
سے فتح کے لیے دعائین مانگو اور سورۂ انفال آواز بلند سے پڑھو۔
ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ مدینہ سے ایک قاصد نے رقعہ لا کر خالد کو دیا۔ اس خط مین
ابو بکرؓ کے وفات اور عمر بن الخطاب کے خلافت کی خبر لکھی تھی۔ اور عمرؓ کی طرف سے خالد
کی معزولی کا حکم تھا۔ خالد نے سوچا کہ ایسے نازک موقع پر آکر خلیفہ کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی تو
دشمن کے دل قوی اور مسلمانون کی ہمتین پست ہو جاوینگی۔ اسنے رقعہ کو جیب مین رکھ لیا

اور اسکا ذکر کسی سے نہین کیا - لڑائی فتح ہونے کے بعد خلیفہ کے مرنے کی اور اپنی معزولی کی خبر لشکر کو سنائی اور سالاری لشکر ابو عبیدہ کو حوالہ کر کے روانہ ہوا -

طرز زندگی اور اوصاف ملک کی معیار زندگی کے خیال سے ابوبکرؓ آسودہ حال آدمی تھے انکی اپنی زمین بھی تھی اور تھوڑی سی بکریاں بھی تھین یہی انکی معاش کا ذریعہ تھا -

انکا مکان السنخ مین تھا جو شہر مدینہ کے قریب واقع ہے سودا سلف - لین دین کے لیے ہر روز مدینہ جایا کرتے تھے - مسلمان ہونیکے وقت انکے پاس چار ہزار درم نقد تھا اور سات غلام تھے - انھون نے روپیہ سارے کا سارا بیت المال مین دیدیا اور غلامون کو آزاد کرا دیا - بلال انھین غلامون مین سے تھا جو بعد مین پیغمبر کے زمانہ مین موذن مقرر کیا گیا پیغمبر کی وفات کے بعد بلال ابوبکرؓ کا حاجب تھا -

خلیفہ ہونیکے بعد بھی ابوبکرؓ نے اپنی رہائش کا طرز نہین بدلا - وہی موٹے کھسوٹے میلے کچیلے کپڑے پہنتے تھے - ہر روز پاؤن پیادہ السنخ سے آیا کرتے تھے - لین دین بھی کرتے تھے اور خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے - کچھ دنون مین اس عہدہ کی مصروفیتین بڑھ گئین تو انھون نے تجارت چھوڑ دی اور اپنا سارا وقت مسلمانون کے خدمات مین صرف کرتے تھے اور اپنے مایحتاج کے لیے تھوڑا سا نفقہ بیت المال مین سے لیتے تھے - شروع مین انکو ایک ہزار درم ملا کرتے تھے بعد مین دو ہزار درم سالانہ کر دیے گئے -

بیت المال کا آمد و صرف خلیفہ کی تحویل مین تھا - ابو عبیدہ بن جراح بیت المال کے امین تھے اور عمر ابن الخطاب انکے وزیر یعنی پرایویٹ سکرٹری تھے یہ کام وہ مفت مین کیا کرتے تھے - قاعدہ یہ تھا کہ بیت المال مین جب صدقہ زکوۃ اور لوٹ اور غنیمت کا مال آتا اسکو فوراً تقسیم کر دیتے اور سب مسلمانون کو جو نفقہ کے مستحق ہوتے برابر حصہ دیا جاتا تھا سابقین - متاخرین - آزاد غلام - مرد و عورت کی کوئی امتیاز نہین تھی - کہتے ہین کہ جب ابوبکرؓ مرے ہین تو صرف ایک دینار خزانہ مین موجود تھا - بلکہ مرتے وقت وصیت کر گئے کہ آپ کی کل جائداد زمین مکان اور اثاث البیت کو بیچ کر بیت المال مین اس نفقہ کے بدلے مین داخل کر دیا جائے جو وہ اپنے ایام خلافت مین اپنے ذاتی مصارف کیلیے لیتے رہے تھے

انکی دیانت اور فرائض دینی کی ایک عجیب روایت بیان کی جاتی ہے۔
کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کی بیوی کا دل مٹھائی کھانے کو چاہا اسنے ابوبکرؓ سے کہا۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ مٹھائی مول لینے کے لیے ہمارے پاس پیسہ نہیں۔ بیوی نے کہا اگر آپ اجازت دین تو مین اپنے روزینہ مین سے کچھ کچھ بچا لونگی۔ چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا اور ایک دو روز مین دو چار پیسے بچا کر مٹھائی خریدی خود بھی کھائی اور ابوبکرؓ کو بھی کھلائی۔[۵۱]
آپ مٹھائی کھا کر فرماتے ہین کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمکو بیت المال مین سے تمھاری ضروریات سے زیادہ نفقہ ملتا ہے اور انکا روزینہ کم کر دیا۔
کہتے ہین کہ جب مرے ہین تو انکے پاس صرف دو ہی کپڑے تھے اور مرتے وقت وصیت کی[۵۲] کہ مجھے انھین کپڑون مین دفن کرنا نیا کفن نہ لگانا کیونکہ نئے کپڑے کی زندہ آدمی کو ضرورت ہوتی ہے نہ کہ مردہ کو
ابوبکرؓ دیکھنے مین دبلے پتلے آدمی تھے۔ قد میانہ تھا اور کسی قدر شانون کے پاس سے خمیدہ تھا رنگ انکا گورا تھا بزردی مائل۔ چہرہ پر رگین پھولی ہوئی تھین آنکھین انکی چھوٹی اور چشم خانہ مین گڑی ہوئی تھین۔ داڑھی سفید تھی جسکو حنا سے رنگا کرتے تھے۔
انکے چہرہ سے شرافت کا نور برستا تھا۔ نیک سیرت۔ رحم دل آدمی تھے اور کسی کو گمان نہین ہو سکتا تھا کہ اس عمر رسیدہ، نحیف البنیہ نرم مزاج شخص کے اندر اسقدر ہمت۔ استقلال جفاکشی اور بردباری بھری ہوئی ہے جو ابوبکرؓ سے خلافت کے ایام مین ظاہر ہوئی۔ مرتے وقت انکے تین بیویان۔ تین لڑکے اور تین لڑکیان تھین۔

---

[۵۱] ان زوجتہ اشتہت حلواً۔ فقال لیس لنا ما نشتری بہ۔ فقالت استفضل من نفقتنا فی عدۃ ایام مانشتری بہ۔ فقال افعلی ففعلت ذلک۔ فاجتمع لہا فی ایام کثیرۃ شئ یسیر۔ فلما عرفتہ ذلک لیشتری بہ حلواً۔ اخذہ فردہ الی بیت المال وقال ہذا فضل عن قوتنا واسقط من نفقتہ بقدر ما نقصت کل یوم وغرم بیت المال من ملک کان لہ

[۵۲] ثوبی ہذین فاغسلوا ہما فکفنونی فیہما فان الحی احوج الی الجدید من المیت

جب وہ خلیفہ ہوے ہین تو سوا شہر مدینہ اور اسکے اطراف کے اُنکے قبضہ مین اور کچھ نہ تھا۔ جب وہ مرے ہین تو دو برس کی خلافت کے اندر۔ تمام عربستان۔ عراق عرب اور شام کا بڑا حصہ اسلامی ریاست مین شامل ہو چکا تھا۔

اگر پیغمبرؐ دین اسلام کے بانی تھے تو اسمین کسی طرح کا شک نہین ہو سکتا کہ ابو بکرؓ سلطنت اسلامی کے بانی تھے۔

بھولا ناتھ کرل
الہ آباد

پیام صبح

اُجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشان کا　　نسیم زندگی پیغام لائی صبح خندان کا
جگایا بلبل رنگین نوا کو آشیانے مین　　کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اسنے دہقان کا
طلسم ظلمت شب سورۂ والنور سے توڑا　　اندھیرے مین اُڑایا تاج زر شمع شبستان کا
پڑھا خوابیدگان دیر پر افسون بیداری　　برہمن کو دیا پیغام خورشید درخشان کا
ہوئی بام حرم پر آکے یون گویا موذن سے　　نہین کھٹکا ترے دل مین نمود مہر تابان کا
پکاری اسطرح دیوار گلشن پر کھڑے ہوکر　　چٹک او غنچۂ گل تو موذن ہے گلستان کا
ہلائی اُسنے زنجیر در میخانہ یہ کہکر　　اُٹھو شیرازہ کھولو نسخۂ خواب پریشان کا
اُٹھایا آکے بستر کو صدائے قم باذنی نے　　دبایا پاے نازک اسنے ہر طفل دبستان کا
صدا دی اسطرح دیوار گلشن پر کھڑے ہوکر　　چٹک او غنچۂ گل تو موذن ہے گلستان کا
دیا یہ حکم صحرا کو چلو اے قافلے والو　　چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیابان کا
گئی گور غریبان کو جو وہ زندگی بستی سے　　تو یون بولی نظارہ دیکھکر شہر خموشان کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو مین پھر بھی آؤن گی
سُلا دونگی جہان کو خواب مین تمکو جگا دونگی

ماخوذ　　اقبال

۱؎ ہو جاتے

رازِ سربستہ

کرۂ ارض کا تین ربع زیر آب ہے۔ باقی ربع مین کچھ حصہ صحرا اور ایسے مقامات ہین جہان انسان بود و باش نہین رکھتا۔ جتنا حصہ انسان کے رہنے کے قابل ہے اسکا ہر ایک قطعہ مختلف طرز کا ہے اور ہر ایک قطعہ کی آب و ہوا مختلف ہے۔ انسان کی آبادی سے پہلے ہزارہا قسم کے جانور پیدا ہو کر ختم ہو گئے اُنکے اب صرف ڈھچر ملتے ہین جو حیرت انگیز ہین، نہ معلوم وہ کسلئے پیدا کیے گئے اور کیون نابود کیے گئے جب انسان پرانی چٹانون کی تاریخ پر غور کرتا ہے تو حیران رہجاتا ہے کہ کرورون سال سے وہ موجود ہین اور روبہ تنزل ہین۔ نئے پہاڑ بنتے ہین پرانے پہاڑ گرتے جاتے ہین۔ دریاؤن اور ندیون کے راستے بدلتے رہتے ہین۔ نئے جزیرے سمندر مین سے نمودار ہوتے ہین اور کسی کسی جگہ کے پرانے جزیرے سمندر ہضم کرجاتا ہے

حضرت انسان کے اس کرۂ ارض پر پیدا ہونے کی نسبت طرح طرح کی خیال آرائیان ہوتی رہین۔ کوئی کہتا ہے موجودہ نسل انسان کے کئی مورث تھے بعض کہتے ہین کہ ایک مورث تھا۔ بعض کہتے ہین کہ انسان کا ابتدائی مورث ایک قسم کا بندر ہوگا۔ بعضون کا خیال ہے کہ کسی نامعلوم اسباب کے سلسلہ مین انسان ہزارون کی تعداد مین ظہور مین آیا تھا طرفہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو عیسائی مباحثہ کرنیوالے اس امر پر متفق ہوئے کہ انسان مارچ مین یا ستمبر مین پیدا کیا گیا تھا۔ اہل مذاہب انسان کے ابتدائی آفرینش بہت قدیم نہین بتلاتے، اہل سائنس اسکی پیدائش اتنی بعید لیجاتے ہین کہ انسان ہندسون کے شمار مین گھبرا جاتا ہے، ڈاکٹر صاحبان لکھتے ہین کہ دم گم گشتہ کی علامت انسان مین اسوقت باقی ہے اور نیز یہ بھی کہ بعض عضوون کی نوعیت اور فعل دریافت نہین ہوئے۔ خوردبین نے وہ عالم پیش نظر کیا جسکو انسانی آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ کیمیائی امتحان نے بظاہر کئی مفرد اشیا کو مرکب

ثابت کردیا ہے۔ یوماً فیوماً عناصر کا شمار بڑھتا جاتا ہے ابھی اس بات کا بھی فیصلہ نہین ہوا کہ حیات اس کرۂ ارض پر کیسے ظہور مین آئی ہے۔ بقول بعض زندگی اس کرہ پر کسی دوسرے کُرے سے آئی ہے لیکن پھر وہی سوال باقی رہتا ہے کہ وہان کیونکر پیدا ہوئی۔ بقول بعض غیر جاندار اور جاندار کی درمیانی مخلوق یہی ہے۔ بعنے قاعدہ ارتقا بتدریج جان پڑنے کے اسباب پیدا ہوجاتے ہین جو ہنوز حل نہین ہوے۔ تفحص و تحقیق جاری ہے جو سوچا جاتا ہے وہ آے دن رد ہوجاتا ہے۔ روح کے متعلق انواع و اقسام کے قیاسات کیے جارہے ہین کسی شے کو قیام نہین اور ہر شے معرض تبدل مین ہے۔ ایک ناقابل فہم دور جاری ہے۔ نیچر اپنے اسرار کے انکشاف مین نہایت بخیل ہے۔ اُسکی دلفریبیان ایسی ہین کہ اُسکے طلسم سے گریز نہین جتنی تحقیقات بڑھتی ہے ناواقفیت کا درجہ ترقی پذیر ہوتا جاتا ہے۔ ظاہری رنگون مین ظاہری شکلون مین ظاہری خوشبو اور بدبوؤن کے پس پردہ کچھ اور بھی چیز پنہان ہے۔ سائنس نے یہ عقدہ حل کیا کہ رنگ کوئی شے نہین صرف حرکت کی تعداد ہے۔ آواز اور رنگ کے حرکات کے تناسب قائم ہونے لگے ہین۔ لوگ سمجھا کرتے تھے کہ ہمارا نظام شمسی ہی کل کائنات ہے دوربین نے دکھایا کہ ہمارے شمس جیسے لاکھون شمس مع اپنے کنبون کے کہکشان مین موجود ہین۔ ایسے ستارون کے بھی پتے لگے ہین جنکے کرنون کے کرۂ ارض تک پہونچنے کے لیے صدیان درکار ہین ایک شہاب مین ایک فرانسیسی ماہر علم کمسٹری نے امراض کے بیج GERMS دریافت کیے ہین۔

نباتات اور معدنیات مین بھی جان دریافت ہوئی ہے۔ امراض نئے نئے دریافت ہورہے ہین اور اُنکے علاج بھی طرح طرح سے ایجاد ہورہے ہین۔ انسانی مشاہدہ کے لیے آلات محدود طاقت کے ہین اگر کچھ دریافت ہوتا ہے تو قطعی غیر مکتفی۔ بقول ایک مشہور محقق کے انسان کنارہ پر بیٹھا ریزے چُنتا ہے انھین دیکھتا رہتا ہے سمندر اُسکے سامنے پڑا ہے آخر تھک کر سر تسلیم خم کرتا ہے اور توکل پر سہارا کرتا ہے۔ مجبوراً کہنے لگتا ہے۔ ہزارون پنڈت ہزارون سیانے خدا کی باتین خدا ہی جانے۔

نیچر نے چرندون پرندون اور انسانون مین ایسی خواہشین اور خصلتین پیدا کردی ہین جنکے دُھن مین وہ اپنے جانشین پیدا کرکے خود ختم ہوجاتے ہین یا اورون کے تمکار ہوجاتے

ہین آج تک یہ عقدہ نہ کھلا کہ نیچر کا مقصد کیا ہے۔ کب سے کائنات پیدا ہوئی کیا کیا
رنگ اُسنے بدلے اور وہ اسے آخر کیا بنا دےگی وہ اسے کدھر گھسیٹے لیئے جا رہی ہے۔
اس بے بسی کی حالت مین بھی انسان مین ایک بڑی عادت فطرتی ہے جسے اہنکار یعنی غرور
کہتے ہین وہ سمجھتا ہے کہ مین بھی کچھ ہون۔ بلکہ اشرف المخلوقات ہون، ستارے میرے لیے
بنے شمس و قمر اپنے خدمتگزار ہین۔ نیچر کا مین ہی محبوب خاص ہون۔ پانی اور ہوا میرے لیے
بنی۔ جانور میری خوراک کے لیے پیدا کیے گئے۔ پھل پھول سب میرے لیے ہین حتیٰ کہ اگر
مین پوری سعی کرون تو ذات باری مین جسکا مین جزو ہون شامل ہو سکتا ہون۔ ہر وقت اُسکی آنکھین
کھلتی ہین کہ اُسکی کچھ حقیقت نہین۔ اُسکی زندگی حباب کے مانند ہے۔ آفتون اور بلاؤن سے وہ گھرا ہوا
ہے۔ تعجب یہ ہے کہ وہ زندہ کیونکر رہتا ہے تاہم زعم، غرور، خودی اُسکی طبیعت سے نہین جاتی۔ ہر شے
جو اُسکے گرد و پیش ہے بنتی اور گڑتی ہے مگر اُسکا گھمنڈ کم نہین ہوتا۔

کیا معلوم کہ آیندہ اس کرۂ ارض کی کیا حالت ہوگی۔ پانی کتنا رہے گا کتنا اُڑ جائیگا۔ پہاڑ کتنے
رہین گے اور کتنے گم ہو جائینگے۔ مخلوق کی کیا شکلین ہونگی۔ اگر دل لگی نہ سمجھیے تو ایک اہل علم کہتا ہے
کہ آیندہ انسان زمین پر گولے کے مانند چلا کریگا۔ ہاتھ پاؤن اور بہت سے اور حصہ جسم کی ضرورت
نہ رہیگی۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ وہ شے جسے ہم دھرم۔ مذہب طریقت وغیرہ وغیرہ پکارتے ہین آیندہ
اُسکا نام و نشان باقی رہے گا یا نہین۔ کیا معلوم کہ قوم انسان کے باہمی تعلقات کس نقطہ پر آ دینگے۔
غرض اس نیچر کی کارروائیان نامعلوم، اُنکا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اُسکا مقصد ہمارے لیے ایک رازِ سربستہ ہے
آخر یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان عاجز ہے جتنے دن یہان قیام ہے تکلیف سے بچو اور زندگی سادہ بسر کرو
کسی کو ایذا نہ دو۔ نیچر کے احکام جتنے ظاہرا معلوم ہو سکتے ہین اُنکی پابندی کرو۔ مر جاؤ۔ اپنا حقیقی
جانشین اپنے بجاے چھوڑ جاؤ۔ اپنے آپ کو ہیچ سمجھو۔ غرور چھوڑ دو عجز و انکسار سے کام لو۔ مین
اور ہم الفاظ بےمعنی ہین۔ کیا اچھا اکبر نے کہا ہے۔

رکھو جو مقابل اسکے سارا عالم — دنیا بخدا ہے ایک ذرہ سے بھی کم
اس ایک ذرہ مین ہماری کیا اصل — نا فہم ہین کر رہے ہین ناحق ہم ہم

شمیم

تصویر کی فرمائش

(۱)

مصوّر! کیا تیرے دستِ صناعی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ بلا دیکھے کسی نظارہ کو کھینچ سکے اگر ہے تو۔ میری فرمائش سن۔

موسم گرما کے ڈوبتے ہوئے آفتاب کی سنہری شفق مین چمکتے ہوئے بھورے رنگ کے جنگل اور کھیت بنا۔ لیکن دیکھنا تصویر شوخ نہ ہو جائے۔

جنگلون کے بعد میدان اور اُنکے بیچ بیچ مین ناج کے کھیت۔ جو کہ نہ تو بالکل خشک ہون اور نہ موسم بہار کی طرح سبز اور لہلہاتے ہوئے کیونکہ موسم بہار جبکہ زمین پر سبزے کی کثرت سے صبا کی اٹکھیلیون کو بھی کافی جگہ نہین ملتی گذر چکا ہے

کھیتون کے قریب ہی ڈھور ڈانگر کھڑے نرم نرم سبز گھاس چر رہے ہون۔ آسمان مین چارون طرف خوبصورت پرندے اُڑ رہے ہون (آہ! مصوّر تو اُنکی سُریلی بولیان کاغذ پر نہین دکھا سکتا!)

یہ سب اور اُسکے ساتھ ہی ایک گھر بنا جہان کہ مین پیدا ہوا تھا۔ گھر چھوٹا سا سیاہ اور پُرانا ہو۔ گھر کی تمام کھڑکیان کُھلی ہوئی اور اُنمین چھوٹے چھوٹے بچے سر اور کندھے باہر نکالے کھڑے ہون اُنکے چہرے بھولے، خوبصورت اور مُسکراتے ہون۔ کیا کبھی راستہ چلتے چلتے اردگرد کی جھاڑیون مین لگے ہوئے گلاب کے سُرخ سُرخ پھولون کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہے۔ تو بس وہی نظّارہ کھینچ دے

(۲)

اور ہان اب ذرا غور سے سُن! جب تو جنگل، کھیت اور چرتے ہوئے ڈھور ڈانگر وغیرہ بنا چکے تو ایک عورت (جس سے زیادہ حسین نوع انسان نے کبھی نہ دیکھی ہو) کی تصویر میرے لیے

کھینچ - آہ! اگر مین تجھے کسی طرح دکھا سکتا!! اُسکی رحم و شفقت سے بھری ہوئی نیلی و چمکدار آنکھین
نورانی پیشانی - عورت ذات - لیکن فرشتون کا سا چہرہ - مین! مین کیا پاگلون کی سی بات کرنے لگا
بس مصور اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ میری مان ہے - تو خود ہوشیار ہے - سب کچھ سمجھتا ہے پھر جو کچھ
مناسب سمجھ کھینچ دے -

دو چھوٹے چھوٹے بچے اُسکے قدمون مین کھڑے ہون - ایک میری شکل کا ہو اور دوسرا
کشادہ پیشانی والا جسکی آنکھون سے دلیری اور شجاعت نمایان طور پر مترشح ہو دس برس کی ہی عمر
مین وہ دلیر لڑکا سمندر پر چلا گیا تھا - خدا جانے کہ اب وہ زندہ ہے یا نہین - وہ "گموڈار"
جہاز مین سوار ہوا تھا - نہ وہ جہاز واپس آیا - اور نہ اُسکی بابت کبھی کوئی اطلاع موصول
ہوئی - بیس برس سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے کہ "گموڈار" میرے دلیر بھائی کو لیکر بندرگاہ سے
اپنے آخری سفر پر روانہ ہوا تھا - "گموڈار" خرامان خرامان سطح آب کو چیرتا ہوا چلا جا رہا تھا - مین
اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ میری طرف - ہم دونون اسطرح بُت بنے کھڑے رہے -
یہان تک کہ جہاز نظر سے غائب ہو گیا - اور پھر کبھی بھی نظر نہ آیا!

(۳)

موسم گرما کی ایک شام کو ہم دونون بھائی کھیتون مین پھر رہے تھے - سر بفلک پہاڑیان خاموشی
سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھین - اُنکے دامن مین خوب اندھیرا تھا کھیتون کے پتے ہوا سے ہل ہل کر
سر سراہٹ سی پیدا کر رہے تھے -

ہم کھیتون، گنجان درختون، اور جھاڑیون مین ادھر اُدھر گھومتے رہے حتیٰ کہ تھوڑی بہت
روشنی جو باقی تھی وہ بھی گم ہو چلی گھر کے بڑے دروازہ مین سے اندر جلتی ہوئی شمع کی روشنی نظر آئی -
نیلگون آسمان کے شمال و شرقی گوشہ مین ایک چھوٹا سا ٹمٹماتا ہوا تارا نکل آیا - ہمین کچھ بھی معلوم نہین تھا
تھا کہ وہ کیا ہے ؟

گھر کے نزدیک ہی ہمارے سن کے کھیت کے کنارے ایک پرانا شہتوت کا درخت تھا جسکے سبز سبز پتے ہم پر
(جب کبھی ہم اُسکے نیچے کھیلتے کھیلتے چلے جاتے تھے) شبنم گراتے تھے - وہ تارا دور سے دیکھنے پر اُسی شہتوت
کی چوٹی پر لگا ہوا معلوم ہوتا تھا - ہم روز حیرت کے ساتھ اُس نظارے کو دیکھا کرتے تھے -

ہم گھر جانے سے ڈرتے تھے کیونکہ ہم دونوں میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک گھونسلا مع چند خوبصورت چتکبرے انڈوں کے تھا۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک ننھی سی چڑیا۔ اسکی تنکے جیسی پتلی ٹانگیں ننھے شکاری کی گرفت میں تھیں ہم نے اُس چڑیا کو کھانے کے لیے سیر دیئے۔
لیکن اوس نے نہیں کھائے صرف چوں چوں ہی کرتی رہی آخر ہم نے اُسے خاموش کرنے کے خیال سے اسکی چونچ پکڑ لی اور کچھ حوصلہ کر کے بالآخر ہم اپنی ماں کے پاس جا پہونچے۔ مصور لیسا مجھے بھروسہ ہے کہ تیرا برش کسی چہرہ پر جھوٹ کہ صاف طور پر کھینچ سکے گا؟ اگر ہے۔ تو اپنی کاریگری میری شکل والے لڑکے کے چہرہ پر دکھلا
اُسوقت ہماری ماں کی آنکھیں نہ تو انڈوں کی طرف دیکھ رہی تھیں اور نہ پھڑپھڑاتی ہوئی چڑیا کی طرف بلکہ سیدھی ہماری آنکھوں میں سے ہوتی ہوئی ہمارے دلوں تک پہونچ رہی تھیں وہ بڑے دکھ اور ملامت آمیز حیرت کے ساتھ ہمارے چہروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔
اُسوقت مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے تیز خنجر سے میرے کلیجہ کو چیر ڈالا ہے؟
اب تم جان گئے کہ کاغذ پر تمھیں ایسی چیزوں کو بنانا ہے کہ جو نہایت ہی خوبصورت اور دلپذیر ہیں جنگل، کھیت، شہتوت، ماں، اور اُسکے قدموں میں کھڑے ہوئے چڑیا بیچ ہمہ مقصود اگر تو میری حسب منشا تصویر بنا دے تو تمام عمر تیری تعریف کے گیت گاتا رہونگا!!

(ترجمہ از انگریزی)

گوپال کرشن پاس



دور حاضرہ نے زمین کا جغرافیہ ہمارے بالکل متصل پہونچا دیا ہے لیکن انسان تک ہماری رسائی مشکل کر دی ہے! ہم غیر ملکوں میں جاتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہم وہاں نہیں رہتے! ہم مشکل سے افراد تک پہونچتے ہیں ہم انکو چھوڑ کر خصوصیات عامہ کی جانب دوڑتے ہیں۔ (ٹیگور)



تنقید کتب

باپ کا گناہ

یہ دلکش ڈرامہ احمد شجاع صاحب بی اے علیگ کے پرزور قلم کا نتیجہ ہے، اسمین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بزرگون کے گناہ اولاد کی سزا بنکر ظاہر ہوتے ہین۔

یہ فیصلہ کرنا کہ حکیم صاحب موصوف کہان تک اپنے ارادے مین کامیاب ہوے ہین اس اخلاقی ڈرامے کے مطالعہ پر منحصر ہے، ہماری راے مین حکیم صاحب اپنے مقصد مین بخوبی کامیاب ہوے ہین بلکہ یہ کہنا غلط نہوگا کہ شاید ایسا ڈرامہ آجتک اُردو مین لکھا نہین گیا۔

اُردو زبان مین مخرب اخلاق ڈرامون کی کثرت ہے۔ عام طور پر ڈرامون مین درستیٔ اخلاق کی طرف بہت کم توجہ کیجاتی ہے اور جہان توجہ کیجاتی ہے وہان بہت ہی بھدے طریقے سے۔ خوبی کے لحاظ سے بھی اُردو کے ڈرامے کوئی حیثیت نہین رکھتے ہین۔

عموماً ڈرامانگار حضرات مقفٰے عبارت اور غیر سنجیدہ ظرافت کو ڈرامے کی روح رواں خیال کرتے اور موسیقی کو ڈرامے کی خوبیون کا جزو اعظم سمجھتے ہین۔ بعض اوقات مختلف قسم کے سین جو ایک دوسرے سے بالکل بیجوڑ اور علیحدہ ہین ایک ساتھ ملا دیے جاتے ہین چنانچہ اکثر دیکھنے مین آیا ہے کہ تھیٹرون مین کرب و بےچینی کے موقع پر بھی ایسے مذاقیہ سین پیش ہوتے اور ترانے گاے جاتے ہین جن سے حالات موجودہ کو کوئی خاص مناسبت نہین ہوتی، اور زبان کی پامالی کا مطلق احساس ہی نہین ہوتا۔

لیکن "باپ کا گناہ" ان عیوب سے پاک ہے۔ یہ اخلاق حسنہ کا اتالیق، اور مذاق سلیم کا حامی ہے، زبان شستہ اور خیالات پاکیزہ ہین۔ بھونڈی ظرافت اور غیر ضروری قافیہ پیمائی کا اسمین نام نہین، غرض وہ تمام خوبیان اسمین موجود ہین جو ایک متین، مہذب اور سبق آم

ڈرامے مین ہونا چاہیے۔

کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ حجم ۲۹۲ صفحہ قیمت عـہ

ملنے کا پتہ۔ دارالاشاعت پنجاب لاہور۔

گلابی اُردو

شمس العلما آزاد دہلوی (مرحوم) نے حالت جنون مین جو مسودات تحریر کیئے تھے اُنمین سے دو رسالے سباک ونماک کے نام سے شایع ہو چکے ہین جنکا مطالعہ بلحاظ ادبیت تو بہت دلکش ہے لیکن نفس مضمون کے اعتبار سے دماغ کیلیے ایک پریشان کن معما ہے، کیونکہ بے نتیجہ اور غیر مسلسل فقرون کا دماغ پر اچھا اثر نہین پڑتا اور مطالعہ بے کیف ہو جاتا ہے۔

سباک ونماک کی طرح گلابی اُردو بھی ذوق مطالعہ کی دشمن ہے، اگر کوئی شخص اُسے سمجھکر پڑھنے کی کوشش کرے تو چار صفحون کا مطالعہ بھی مشکل ہو جایگا، مولانا آزاد مرحوم پر جو کیفیت جنون نے طاری کر رکھی تھی، وہی کیفیت یا اُس سے کچھ کم ایک ذیہوش ملّا نے جان بوجھکر اپنے اوپر طاری کرلی ہے خیالات کا اُلجھاؤ اور زبان کی بوقلمونی جو سباک ونماک مین ہے وہی یا اس سے کچھ زیادہ گلابی اُردو مین موجود ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے حالت جنون مین بھی اُردو ادب کا خیال رکھا ہے اور دوسرے نے ہوش مین رکھکر بھی زبان کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔

مقدمہ مین چودھری رحم علی ہاشمی صاحب بی اے نے انصاف کی بہ نسبت دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ آجکل مقدمہ نگاری اظہار خلوص کا ذریعہ بنگئی ہے بعض کتابون کے مقدمے مین مدح سرائی اور اظہار محبت کے جذبات اسطرح موجزن نظر آتے ہین کہ مقدمہ و قصیدہ مین سوائے نظم و نثر کے کوئی اور امتیاز باقی نہین رہتا۔ اس کتاب کیلیے جو مقدمہ لکھا گیا ہے وہ خوب ہے اور اگر بیجا تعریفون کی آمیزش نہ ہوتی تو یہ محققانہ و ادیبانہ تحریر بہت قابل قدر ہوتی۔

یہ سچ ہے کہ ظرافت نہایت مزے کی چیز ہے، لیکن ایسی ظرافت جس سے دماغ کے ساتھ زبان پر بھی برا اثر پڑے ہرگز التفات کی مستحق نہین ہے۔ گلابی اُردو مین اگر کسی حد تک ظرافت تسلیم بھی کرلی جائے تو اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ وہ بلحاظ ادب اُردو زبان کیلیے سم قاتل ہے۔ مثال کے طور پر گلابی اُردو کا یہ فقرہ ملاحظہ فرمائیے۔

پس ضرور کرکہ جب سلسلہ سوالون ہمارے کا اور بزدلی علما تماریک خیال کی اوپر
انتہا کے پہونچی تو ہنس پڑے آنریبل وزیر حسن اور کہا کہ اے ملا رموزی صاحب
ہمیشہ ہوجیو سایہ تمھارا اور مصطفےٰ کمال پاشا کا اوپر سرہمارے کے، خبردار ہو تم کہ نہین
آیا بیچ عراق کے گریہ بھر گیا دل میرا رنج سے۔

اس تلمیحی عبارت کا یقیناً دماغ پر کوئی اچھا اثر نہین پڑ سکتا اور نہ ظرافت کی چاشنی آ
کوئی چٹخارا پیدا کر سکی ہے، کوئی معما کتنے ہی ظریفانہ انداز مین لکھا گیا ہو لیکن جب اسکے حل کرنے
ضرورت ہوتی ہے تو ظرافت کا لطف باقی نہین رہتا۔

بہرحال گلابی اُردو مین واقعات کا ایسا گورکھ دھندا پیش کیا گیا ہے جسکا سلجھانا بغیر
معلومات کے ناممکن ہے۔

ظرافت بُری چیز نہین، وہ طبیعت کو بھی خوش کرتی ہے اور زبان کی بھی خدمت کرتی ہے
اگر ایک طرف ملکی و سیاسی معاملات مین خاص حصہ لیتی ہے تو دوسری طرف مذہبی و قومی خدمات
کو بھی انجام دیتی ہے۔ منشی سجاد حسین مرحوم (اڈیٹر اودھ پنچ) نے ظرافت کے پیرایہ مین قوم
ملک کے ساتھ جو زبان کی خدمت کی ہے، وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہین، نقیب پریس نے
بعض کتابین اچھی بھی شایع کی ہین۔ گلابی اُردو کے ساتھ ہی ریویو کیلیے ہمارے پاس ایک
ہنسی کی کتاب **منصوری** کے نام سے آئی ہے۔ جو سجیدہ ظرافت اور پاکیزہ خیالات کے لحاظ
قابل قدر ہے۔ قیمت گلابی اُردو ۸/ قیمت منصوری ۶/
نقیب پریس بدایون سے مل سکتی ہے۔

مسدس حالی۔ مع ضمیمہ و عرض حال پاکٹ اڈیشن قیمت ۶/

عثمان مریم۔ جسمین جنگ صلیبی کا نظارہ اور سلاطین یورپ کے مختصر سوشل حالات
کے ساتھ پردہ نسوان کا ذکر ہے قیمت ۸/

جہان آرا بیگم۔ بنت شاہجہان کی سوانح عمری۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ منیجر زمانہ بک ایجنسی کانپور۔

شاعری

...عری کیا ہے اک احساس قوانین وجود — دل کے جذبات کا اظہار بنا سد قیود
...ہن ہے دلِ شاعریت فطرت معبود — جلوہ پیرائے ازل کا ہے یہان حسن نمود

جب نظر راز کے پردون سے گذر جاتی ہے
دل کے آئینہ پہ تصویر اُتر آتی ہے

...تصویر کا اک رُخ ہے یہ دُنیائے لطیف — ناظم کون مکان ہے یہ ہے اسکی تعریف
...زبان اسکے ادا کرنے کو اک جز وضعیف — منبرِ بارگہ خاص ہے یہ فنِ شریف

پردہ اسرارِ مجازی کا اُٹھانے والا
آئینہ روئے حقیقت کو دکھانے والا

...ہے شاعر کا کہ اک منزلِ انوار جمال — اور جولانگہِ دل وسعت میدان خیال
...زن ہوتا ہے جب مستِ سخن صاحب قال — بزم فطرت مین ہر ایک چیز کو آجاتا ہے حال

کوہ جھک جاتے ہین اشعار کی موسیقی سے
چشمے رُک جاتے ہین اشعار کی موسیقی سے

...مع دل وجان دائرۂ شعر مین ہے — وسعتِ کون ومکان دائرۂ شعر مین ہے
...برق طپان دائرۂ شعر مین ہے — الغرض سارا جہان دائرۂ شعر مین ہے

جس بلندی پہ فرشتون کے بھی پر جلتے ہین
سچے شاعر اُسے ٹھکراتے ہوے چلتے ہین

...ہوجائے ادا دل کا جو پورا مفہوم — فرش تو فرش ہے ہو عرش پہ بھی شعر کی دھوم
...وت ہو زمانے سے سراسر معدوم — کیا کہون آپ سے خود آپ مین دانائے علوم

دل مین چُبھ جاتے ہین جو تیر سے اشعار وہ ہین
قلب پر جاتے ہین تاثیر سے اشعار وہ ہین

پیاری اردو تری محفل مین سخنور کم ہین — سنگریزے تو بہت ملتے ہین جو ہر کم ہین
چوٹ لگ جائے جن اشعار سے دل پر کم ہین — جنمین پنہان ہون خیالات کے دفتر کم ہین

میر سمجھا تھا فقط معنے اسرار سخن
ختم غالب پہ ہوئی گرمی بازار سخن

اللہ اللہ یہ رہی وسعتِ دامانِ غزل — بلبل و گل ہی پہ موقوف نہین شانِ غزل
ختم پنہاے دو عالم پہ ہے پایانِ غزل — پوچھیے حافظِ شیراز سے امکانِ غزل

ضبط ہے آئینۂ رازِ حقیقت اسمین
یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا کی ہے وسعت اسمین

اپ حسنِ میکدۂ علم کے ہین بادہ پرست — مدتون مین بھی رہا ہون اسی مے سے سرمست
اپنے ساقی سے ہے لیکن یہ شکایت سردست — چند ہی روز مین کی محفلِ احباب شکست

چل دیے چھوڑ کے دریا کو سفینے والے
منتشر ہو گئے سب ساتھ کے پینے والے

شعرا جنسے بڑھی عزت و شانِ اُردو — جنکے قدمون سے ہر آباد جہانِ اُردو
نغمۂ شعر سے مسرور ہے جانِ اُردو، — ہے اس احسان سے گرانبار زبانِ اُردو

محفلین شعر کی بجاتی ہے ایوان ادب
ہونا آتا ہے مہتیا یونہی سامانِ ادب

مجلسِ شعر کہان اور مین ناچیز کہان — آپ کی ذرہ نوازی کا ہے شکر احسان
قابل عفو ہے یہ سمع خراشی بھی یہان — خدمتِ اہل کرم فرض سمجھتا ہے روان

شکریہ آپ کی اِس لطف کی مہمانی کا
شکریہ آپ کی اِس دعوت روحانی کا

جگت موہن لال رواں

* * *

جذبات ناشاد

ازبابو رام پرشاد کھوسلہ ایم۔ اے (آکسن) آئی ای ایس

نہ کبھی حاجت احسان مسیحا مجھکو
نہ کبھی شوق نظربازی مہوشے مجھکو

نہ کسی شمع رخ حسن کا پروانہ ہون
نہ کسی بزم مین جلنے کی تمنا مجھکو

نہ ہوس ہے کسی چوکھٹ پہ جبین سائی کی
نہ کسی شوخ کے دربان سے تقاضا مجھکو

نہ کیا چاک کبھی عقل کا دامان مین نے
نہ جنون مجھکو نہ ہے عشق کا سودا مجھکو

نہ کسی چشم فسون ساز کا دیوانہ ہون
نہ کسی کی نگہ ناز نے مارا مجھکو

نہ نکلتی ہے مرے سینہ سے آہ و افغان
نہ ستاتا ہے کبھی درد جگر کا مجھکو

نہ تپ عشق کی گرمی سے جگر سوختہ ہون
نہ کبھی آہ شرربار نے پھونکا مجھکو

نہ غرض مجھکو جفا سے نہ وفا سے مطلب
نہ مین عاشق ہون نہ ہے عشق کا دعوی مجھکو

نہ شکایت ہے مجھے دور زمان کی ناشاد
نہ کبھی گردش افلاک کا شکوا مجھکو

جدائی

رت ہے برسات کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے
موسم عیش مین ہوتا ہے وہ دلدار جدا

پھر پریشان ہوا مجموعہ خاطر میرا
پھر ہوا صبر و سکون سے یہ دل زار جدا

مشغلہ دست و گریبان کا ہوا پھر جاری
دامن و جیب کے ہونے لگے پھر تار جدا

ماتم و گریہ کے پھر کام مین مصروف ہوے
دل آشفتہ جدا دیدہ خونبار جدا

وقت رونے کا ہے حسرت کا سمان چھایا ہے
اپنے عیسی سے جو ہوتا ہون مین بیمار جدا

تو بہار است و من و یار سادہ بہ وداع
من جدا گریہ کنان ابر جدا یار جدا

ابن الحسن فکر۔ ایم۔ اے

لطفِ سخن

نتیجۂ فکر مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

جب دل گداز عشق کی امداد سے ہوا — جو لطف سے وہی تری بیداد سے ہوا
ثابت آخر یہ عشق کی افتاد سے ہوا — خوشنود وہ فقط دلِ ناشاد سے ہوا
برتر تمام عالمِ ایجاد سے ہوا — وہ دل جو خاک حسرتِ بیداد سے ہوا
خون بستہ آنکھیں کیا کرون تبلائے جائیے — گریہ تو ضبط آپ کے ارشاد سے ہوا
اُسکی حیات اُسکے لیے تازیانہ ہے — غافل جو بدنصیب تری یاد سے ہوا
باقی مئے الست کا ابتک خمار ہے — پیمانہ دل کا چور تری یاد سے ہوا
پھرتا ہون مین بغل مین گلستان لیے ہوے — ہر داغ دل کا پھول تری یاد سے ہوا
شاید کہ روح کر سکے اُسکی مصوری — وابستہ جو خیال تری یاد سے ہوا
پیدا ہوئی خارش مژہ تیز تیز کی — سودا زیادہ نشترِ فصاد سے ہوا
گلشن کو پھونک دے قفسِ تن کو توڑ دے — نالہ نہ ایسا مرغ چمن زاد سے ہوا
آباد ہو گیا جو یہ برباد ہو گیا — تعمیر شہر دل کی بنیاد سے ہوا
پھولون کے بدلے ڈال دی ایک ایک مشت خاک — جب مین روانہ گلشنِ ایجاد سے ہوا
تیشے مین جذب ہو گئین سب دل کی قوتین — کارِ عجیب عشق مین فرہاد سے ہوا
چھوٹتا ہے قید سے وہ صید ناتوان — جو خود اسیر خاطر صیاد سے ہوا
نالے کے ساتھ روح بھی پرواز کر گئی — اندازہ میرے ضبط کا فریاد سے ہوا
اُس شوخ سے نباہ کوئی بات ہے اثر — اتنا ہوا تو صبر کی امداد سے ہوا

یہ غزل جولائی گذشتہ کے ایک مشاعرے مین پڑھی گئی تھی۔

نتیجۂ فکر جناب محشرؔ لکھنوی

مسرور اتنا عشق کی بیداد سے ہوا — شکوہ نہ موت کا دلِ ناشاد سے ہوا

دل جتنا دردمند تری یاد سے ہوا — غم سے ہوا نہ شورشِ فریاد سے ہوا

صورت نگارِ حسن مطالب تھا ہر نفس — قبضہ خدائی بھر پہ تری یاد سے ہوا

آخر جبین عرش شکن در شکن ہوئی — کیا کیا نہ میری قوتِ فریاد سے ہوا

آوازۂ دورباش ہے جاتا ہے جس طرف — شاید کہ تو خفا کسی ناشاد سے ہوا

مجموعہ چند خون کے قطروں کا دل نہ تھا — جو دل ہوا وہ صرف تری یاد سے ہوا

قائم مزاجِ حسن نہ ہوتا بذاتِ خود — جو کچھ ہوا وہ عشق کی بنیاد سے ہوا

اُس دل کی روزِ حشر خدائی تھی چارہ ساز — زخمی جو اُنکے ناوکِ بیداد سے ہوا

روحِ جنون جو خون تھا ابتک رگوں میں ہے — کچھ بھی نہ کام نشترِ فصاد سے ہوا

اُنکی جفائے ناز پہ ہے شورِ مرحبا — رسوا میں جنبشِ لبِ فریاد سے ہوا

محشر میں کوئی شے نہ غزل میری کوئی چیز
حسنِ قبول ذوقِ خداداد سے ہوا

نتیجۂ فکر جناب مولانا آزاد سبحانی

وہ مست عیش میں حفظ لحاظ و پاس رہے — خروشِ قلب سے کہدو ادا شناس رہے

بہار کیلئے کرنی ہے آرزوئے خزاں — رہے بلا سے چمن کچھ دنوں اُداس رہے

حیات رہتے ہوئے مرگ ناامیدی کیا — بدن میں سانس اگر ہے تو دل میں آس رہے

مکان دل کے لیے آج فیصلہ ہوجائے — کہ اس میں عشق رہے یا غمِ ہراس رہے

ہے بزمِ جلوۂ جاناں حواس برہم کن — خدا حواس اگر دے وہاں حواس رہے

رہِ جنون میں نہیں منزلِ قرار کوئی — قدم طلب کا برابر طلب شناس رہے

بیادِ حسرتِ محبوس جام پیتا ہوں — معینِ کارِ جنونِ علی و داس رہے

جگہ تو حسرتِ قیس زماں کی تم آزاد — نہ ہو کہ مسندِ شوریدگی اُداس رہے

علمی نوٹ

اس پرچہ مین شاعری پر جو نظم حضرت روان کی ہدیۂ ناظرین ہوئی ہے وہ ۲۴ - مارچ ۱۹۲۲ء کو کیننگ کالج لکھنؤ کے مشاعرہ مین پڑھی گئی تھی - ہمارے دوست میر مشاعرہ تھے اور اسی نظم سے مشاعرہ کا افتتاح ہوا تھا

جولائی نمبر کے بعض مضامین کے متعلق ہمارے پاس چند اعتراضی خطوط آئے ہین - ہمارے دوست کرنل بھولا ناتھ صاحب آئی ایم ایس نے مکرمی نواب خاقان حسین صاحب عارف کے مضمون "عمر خیام" پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نواب صاحب کا یہ تحریر فرمانا کہ سلطان محمود غزنوی نے عمر خیام کا شہرۂ کمال سنکر غزنی بلا بھیجا - درست نہین ہو سکتا ہے - اسلیے کہ عمر خیام نظام الملک شاہ سلجوقی کے عہد مین ہوا ہے جو سلطان محمود غزنوی سے قریب قریب سو سال بعد مین گذرا ہے -

---

جولائی نمبر کے مضمون "برادران ہنود کی شاعری" کے متعلق بھی خطوط موصول ہوے ہین کہ زمانہ صفحہ ۳۰ پر منشی ہرگوپال تفتہ کو برہمن لکھا گیا ہے مگر یہ غلط ہے - تفتہ مرحوم کائستھ عقیدتاً آریہ تھے - انکا وطن سکندر آباد ضلع بلند شہر تھا - اور ابتک انکے عزیز و اقارب موجود ہین - منشی لچھمن سروپ تحصیلدار بھی جو تفتہ صاحب کے رشتہ دار ہین اسکی تصدیق فرماتے ہین -

ہمکو امید ہے کہ مضمون نگار زمانہ مضمون لکھتے وقت زیادہ تحقیق سے کام لیا کرینگے -

---

زمانہ بابت جون ۱۹۲۲ء مین ہمارے دوست مرزا جعفر علیخان صاحب کا ایک تنقیدی مضمون "میر مونس و سلطان عالیہ" پر شائع ہوا ہے - اور اسکے ساتھ چند تمہیدی سطرین بھی ہدیۂ ناظرین ہوئی تھین جنمین یہ لکھا گیا تھا کہ جناب افضل حسین ثابت لکھنوی نے حیات دبیر مین میر مونس و سلطان عالیہ کے دو ہمطرح سلامونکا تقابل کرکے میر مونس کے سلام پر چند اعتراضات وارد کردیے ہین اسپر افضل صاحب کا ایک مفصل خط موصول ہوا ہے جسمین آپنے تحریر فرمایا ہے کہ آپنے میر مونس پر کوئی اعتراض نہین کیا ہے اور نہ دونون سلامون کے کل اشعار کا تقابل کیا ہے ہمکو افسوس ہے کہ تمہیدی عبارت سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ مصنف صاحب حیات دبیر نے پورے سلامون کا موازنہ کیا ہے - حالانکہ صرف چند اشعار کا تقابل کیا گیا ہے -

زمانہ

جلد ۳۹ — اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۱۰

بین الاقوامی قرضے پر جنگ کا اثر

جنگ کے قبل برطانیہ عظمیٰ ایک بڑا قرضخواہ ملک تھا۔ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں مین کوئی
ایسا نہ تھا جو برطانیہ سے قرض لینے کا خواہشمند نہ ہو اور جسکو برطانیہ ترقی کرنیکے وسائل قرض
نہ دیتا ہو۔ اسی لیے سال بسال برطانیہ کی درآمد سے اسکی برآمد بہت بڑھی ہوتی تھی۔ اس برآمد
مین مال اور سروس دونون شامل سمجھنا چاہیئے۔ سب سے بڑی سروس جہازرانی کے ذریعہ ہوتی تھی جو
جنگ کے قبل دنیا کی نصف تجارت کے باربردار تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء تک برطانیہ کا دیگر ممالک مین
لگا ہوا روپیہ برابر ترقی کر رہا تھا یعنی ہر سال برطانیہ باہر لگے ہوئے روپیہ مین اضافہ کرتا تھا۔
سنہ ۱۹۱۴ء تک اس زر کی مقدار چار ہزار ملین پونڈ یا ساٹھ ارب روپیہ کے قریب تھی۔ یہ رقم
دیگر ممالک مین قدرتی ذرایع اور صنعتی وسائل کی ترقی مین خرچ ہوئی تھی اسلیئے قرضداروں کو
اسپر سود ادا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ سود ادا کرنے مین مشکل کا سامنا صرف اسوقت ہوتا ہے جب
زر اصل فضول کامون مین برباد کیا جائے۔ فرض کیجیے ہندوستان نے ریلین بنانے کیلیئے
کچھ روپیہ انگلستان سے لیا۔ ریل کے ذریعہ ہندوستان سے خام پیداوار کی برآمد مین اضافہ
ہوا اور بمبئی کلکتہ اور دیگر بندرگاہون پر آئے ہوئے ولایتی مال کی اندرون ملک تقسیم کرنے مین
سہولیت ہوئی اور اسطرح تجارت درآمد برآمد ہند کو ترقی ہوئی۔ ملک کے اندر آمد و رفت

مین ترقی ہوئی - اس سب کا نتیجہ ریل کی آمدنی مین ظاہر ہوا - اس آمدنی سے جنگ کے پیشتر کمپنیون کا سود اور منافع نکال لینے کے بعد بھی سرکار ہند کو اچھی خاصی رقم پس انداز ہوتی تھی - اور سود کی ادائگی کی صورت گیہون - روئی تلہن وغیرہ خام اشیار کے برآمد کی صورت مین ہوتی تھی -

دنیا مین انگلستان سب سے بڑا قرضخواہ ملک تھا مگر صرف ایک یہی نہ تھا - دوسرا نمبر فرانس کا تھا اور تیسرا جرمنی کا - چوتھا اور پانچوان نمبر ہالینڈ اور بلجیم کا تھا - ان پانچون ممالک کی تجارت غیرملکی کی یہ خصوصیت تھی کہ دیگر ممالک سے خام مال اور اشیاء خوردنی لیکر انکو بدل مین اپنی مصنوعات بھیجتے تھے - تجارت کی اس تقسیم کی وجہ دریافت کرنا کچھ مشکل نہین ہے - یہ بات مسلمہ ہے کہ مصنوعات پر منافع کی شرح خام مال اور اشیاء خوردنی کی پیداوار کی شرح منافع سے زیادہ ہوتی ہے - اسلیے جن ملکون نے مصنوعات مین ترقی کی ہے وہ سال بسال زراصل زیادہ مقدار مین جمع کر سکے ہین - یہ زراصل ایسے ملکون کو قرض دینے مین صرف کیا گیا ہے جنکے قدرتی ذرائع ترقی اور وسعت کے منتظر ہین - قرضون کی مقدار کا اندازہ روپیہ مین کیا جاتا ہے مگر جس شکل مین قرض دیا جاتا ہے وہ برآمد اشیا ہے جنکی وجہ سے غیر ترقی یافتہ ممالک مین ترقی کے در کھلتے ہین یعنی غیر ترقی یافتہ ممالک ترقی کے وسائل یورپین ممالک سے منگواتے ہین مگر زر نہ ہونے کی وجہ سے اُدھار لیتے ہین -

جنگ کے قبل ممالک متحدہ امریکہ کا پوزیشن قرضدار قومون مین سب سے نمایان تھا - ریاستہائے امریکہ اب مصنوعات مین کسی ملک سے پیچھے نہین ہین لیکن جب امریکہ نے یورپ سے قرض پر قرض لیا تھا اُسوقت امریکہ بھی خام مال اور اشیاء خوردنی کی برآمد کرتا تھا - پس یہ اُصول کہ قرض لینے والے ملک خاصکر خام مال اور اشیاء خوردنی کی برآمد کرتے ہین امریکہ کے معاملہ مین بھی پورا اُترتا ہے - جنگ کے قبل امریکہ غیر ممالک کا بقدر آٹھ سو ملین پونڈ یا بارہ ارب روپیہ کا قرضدار تھا - یہ زر امریکہ نے ریلون کی ترقی اور صنعتی وسائل کی نشو و نما کیلیے لیا تھا - اس سے کارخانے اور ریل کھولے گئے جس زمانہ مین یہ قرض امریکہ نے لیا تھا اسمین امریکن تجارت مین خام مال و اشیاء خوردنی کی زیادہ اہمیت تھی - جیون جیون امریکہ کی صنعتین ترقی کرتی گئین

امریکہ غیر ممالک سے کم مقدار مین قرض لیتا گیا یہان تک کہ جنگ کے قبل ہی اُسنے غیر ممالک سے زر قرض لینا بند کر دیا تھا۔ اب بھی ممالک متحدہ امریکہ سے گیہون۔ روئی اور دیگر خام مال کثیر مقدار مین ملک کے باہر جاتا ہے مگر اسمین کمی نمایان ہے اور ساتھ ہی ساتھ مصنوعات کی برآمد روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اگر یورپ مین جنگ نہوتی تب بھی ریاستہاے امریکہ قرضدار قوم سے قرضخواہ قوم بنجاتی۔ جنگ نے صرف اتنی مدد دی کہ سالہا سال کا قرضہ بات کہتے پٹ گیا اور امریکہ دیگر ممالک کا بقدر تین چار ہزار کروڑ روپیہ قرضخواہ بنگیا۔

انڈیا*۔ آسٹریلیا۔ کناڈا۔ جنوبی افریقہ۔ جنوبی امریکہ۔ چین اور دیگر ممالک سب قرضدار ملک ہین۔ انکو خام مال اور اشیا خوردنی کے پیدا کرنے مین ترقی کرنے کی بہت بڑی گنجائش ہے اور اس ترقی کیلیے زر اصل کی ضرورت ہوگی جو قرض سے پوری ہوسکتی ہے لیکن انمین سے ہر ایک ملک کا یہ پختہ خیال ہے کہ اپنی مصنوعات کو ترقی دی جائے اور اُمید کیجاتی ہے کہ ایک عرصہ کے بعد انمین اتنی ترقی ہو جائے گی کہ اپنی ضرورت کی عام مصنوعات اپنے ملک مین بنالین گی۔

انگلستان تقریباً دو صدیون سے دنیا کی مہاجنی کا کام کرتا ہے۔ اور ۱۹۱۴ء تک انگلستان دیگر ممالک مین چار ہزار ملین پونڈ یا ساٹھ ارب روپیہ لگا چکا تھا۔ اسی طرح فرانس کا سترہ سو ملین پونڈ یا پچیس ارب پچاس کرور اور جرمنی کا ایکہزار ملین پونڈ یعنی پندرہ ارب روپیہ دیگر ممالک مین پھیل چکا تھا۔ دیگر قرضخواہ قومون کی زر اصل کی تعداد بین الاقوامی قرض کے نقطۂ نظر سے اہمیت سے مبرّا ہے۔ یہ دیکھنا دلچسپ ہوگا کہ کہان تک قرضخواہ ملکون نے دیگر ممالک مین لگے ہوئے زر اصل سے کام لیا۔ انگلستان نے اسطرح پندرہ ارب روپیہ کا زر قرضہ وصول کیا اور اسکو امریکہ سے مال خریدنے مین صرف کیا۔ اسی طرح فرانس اور جرمنی نے بھی ایک حد تک دیگر ممالک سے زر قرضہ وصول کرکے اپنا کام چلایا۔ کیونکہ اگر ان تین ممالک کا سرمایہ دیگر ممالک مین نہوتا تو انکو بہت سی ضروری چیزین جنگ مین مل ہی نہ سکتین۔ نہ قرض پر اور

* دوران جنگ مین ایک قلیل عرصہ کے لیے ہندوستان قرضخواہ ملک ہو گیا تھا۔ مگر گورنمنٹ کی کرنسی اور ایکسچینج کی پالیسی کا بھلا ہو کہ انگلستان مین ہندوستان کا زر مجتمع ایسے اُڑ گیا جیسے مفت کا مال یاران طریقت کے ہاتھون اڑ جاتا ہے۔ ٹائمس آف انڈیا نے بھی اسکو "قانونی قزاقی" کے نام سے موسوم کیا تھا۔

اشیا کے تبادلے مین کیونکہ مقروض ممالک کیلئے یہ ایک موقع تھا کہ اپنے قرضہ کے تمسک قرضخواہون سے خریدین اسوقت جبکہ قرضخواہ مصیبت مین تھے اور چیزون کی قیمت مین ان تمسکات کے سوا قرضخواہ ملک کے پاس نقد روپیہ دینے کو نہ تھا۔

جنگ کیوجہ سے قرضخواہ اور قرضدار ممالک مین جو نئے رشتے پیدا ہوگئے ہین اُنکی طرف توجہ منعطف کرانیکے قبل یہ پھر کہدینا ضروری ہے کہ ابھی تک قرضخواہ ممالک صرف وہی تھے جنکی صنعتی ترقی عرصۂ دراز ہوا ہوچکی تھی۔ یہ صنعتی ترقی کی چوٹی پر والے ملک اپنی مصنوعات کی افزونی کو دیگر ممالک کو اُدھار دیدیتے تھے۔ دیگر ممالک کی پیدائش دولت مین اُن سے اضافہ ہوتا تھا۔ سود خام مال و اشیا خوردنی کی شکل مین ارسال کیا جاتا تھا۔ دوران جنگ مین جو قرضے ہوگئے ہین وہ ان قرضون سے بہت کم مشابہ ہین جنکی بابت ابھی تک بحث کیگئی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرضے گورنمنٹون کے درمیان لیے دیے گئے ہین۔ تجارت کے معمولی دور کی گردشون مین نہین بلکہ ملکون کی پلٹیکل قسمت کے اُلٹ پھیر مین۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہان بیشتر کے قرضدار ایسے ممالک تھے جو خام مال اور اشیا خوردنی برآمد کرتے تھے۔ یہ نئے قرضدار ایسے ہین جو زیادہ تر ایسے ممالک ہین جو مصنوعات مین فضیلت کے درجہ پر پہونچ چکے ہین۔ ان ممالک مین پہلے ہی سے خام مال و اشیا خوردنی کی پیداوار ناقابل اطمینان رہی ہے پس سود اور زر اصل کی بیباقی مصنوعات کی شکل مین ہوسکتی ہے۔ سود یا زر اصل کی وصولیابی اس بات پر منحصر ہے کہ قرضخواہ ممالک یا دیگر ممالک قرضدار ممالک کو خام مال اور اشیا خوردنی مہیا کرین۔ تیسری بات یہ ہے کہ نئے قرضہ کی مقدار بیشتر کے تجربہ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ آجکل جرمنی دنیا کا سب سے بڑا قرضدار ملک ہے اسکے قرضہ کی تعداد چھ ہزار سات سو پچاس ملین پونڈ یعنی پندرہ روپیہ فی پونڈ کے حساب سے ایک سو ایک ارب پچیس کرور روپیہ ہے جبکہ جنگ کے قبل دنیا کا سب سے بڑا قرضدار ملک امریکہ تھا جسکے قرضہ کی تعداد صرف آٹھ سو ملین پونڈ یعنی بارہ ارب روپیہ تھی۔

پس یہ ایک نئی حالت ہے جسکا کہ کل دنیا کی اقتصادی حالت پر بہت بڑا اثر پڑیگا ملکون کے درمیان جو یہ قرض کی زنجیر پڑ گئی ہے اُسکو توڑنے کیلیے جس سامان کی ضرورت ہے اسکو مہیا

کرنے مین ممالک مقروضہ کی صنعت و حرفت پر بہت برا اثر پڑیگا۔ انگلستان کی حالت اس امر کی شاہد ہے۔ انگلستان کو زر قرضہ پر سود ملنے سے دو نتائج پیدا ہوئے (۱) خام مال ملنے سے انگلستان کی صنعتون کی نشو و نما ہوئی (۲) اشیاء خوردنی بہم پہونچنے سے انگلستان کی زراعت کا دیوانہ نکلا۔ اس بات کے دُہرانے کی ضرورت نہین کہ انگلستان کو سود کی وصولیابی مین انھین دو چیزون سے سابقہ پڑا کیونکہ جنکو روپیہ قرض دیا تھا وہ سوائے انکے اور کوئی چیز نہین دسکتے تھے جرمنی* اور فرانس کا بھی اس معاملہ مین یہی تجربہ ہے مگر انگلستان پر اقتصادی اسباب اور اُنکے نتائج کا اثر صاف صاف ظاہر ہوا کیونکہ جنگ کے قبل تک انگلستان آزاد تجارت کے اصول کا پیرو تھا اور جرمنی اور فرانس محفوظ تجارت کے اصول کے عامل تھے۔

قبل اسکے کہ ہم نئے بین الاقوامی زر قرضہ کے اقتصادی اثرات کا موازنہ کرین اُسکی مقدار کا اندازہ لگا لینا ضرور ہے۔ یہ اندازہ رائٹ آنریبل آر میکینا نے پونڈ اسٹرلنگ مین لگایا ہے مگر وہ فرماتے ہین کہ چونکہ مروجہ پونڈ کی قیمت دنیا کے صرافونین گھٹ رہی ہے اسلیے سوائے ان قرضونکے جو انگلستان کو ملنا ہین اور کل زر قرضہ مین ۲۵ فیصدی کا اضافہ کر لینا چاہیے۔ جرمنی کو تاوان جنگ مین چھ ہزار چھ سو ملین پونڈ یعنی ننانوے ارب روپیہ دینا ہے اسکے علاوہ اسکو ایکسو پچاس ملین پونڈ یعنی دو ارب پچیس کرور جملہ ۶۷۵۰ ملین پونڈ یعنے ایکسو ایک ارب پچیس کرور دینا ہے۔ امریکہ کو کل زر قرض دو ہزار دو سو چالیس ملین پونڈ یعنی ۳۳ ارب ساٹھ کرور روپیہ واجب الادا ہے اسکا حساب حسب ذیل ہے۔

انگلستان سے	۹۴۸	ملین پونڈ
فرانس سے	۷۶۰	” ”
اٹلی سے	۳۶۹	” ”
دیگر	۱۶۳	” ”
جو امریکہ کو ملنا ہے	۲۲۴۰	” (اسمین جو روس سے ملنا ہے شامل نہین ہے)

*ہندوستان کو اس بیان سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے کیونکہ یہ انگلستان کی صنعتی پالیسی کا نتیجہ ہوا کہ ہندوستان کی صنعتین معرض زوال مین آئین۔ ہندوستان کی ململ۔ جامدانی شال دوشالے و دیگر قسم کی صنعتین سب برٹش حکومت مین زوال پذیر ہوئین۔

اسکے علاوہ فرانس کو ۵۵۰ ملین پونڈ اور اٹلی کو ۴۶۷ ملین پونڈ انگلستان کو ادا کرنا ہے یعنی انگلستان کو جو رقم امریکہ کو ادا کرنا ہے اُس سے بقدر ۵۰ ملین پونڈ زائد فرانس اور اٹلی سے ملنا ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی رقمیں ہیں جو انگلستان کو واجب الادا ہیں مگر یہ سب بھاری نہیں ہیں۔ فرانس کو ۷۰۰ ملین پونڈ امریکہ کو اور ۵۵۰ ملین پونڈ انگلستان کو کل ۲۱۷ ملین پونڈ ادا کرنا ہے جنگ کے قبل اسکو دیگر ممالک سے ۷۰۰ ملین پونڈ واجب الادا تھے جنگ کے بعد فرانس بین الاقوامی قرضہ کو ادا کر کے بھی ۵۰۰ ملین پونڈ کا قرضخواہ رہتا ہے جبکہ انگلستان کم سے کم تین ہزار ملین پونڈ کا قرضخواہ رہتا ہے۔ کیونکہ انگلستان ۱۹۱۴ء مین چار ہزار ملین پونڈ کا قرضخواہ تھا۔ دوران جنگ مین اسنے ایک ہزار ملین پونڈ کے تمسکات نکال ڈالے۔ فی الحال جو اسکو امریکہ کو دینا ہے اُس سے زیادہ اُسکو ملنا ہے۔ پس انگلستان کے بین الاقوامی قرضہ مین صرف ایکہزار کی کمی ہو گئی۔ اور اسکو تین ہزار ملین پونڈ یعنی ۴۵ ارب روپیہ واجب الادا رہے۔

یعنی جنگ کے بعد بھی انگلستان کو محض سود مین سوا دو ارب روپیہ کی رقم دیگر ممالک سے آتی رہے گی اگر پانچ فیصدی کا سود لگایا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کی مالی حالت مین جنگ کی وجہ سے ضعف نہین آیا ہے۔

بین الاقوامی قرضے کی مد مین جتنے ممالک کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب صنعتی ملک ہین۔ اور جو باتین بین الاقوامی تجارت کے ضمن مین ایک کی بابتہ کہی جا سکتی ہین وہ دوسرون پر بھی عاید ہو سکتی ہین۔ ان سب مین جرمنی ایک ملک ہے جو مصنوعات مین ایک سخت حریف کی حیثیت رکھتا ہے اسکا قرضہ بھی سب سے زیادہ گرانبار ہے اسکی ادائگی سے جو نتائج مترتب ہونگے وہی ایک حد تک دوسرے ممالک مین بھی ظہور پذیر ہونگے مگر ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اقتصادی نتائج کا ظہور پذیر ہونا حالات مفروضہ پر منحصر رہتا ہے اگر واقعی حالات مین تبدیلی آگئی تو جن نتائج کی اُمید کیجاتی ہے اُس سے مختلف ہو جاتے ہین۔

اب تاوان جنگ کی اسکیم پر غور کیجئے۔ جرمنی کو ننانوے ارب روپیہ ادا کرنا ہے۔ یہ کثیر رقم جرمنی کو اتحادیون کو اس نقصان کی بابتہ ادا کرنا ہے جو جنگ سے اتحادیون کو بربادی مال مین اٹھانا پڑا۔ رقم اتنی کثیر ہونے پر بھی جان و مال کے کل نقصان کی تلافی نہین کر سکتی۔ اسی سے تو

اتحادیون مین ایک عرصہ تک ننانوے کا پھیر رہا تاوان جنگ ادا کرنے کی اسکیم یہ ہے کہ فی الحال جرمنی پہلی قسط ایک سوملین پونڈ یعنی بقدر ڈیڑھ ارب روپیہ ادا کرے۔ اسکے علاوہ اپنے یہان سے برآمد پر ۲۶ فیصدی کا محصول لگادے اور جو کچھ محاصل ہو اسکو اتحادی کمیشن کے حوالہ کردے۔ اتحادی اس کل رقم کو سود بحساب پانچ فیصدی اور سنکنگ فنڈ* بحساب ایک فیصدی کی ادائگی مین صرف کرینگے۔ یہ سود اور سنکنگ فنڈ ان تمسکات کی بابتہ ہوگا جو جرمن گورنمنٹ بتدریج بقدر ۶۶۰۰ ملین پونڈ جاری کریگی۔ تمسکات کی پہلی دو اقساط پر سود اور سنکنگ فنڈ کا اندازہ ۱۵۰ ملین پونڈ یعنی سوا ارب روپیہ سالانہ کیا گیا ہے۔ اگر اس رقم سے زائد وصول ہوگا کیونکہ برآمد کی ترقی پر محاصل جنگی مین بھی اضافہ ہوگا تو فاضل رقم اور تمسک جاری کرنے مین کام مین لائی جائیگی جبتک کہ انکی تعداد ۶۶۰۰ ملین پونڈ نہ پہونچ جائیگی۔ سوملین پونڈ یعنی ڈیڑھ ارب روپیہ کی مقدم قسط کی ادائگی مین کمیشن تاوان جنگ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو رقم معہودہ تک جس قسم کا مال چاہے تاوان مین لے لے۔ تاوان جنگ کے علاوہ جو کچھ جرمنی کو ادا کرنا ہے اسکے لیے رقم محصول برآمد کے محاصل مہیا کرینگے۔

پانچ فیصدی کے حساب سے ۶۶۰۰ ملین پونڈ پر ۳۳۰ ملین پونڈ تو سود ہوا اور ایک فیصدی کے حساب سے ۶۶ ملین پونڈ سنکنگ فنڈ یہ کل رقم ۳۹۶ ملین پونڈ ہوئی پس اس سے ظاہر ہے کہ جرمنی کو کبھی بھی ۴۰۰ ملین پونڈ سالانہ یعنی ۶ ارب روپیہ سالانہ سے زائد نہین ادا کرنا پڑے گا۔ یہ زیادہ سے زیادہ سالانہ رقم ہے۔ کم سے کم رقم ۱۵۰ ملین پونڈ یعنی ۲¼ ارب روپیہ ہوتی ہے ۲¼ ارب روپیہ سے آغاز کرکے جرمنی کو بتدریج ادائگی کی رقم مین اضافہ کرنا ہوگا یہانتک کہ چھ ارب سالانہ کی ادائگی کرنا ہوگی جب تک کہ ننانوے ارب پورے نہو جائین۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ گران بہار قم جرمنی کیونکر ادا کرسکتا ہے؟ اسکا جواب سوا اسکے کیا ہو سکتا ہے کہ ادائگی یا تو مال کی شکل مین ہوسکتی ہے یا کام کی شکل مین جرمنی سے نقد اسی وقت لی سکتا ہے جب جرمنی کا مال فروخت ہوکر اسکے نقد دام ملین۔ مال اور کام ہی دو ہی شکل مین ادائگی ممکن ہے۔ مال خام ہو یا مصنوع کیا ہوا۔ کام کی مختلف صورتین ہین۔ انہین تین نمایان

---

* یہ وہ فنڈ ہے جو قرضہ کی ادائگی کے لیے جمع کیا جاتا ہے۔

معلوم ہوتی ہین (۱) جہازون کے ذریعہ باربرداری تجارت کا کام دیگر ممالک کیلئے کرکے۔ (۲) بنک کی سہولتین مہیا کرکے (۳) بیمہ کا کام کرکے۔ مال اور کام کے دو مختلف اشکال کی ادائگی مین مختلف نتائج پیدا ہونا ممکن ہے اسلیے دونون حالتون کو علیحدہ علیحدہ دکھلانا ضروری ہر

اگر جرمنی مال کے ذریعہ ادائگی تاوان جنگ کرے تو کم سے کم رقم ۱۵۰ ملین کی ادائگی کے لیے اسکو ۲۰۰ ملین پونڈ کا مال ملک کے باہر فروخت کرنا چاہیے کیونکہ ۲۰۰ کے مال پر ۲ × ۲۶ = ۵۲ تو محاصل جنگی ہوئی جو اتحادی پہلے ہی نکال لین گے۔ ۲۰۰ ملین پونڈ کا مال فروخت کرنے پر بھی بظاہر جرمنی کو کچھ نہین ملیگا مگر ایسا نہین ہوگا کیونکہ ۱۵۰ ملین کی رقم مین محاصل جنگی بھی شامل ہین۔ اسطرح معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کو ۲۰۰ ملین پونڈ کے مال کے بدل مین تقریباً ۵۰ ملین پونڈ کا مال ملیگا۔ لیکن یہ اُسکی صنعتون کو قائم رکھنے کیلیے کافی نہوگا۔ ۴۰۰ ملین پونڈ جو زائد سے زائد رقم جرمنی کو کسی سال مین دینا ہوگی اُسکے ادا کرنے کیلیے جرمن برآمد کی رقم ۱۲۰۰ ملین پونڈ ہونا چاہیے تاکہ تاوان دیکر بھی مال کی درآمد کافی ہوسکے۔ مگر کیا اتنی حد تک جرمنی کی تجارت برآمد ترقی کرسکتی ہے؟ موجودہ حالات مین اسکی کوئی امید نہین معلوم ہوتی سوائے اسکے کہ جرمن مزدور کم سے کم اجرت پر کام کرنا گوارا کرتے رہین۔ مگر کیا ایسا ممکن ہے؟ آجکل جرمنی مین اصل مزدوری٭ انگلستان کے مقابلہ مین نصف سے زائد نہین ہے تاہم جرمن مزدور انگریزی مزدور کے مقابلہ مین بہتر کام کرتا ہے اور زیادہ عرصہ تک کام کرتا ہے یعنی اُسکے کام کے گھنٹے انگریزی مزدور سے زیادہ ہین۔ انگلستان مین جنگ کے بعد بہت سی ہڑتالین ہوئین اور ان سب کا مقصد یا تو مزدورون کی اُجرت بڑھوانا یا بڑھے ہوے پیمانہ پر مزدوری کو قائم رکھنا تھا۔ لیکن جرمن مزدور اپنی موجودہ قسمت پر شاکر ہے شاید اسوجہ سے کہ جنگ کے بعد کی اُسکی حالت دوران جنگ کی حالت سے بہتر ہے۔ دوران جنگ مین اتحادی ناکہ بندی کی وجہ سے انکو سخت مصیبتون کا سامنا رہا ہے حتی کہ وہ کاغذ کا کپڑا پہننے لگے تھے کھانے کی بہت سی چیزون کی جرمنی مین بدل تیار ہوگئے تھے۔ روغن انکو بمشکل ملتا تھا۔ غرض جو مصیبتین جرمن مزدورون نے اٹھائی ہین وہ دنیا مین کسی قوم نے دوران جنگ مین نہین اُٹھائین۔ پس آجکل جب ذرا بہتر

٭ اس سے مطلب ہے سامان زندگی جو مزدور اپنی اُجرت سے خرید کرسکتا ہے۔

حالت ہے جرمن مزدور قناعت مجسم ہو رہا ہے۔ لیکن کیا ایسا ہی رہے گا جبتک کہ تاوان جنگ ادا نہ ہو جائے؟ یہ بہت اہم سوال ہے صنعت کے نشوونما پانے اور منافع کی شرح بڑھنے اور ملک میں آسودگی کا رواج ہونے پر ضروری ہے کہ جرمن مزدور کے دل میں بھی اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اس کا اندازہ ایک تواریخی مثال سے ہو سکتا ہے ۱۸۷۰ء کے بعد جرمن کی ترقی کا دور بڑی تیزی سے شروع ہوا اسکے پہلے جرمن مزدوروں کی اُجرت انگلستان کے مقابلہ میں بہت کم تھی مگر جنگ کے پیشتر قریب قریب برابر تھی پس جرمن مزدوروں کا اُجرت میں کیلیئے پُر بلند ہونا قدرتی ہے۔ مگر جرمن مزدور جانتا ہے کہ زمانہ جرمنی کا نازک ہے کیونکہ اسکی جنگی پالیسی نے ملک پر تاوان جنگ کا ایسا بار ڈالا ہے کہ جبتک اسکے لیے ہر فرد بشر قربانی نہیں کریگا تاوان جنگ ادا نہیں ہو سکے گا اور اتحادی حملہ آور ہو کر اسکے ملک پر قبضہ کر لین گے اور پھر ملک کی ناکہ بندی کر دینگے۔ پس ایسی حالت کے ہوتے ہوئے ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ جرمن مزدور بغاوت کا علم بلند کرین۔ اس بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جرمن مزدور قانع رہینگے اگر انکو اتنی مزدوری بھی ملے گی کہ وہ اپنی قوت اور کام کرنے کی طاقت قائم رکھ سکین۔

یہ ایک بہت بڑا بحث طلب مسئلہ ہے کہ جرمنی تاوان جنگ ادا کرنے کی قابلیت قائم رکھ سکے گا یا نہین۔ واجب الادا قسطون کے لالے پڑے ہوے مین۔ زر کاغذی[1] بیحد بڑھ رہا ہے اور جرمن سکہ کی قیمت دیگر ممالک کے سکون کے مقابلے مین بہت گر رہی ہے جسکا اثر یہ ہوگا کہ ایک رقم ادا کرنے کے لیے جرمنی کو پیشتر کی بہ نسبت زیادہ دینا پڑے گا۔ زر کاغذی کے اضافہ نرخ کی گرانی لازمی ہے۔ یہ حالات ادائگی تاوان کو اور بھی ناممکن العمل بناتے ہین لیکن اگر ادائگی باقاعدہ ہوتی رہی تو تجارت پر اسکا کیا اثر پڑے گا۔ خاصکر انگریزی تجارت پر کیونکہ انگریزی اور جرمن مقابلہ جنگ کے پیشتر بھی بہت سخت تھا۔

۱۹۱۳ء مین جرمنی کی تجارت برآمد کی مقدار ۵۰۰ ملین پونڈ تھی جسمین سے ۴۲۰ ملین پونڈ کے مصنوعات حال تھے۔ ان مصنوعات کی نوعیت مین انگریزی مصنوعات کی نوعیت سے کوئی فرق نہین ہے جرمنی کی مصنوعات جرمن مین آمد

---

[1] جرمن مارک (سکہ) کی قیمت قبل از جنگ ایک شلنگ کے برابر تھی۔ بعد از جنگ اس کی قیمت مین بہت بڑا تغیر ہوا یعنی جولائی و اگست مین تین پونے تین ہزار مارک برابر ایک پونڈ کے ہو گئے۔ نومبر ۱۹۲۱ء کے ایک ہی ہفتہ مین ایک ارب مارک نوٹون کا اضافہ ہوا تھا اب کل ۹۲۔ ارب اکسٹھ کرور مارک کے نوٹ مروج ہین۔

بقدر چالیس فیصدی آہن و اسپات مشینری اور اسکے حصے۔ اونی اور سوتی کپڑا تھین جبکہ انگلستان مین یہی مناسبت بقدر ستر فیصدی تھی۔ اسکے علاوہ دیگر مصنوعات بقدر ۴۳ فیصدی اور خام مال اور نیم مصنوع مال کی برآمد جرمنی سے بقدر ۳۰ فیصدی تھی۔ یہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہے کہ دنیا کی مصنوعات کی تجارت کا نصف حصہ انگلستان اور جرمنی کے قبضہ مین تھا۔ چونکہ جرمن مال پر ۲۶ فیصدی کی جنگی اتحادیون کے ایما سے عائد کی گئی ہے لہذا جرمنی کیلیے ضروری ہے کہ اپنے حریف کے مقابلہ مین ۲۶ فیصدی کم لاگت پر مال تیار کرے۔ جرمنی کی لاگت کچھ بھی آئے مگر تبادلہ بین الاقوامی کا صریحی نتیجہ یہ ہوگا کہ جبتک مارک کی قیمت گری رہے گی تب تک جرمن مال دنیا کو ارزان پڑیگا اور جتنی زیادہ گری ہوگی اتنا ہی ارزان مال بکے گا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ درآمد مال کی قیمت جرمنی مین گران ہوگی۔ اسلیے خام مال جو جرمنی دوسرے ممالک سے منگوائے گا گران پڑیگا۔ پس ایک طرف تو جرمن مال کی جرمنی کے باہر ارزانی ہوگی اس سے جرمن صنعت کو ترقی لازم آتی ہے۔ دوسری طرف جرمنی کو خام مال گران لیگا اس سے صنعت کو ضعف پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ صرف ایک بات ہے جس سے جرمن صنعت کی ترقی لازمی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مصنوع کیے ہوے مال کی قیمت کا خام مال ایک خفیف جز ہوتا ہے مگر یہ بیان ہر ایک صنعت پر صادق نہین آتا۔ اسلیے جرمن صنعتی ترقی جسپر ادائیگی تاوان جنگ کا انحصار معلوم ہوتا ہے موض خطر مین ہے اور تاوان جنگ کی اُمید بھی ایک حد تک موہوم معلوم ہوتی ہے۔

”کام“ کے ذریعہ بھی جرمنی اپنا تاوان ادا کر سکتی ہے۔ کام کی نوعیت بھی بیان ہو چکی ہے یہ کام بغیر کسی ضعف پہونچانیوالے اور صنعتی ترقی کو لنگ کرنیوالے محاصل کے جاری رہ سکتا ہے مگر اسمین بھی جرمنی کا انگلستان سے مقابلہ ہوتا ہے۔ اُجرت کم ہونے کی وجہ سے جرمن جہازون کی تیاری مین کم صرفہ ہوتا ہے لیکن جو کام اُسنے لیا جاویگا اُسکی اُجرت تو بین الاقوامی شرح کے مطابق ملے گی۔ لہذا اسمین جرمنی کو صرف کی فائدہ ہوگا۔ یہی حال بنکنگ اور بیمہ کے کام کا ہے جرمنی مین یہ کام کرنے کی لاگت مقابلتاً کم آتی ہے۔ اس لحاظ سے جرمن جہازی کمپنیان۔ جرمن بنک اور جرمن بیمہ کمپنیان اتحادیون کے مقابلہ مین کم دامون پر کام کرسکین گی چنانچہ

اتحادیوں کے ان کاموں کو جرمن مقابلہ سے خدشہ رہیگا جرمن کی مصیبت جو کچھ بھی ہوگی
ایک یا دو سال کی ہوگی کیونکہ جہاز بنانے اور کاروبار کے تعلقات قائم کرتے کچھ عرصہ درکار ہوگا
پس واقعات کا یہ پہلو ظاہر کرتا ہے کہ جرمنی ایک یا دو سال بعد بآسانی تاوان جنگ ادا کرسکیگا
اور جرمنی کا فائدہ بھی اسمین ہے کہ تاوان جنگ اوا کرنے کا وعدہ وفا کرتا رہے۔ کیونکہ اسکے بغیر
چارہ نہین۔ لیکن تعجب ہے کہ جرمنی کا تاوان جنگ ادا کرنیکے قابل ہونا اور اسکا وعدہ وفا
کرنا انگریزی بین الاقوامی تجارت کی فوقیت کے منافی ہے یعنی انگریزی تجارت اور صنعت
پر اسکا خراب اثر پڑے گا۔ مگر اس سے مضر نہین۔ تاوان جنگ کا مال ارزان فروخت ہوکر
بالمقابلہ اتحادی صنعتوں کو زوال پہونچائے گا۔ یہ خیال آجکل سوجھ رہا ہے اور بھی ہو رہا ہے کہ
انگلستان نے مسئلہ آزاد تجارت کو خیرباد کہدیا ہے ورنہ انکے واسطے یہ بہت ہی مبارک دن
کہا جاسکتا تھا کہ اپنی ضرورت کے مال کو نہایت ہی ارزان خرید کرسکین۔ مگر انگریزی محب وطن
ارزان مال خریدنے سے اسوجہ سے گریز کرتے ہین کہ وہ اپنے ملک کا بنا ہوا نہین ہے۔ اسی
نقطۂ نظر سے تحریک سودیشی جو ہندوستان مین چل رہی ہے قابل قدر ہے۔ کاش ہر ہندوستانی
بھی اتنا دوراندیش اور محب وطن ملک ہو جتنا ایک انگریزی محب انگلستان ہے۔

انگریزی تجارت برآمد کی مقدار اب ۱۱۰۰ ملین پونڈ سالانہ ہے۔ یہ تجارت مٹی مین ملجاویگی
اگر انگلستان نے ۰۰ ملین پونڈ سالانہ کی رقم تاوان جنگ کو ہاتھ لگایا۔ لیکن سوا ارب روپیہ
کی سالانہ رقم جو بغیر کچھ خرچ کیے ملتی ہو کسکو کاٹتی ہے؟ یہ ضرور وصول کیجاویگی اور ساتھ ہی انگلستان کے
دانایان فرنگ اس بات کا انتظام کرینگے کہ انکی صنعت و حرفت اور تجارت کو ضعف
نہ پہونچنے پائے۔ دانائی اور حب قومی کا یہی تقاضا ہے لیکن کیا یہ انتظام پورا ہوسکتا ہے
جرمنی پر تاوان جنگ باندھنے سے اتحادی جرمنی کو مجبور کررہے ہین کہ وہ انتہادرجہ کی
کفایت شعاری برتے۔ اسی سبب سے جرمنی مین ہر چیز کی لاگت کم آتی ہے۔ پھر بین الاقوامی
تبادلے کے حالات کا اسکو نفع پہونچتا ہے جسکی وجہ سے اسکا مصنوعہ کیا ہوا مال انگلستان اور
دیگر ممالک مین ارزان سے ارزان فروخت ہوسکتا ہے پھر کیا تاوان جنگ کی وصولیابی اور
صنعتوں کا زوال ایک دوسرے کے مترادف ہوگا اور کیا اس سے چھٹکارہ نہین ہے؟

اسکا حل مشکل ہے مگر ناممکن نہیں۔ انصاف تو اسی کا مقتضی ہے کہ جسطرح ایک شخص کو اپنے پڑوسی کو نقصان پہونچانے کی سزا ملتی ہے اسی طرح ایک قوم کو بھی ملے۔ جرمنی کو اس لحاظ سے جنگ کے آغاز کرنے کی اور بربادی پھیلانے کی سزا ضرور ملنا چاہیئے۔ سزا دینے کیلیے سزا دینے کی طاقت ہونا چاہیے۔ اتحادیون مین جرمنی کے مقابلہ مین یہ طاقت ہی۔ طاقت ہونے پر طاقت کے استعمال کرنے پر طاقت والے کا زوال یا کمال کا انحصار رہتا ہے یہ ایک اخلاقی قانون ہے جو ہمہ گیر ہے۔ اسکے اطلاق سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ حالانکہ فتوائے عالم یہ ہے کہ عشق اور جنگ مین سب روان ہے۔ لیکن نُصرت کے وقت فاتح کا کامیابی کے نشہ مین چور ہونا ایک قدرتی امر ہے اور اسی کے تابع اتحادی مساوات کے اُصول کو بالاے طاق رکھکر جرمنی کو ہر طرح سے دبائے رکھنے کے درپے ہین تاکہ پھر خم ٹھوک کر میدان مین نہ آجائے۔

اوپر کہین بتایا جاچکا ہے کہ ایک شرط تاوان جنگ کی ادائگی مین یہ بھی ہے کہ مال جس قسم کا کمیشن مقرر کرے لیا جاوے۔ چونکہ تاوان جنگ کے معاملہ مین اتحادی قرضخواہ اور جرمن قرضدار ملک کے مترادف ہے اور چونکہ قرضخواہ ملک ہونیکے ساتھ ہی اتحادی صنعتی ممالک بھی ہین اور صنعتی ممالک کی فضیلت قائم رکھنے کیلیے خام مال کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مصنوع کیا ہوا مال لینا اپنے ملک کی صنعتون کے مضر ہوگا اسلیے رائے یہ پڑتی ہے کہ جرمنی سے ایسی چیزین لی جائین جنسے اتحادیون کو صنعتی میدان مین فائدہ پہونچے جیسے کوئلہ۔ لکڑی۔ پوٹاش شکر یہ چیزین جرمنی مین بہت بڑی مقدار مین تیار ہوتی ہین۔ لیکن پھر بھی مشکل یہ سامنے آتی ہے کہ ان چیزون کی برآمد بقدر..۵۰ بلین پونڈ نہین ہوسکتی تاہم یہ کہا جائیگا کہ یہ ہم غنیمت ہے اسی طرح امریکہ کے قرضخواہ ملک ہوجانیکے نتائج سمجھنا چاہیئے۔ امریکہ کو بھی ڈیڑھ دو ارب روپیہ سالانہ سود مین ملنا چاہیئے۔ امریکہ بھی محض اپنے فوائد کو مدنظر رکھ سکتا ہے کہ یہ ادائی اس صورت مین ہونا چاہیے جو اُسکی ترقی مین چار چاند لگائے۔ فرانس بھی ایک حد تک یہی کہ سکتا ہے۔ فرانس امریکہ اور انگلستان دونون کا مقروض ہے۔ یہی حال اٹلی کا بھی ہے اگر یہی نقطۂ نظر بین الاقوامی قرضون کا رہا تو آپس مین بڑی کشمکش پیدا ہوجاویگی۔ دیکھیے

اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ کہین اسکا یہ نتیجہ نہو کہ افریقہ۔ ایشیا اور دیگر روے زمین کے خطے خام مال پیدا کرنے کے لیے وقف کر دیے جادین اور انکو صنعتی ترقی کا موقع نہ دیا جائے۔ لیکن یہ رفتار بہت جلد ایک نئی جنگ کا پیش خیمہ ہوگی جو گذشتہ جنگ سے بیحد و حساب ہیبت ناک ہوگی القصہ سفید قومین اپنی فضیلت کا سکہ جمائے رکھنے کیلیے ہر ممکن طریق سے کوشش کرینگی اور بھوری۔ کالی۔ پیلی اور سرخ قومون کو اپنے حیطۂ اقتدار مین رکھکر انسے خام مال پیدا کرانیکا کام لینگی۔ مگر جنگ نے ان قومون مین ایک احساس پیدا کر دیا ہے جو اس بات کی اجازت نہین دیتا کہ کسی معاملہ مین دوسرے کے غلام بنکر زندگی بسر کیجائے۔ یہی احساس دنیا کی نجات کا وسیلہ اور دائمی امن عامہ کا بیمہ ثابت ہوگا اگر پیلی۔ کالی۔ بھوری۔ سرخ اور سفید قومین مساوات کے اصول قائم کر سکا۔

اقبال بہادر سکسینہ

کلام منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی

یہی اک قطرۂ خون حاصل ارض و سما ہوتا
بنا ہی دل جو سینے مین نہ ہوتا دل تو کیا ہوتا

دل پر خون کسی صورت سے اسکے کام کا ہوتا
نہ ہو سکتا گل رنگین تو اک برگ حنا ہوتا

زبان شمع نے رسوا کیا کیون سوز الفت کو
مناسب تھا کہ خاموشی مین یہ مطلب ادا ہوتا

محبت مین ہم ان جانکاہیونکی داد کس سے لین
مزاجیں درد غم کا تھا کہ وہ درد آشنا ہوتا

نہ رکھا ہاتھ دل پر آپنے اچھا کیا ورنہ
تسلّی کے عوض کچھ شوق بیتابی سوا ہوتا

وبال جان محزون ہو طوالت رنج فرقت کی
وہ خوش ہوتے اگر بیمار الفت مر گیا ہوتا

مرے دل مین اگر ہوتا لہو کا ایک قطرہ بھی
تمہارا ہاتھ کیون منت کش رنگ حنا ہوتا

ضرورت کیا کسی شے کی تھی بزم دہر مین یارب
بس اک آئینہ ہوتا اور اک وہ خودنما ہوتا

نظر کو قتل کر کے تھا لب خنجر پہ یہ مصرع
کہ ہوتا ہے گر ایسا نہین خون وفا ہوتا

پیلی قوم = چینی۔ کالی = حبشی۔ بھوری = ہندوستانی۔ سرخ = امریکہ کے قدیم باشندے۔ سفید = فرنگی

ہندوستانی زر کاغذی

زر کاغذی یا نوٹ وہ چِٹھی یا رقعہ ہے جسمین سرکار کی طرف سے ذمہ دار عہدہ دار ایک مقررہ رقم کا سرکاری خزانہ سے عندالطلب ادا کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ چونکہ سرکار پر سب کا اعتماد ہے اسلیے وہ رقعہ یا نوٹ بالکل سکہ کی طرح رائج ہوتا ہے۔

ہندوستان مین ۱۸۳۹ء سے کاغذ زر (نوٹ) رائج ہوئے انکا طریقہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۳ء کے قوانین کی رو سے یہ تھا کہ صرف بنگال۔ بمبئی اور مدراس کے پریزیڈنسی بنک عندالطلب نوٹ جاری کرسکتے تھے۔ لیکن نوٹون کا رواج بھی اُنھین شہرون تک محدود رہا۔ اسکے بعد ۱۸۶۱ء مین سرکار نے ایک نیا قانون جاری کیا جسکی رو سے زر کاغذی کا ایک سرکاری محکمہ قائم کیا گیا اُسوقت سے بنک نوٹ مفقود ہوگئے۔

۱۹۰۵ء کے قانون زر کے مطابق پانچ، دس، پچاس، سو، پانسو، ہزار اور دس ہزار روپیہ کے نوٹ جاری ہوئے اور زر کاغذی کے آٹھ حلقے قرار پائے جنکے صدر مقام (۱) کلکتہ (۲) کانپور (۳) لاہور (۴) بمبئی (۵) کراچی (۶) مدراس (۷) کالی کٹ اور (۸) رنگون تھے نوٹ اپنے اپنے حلقے مین زر قانونی شمار ہوتے تھے۔ حلقون کے قرار دادسے قانون کا منشا تھا کہ اول تو ہر حلقہ کے خزانے مین محدود ذخیرہ رکھا جاسکے ورنہ یہ احتمال تھا کہ اگر کل نوٹ ایک مقام پر بھنائے جائین۔ تو وہان کل روپیہ کا موجود رہنا ضروری ہے۔ اسطرح ہر ہر مقام پر اسی احتمال سے کل نوٹون کا مجموعی روپیہ تیار رکھنا پڑتا جو بہت وقت طلب بلکہ قریب قریب ناممکن امر تھا مثلاً اگر کل ہندوستان مین ایک کرور کے نوٹ جاری کیے جائین تو اُسی احتمال سے ہر مقام پر ایک ایک کرور روپیہ تیار رکھنا پڑتا اسطرح آٹھون مقامون پر آٹھ کرور روپیہ اٹھا رہتا جو بہت مشکل ہے۔

دوسرے یہ کہ ملک کے حصہ حصہ مین روپیہ کے نقل حرکت کا بار سرکار پر آپڑتا جیسے اگر کوئی زیادہ رقم ایک حصۂ ملک سے دوسرے مین لیجانے کی ضرورت پڑتی تو لوگ یہ کرتے کہ ایک مقام پر اتنی رقم کے نوٹ خرید لیتے اور دوسرے مقام پر بھیج دیتے اور وہان سے انکا روپیہ وصول کر لیتے اسطرح کل بار بر داری سرکار کے ذمہ آپڑتی جو نقصان دہ ہے۔

حلقے کی قید سے یہ مقصد تھا۔ کہ سرکار حلقے کے باہر روپیہ ادا کرنے کی قانوناً ذمہ دار نہین ہے۔ اگر خود چاہے تو دے سکتی ہے عملاً ہر سرکاری خزانہ مین نوٹ بھن جاتے تھے۔ بشرطیکہ انکی رقم زیادہ نہو۔ اسکے علاوہ پریزیڈنسی بنکون سے بھی روپیہ مل جاتا تھا۔

پانچ روپیہ والا نوٹ اس حلقہ کی قید سے آزاد تھا یعنی ہر حلقہ مین بھنایا جا سکتا تھا۔

سنہ ۱۹۰۹ء مین یہ پابندی بھی شل ہندوستان کے زر قانونی بن گیا۔ اور روز بروز ہر دلعزیز ہوا گیا سرکار نے عام پسندیدگی دیکھکر دس اور پچاس روپیہ کے نوٹون کو بھی عام کر دیا یعنی وہ بھی پانچ روپیہ کے نوٹ کی طرح حلقہ کی قید سے آزاد ہر جگہ بھنائے جا سکتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین اسی طرح سو روپیہ کا نوٹ بھی عام کر دیا گیا چیمبرلین کمیشن نے پانسو روپیہ کے نوٹ کو بھی عام کرنے کی سفارش کی تھی مگر اسپر عمل کرنے کی نوبت نہین آئی۔

قانون نے یہ قرار دیا کہ جسقدر روپیہ کے نوٹ جاری ہون اسی قدر روپیہ خزانہ مین قم ذخیرہ زر کاغذی کے نام سے جمع ہے۔ اسمین زیادہ سے زیادہ چودہ کرور روپیہ کی رقم بصورت سکہ جمع رہنے کی ضرورت نہین بلکہ ان چودہ کرور مین سے چار کرور روپیہ کے سرکار برطانیہ کے تمسکات اور دس کرور روپیہ کے سرکار ہند کے تمسکات شریک ذخیرہ رہ سکتے ہین مثلاً اگر پچاس کرور روپیہ کے نوٹ جاری ہون تو ذخیرہ مین چودہ کرور کے تمسکات رہین اور (۳۶) کرور کی رقم چاندی یا سونے کے سکون کی صورت مین رہے۔ اور اگر اسمین دس کرور کے نوٹون کا اضافہ کیا جائے تو سکہ کی شکل مین (۴۶) کرور کی رقم رہے اور تمسکات اتنے ہی رہین

اس قانون سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل اور ملکون کے ہندوستان مین نوٹ کے اجرا سے اضافۂ زر مقصود بالذات نہین تھا بلکہ سہولت رکھا یا منظور تھی۔ ہان اگر اضافہ سمجھا جا سکتا ہے تو صرف چودہ کرور کا لیکن یہ اضافہ غیر تغیر پذیر تھا یعنی کتنی ہی زیادہ رقم کے نوٹ جاری ہون

چودہ کرور کے تمسکات مین کوئی اضافہ کی گنجائش نہ تھی۔

جب تجارت بڑھنے لگی تو زیادہ تغیر پذیر طریق زر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ چیمبرلین کمیشن نے تجویز کیا کہ ذخیرۂ زرکاغذی مین صرف دو تہائی رقم رکھنا کافی ہے۔ ایک تہائی کے تمسکات وغیرہ خریدے جاسکتے ہین۔ اور اگر سرکار چاہے تو اس دو تہائی ذخیرہ سے بھی کم مدت کے لیے روپیہ قرض دیا جا سکتا ہے۔ یا اور کسی طرح کام مین لایا جاسکتا ہے۔ اس اطمینان پر کہ حسب الطلب رقم واپس آسکے۔

۳۱۔ مارچ ۱۹۱۴ء کو (۶۸) کرور (۹۷) لاکھ روپیہ کے نوٹ جاری تھے اس تاریخ کو ذخیرہ زرکاغذی کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

لنڈن مین سونا	۹۔ کرور ۱۵۔ لاکھ
ہندوستان مین سونا	۲۹۔ کرور ۳۷۔ لاکھ
ہندوستان مین چاندی	۱۶۔ کرور ۴۵۔ لاکھ
سرکار ہند کے تمسکات	۱۰۔ کرور
سرکار برطانیہ کے تمسکات	۴۔ کرور
میزان	۶۸۔ کرور ۹۷۔ لاکھ

جنگ کے زمانہ مین زرکاغذی مین یہ سکون نہین رہا۔ اسکے وجوہات یہ ہین۔

(۱) سرکار ہند نے سرکار برطانیہ کو ۱۲۸ ملین پونڈ نذرانہ دیا

(۲) سرکار ہند نے سرکار برطانیہ کے لیے بطور قرضہ کے ۳۰۲ ملین پونڈ کا سامان جنگ خریدا

(۳) جنگ کے پہلے ہی سال سرکار ہند کے اپنے اصلی موازنہ (بجٹ) مین چھ کرور روپیہ کی کمی واقع ہوئی اور اس کمی مین ہر سال اضافہ ہوتا گیا حتی کہ کل رقم ۴۲۔ کرور تک پہونچی۔

(۴) جنگ کے شروع ہوتے ہی امریکہ نے چاندی دینے سے انکار کیا۔ سرکار کو امن کے زمانہ ہی مین روپیہ ڈھالنے کیلیے چاندی کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب اسی کمی کے پورا کرنے کیلیے معمول سے زیادہ چاندی کی ضرورت تھی۔ مگر صورت حال برعکس تھی یعنی چاندی کا ملنا مشکل تھا اس سے ایک اور مزید اربات پیدا ہوگئی جس زمانہ مین امن تھا اور امریکہ چاندی دیا کرتا تھا

اُس زمانہ مین چاندی کی قیمت تقریباً ۳۵ پنس فی اونس تھی - اسوقت یعنی جنگ کے زمانہ مین قلت کے سبب قیمت بڑھتے بڑھتے (۸۹ (۹۰) پنس فی اونس کے قریب پہونچ گئی -

لوگون نے روپیہ گلانا شروع کیا - کیونکہ اس اضافہ قیمت کی وجہ سے روپیہ اپنی صورت مین تو ایک شلنگ چار پنس کا تھا اور گلانیکے بعد ایک تولہ چاندی کی قیمت ڈھائی تین شلنگ ملتی تھی

غرض سرکار کو روپیہ گلانے کے انسداد کی طرف توجہ کرنی پڑی اور حکم دیا کہ کوئی شخص روپیہ نہ گلائے اور ریل مین بھی کوئی شخص ایک ہزار روپیہ سے زیادہ نہین لے جاسکتا وغیرہ -

اس حالت مین اول تو چاندی ملتی ہی نہ تھی - اور اگر ملتی بھی تھی تو سرکار اُسکا روپیہ کیسے جاری کرسکتی تھی کہ ملک مین مروجہ روپیہ ہی گلانا شروع ہوگیا تھا اسلیے بہترین تدبیر یہی تھی کہ بجائے روپیہ کے نوٹ چھاپ چھاپ کر دیے جائین - نہ صرف یہی بلکہ مندرجہ بالا اسباب بھی اسی کے متقاضی تھے -

اسطرح کل رقم جسکا بار ہندوستان کے زر کاغذی پر پڑا اسکا حساب یہ ہے -

(۱) سرکار برطانیہ کو نذرانہ . . . . ۱۲۸ - ملین پونڈ -

پندرہ روپیہ فی پونڈ کے حساب سے ایک ارب بانوے کرور روپیہ ہوا -

(۲) خریداری سامان جنگ پہلے سرکار برطانیہ لبطور قرضہ ۳۰۲ - ملین پونڈ -

(یعنی چار ارب ترپن کرور روپیہ)

(۳) سوازنہ مین کمی . . . . ۲۴ - کرور روپیہ

میزان . . . . ۶ - ارب ۸۷ - کرور روپیہ

جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی ویسے ویسے ذخیرہ زر کاغذی کے گھٹانے کے متعلق قانون نافذ کیے جاتے رہے یعنی دو تہائی سے (۵۰) فیصدی رکھا گیا جسکے معنی یہ ہین اگر سو روپیہ کے نوٹ جاری کیے جائین تو صرف پچاس روپیہ ذخیرہ مین رہے - اسکے بعد (۴۰) فیصدی کر دیا گیا پھر ۳۰ - فیصدی کی نوبت آئی غرض اسی طرح گھٹایا جاتا رہا - یہان تک نوبت پہونچی کہ ایک زمانہ ایسا بھی ہندوستان پر گذرا ہے جب ایک ارب پندرہ کرور کے نوٹ جاری تھے اور ذخیرہ مین صرف چار کرور روپیہ تھا!

یہ حالت بہت عرصہ تک نہ قائم رہنے والی تھی اور نہ رہ سکی بلکہ کچھ ہی عرصہ مین اور روپیہ خزانہ مین آگیا۔

حاصل کلام ذخیرہ کی مقدار پہلے کی نسبت بہت کم تھی۔ اسمین پرلطف بات یہ ہے کہ وہ رقم بھی ہندوستان مین موجود نہ تھی۔ انگلستان بھیج دی گئی تھی اور اسکے تمسکات خزانہ مین پڑے ہوے تھے۔

اجرا شدہ نوٹون کی انتہائی رقم ایک ارب بچاسی کرور روپیہ تھی ان اعداد و شمار سے حیرت کے ساتھ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکار کو تقریباً (۲) ارب روپیہ ادا کرنا تھا۔ اور نوٹ تو صرف دو ارب کے قریب جاری کیے گئے پھر بقیہ رقم واجب الادا کا کیا حشر ہوا؟

اسکا بندوبست بہت سا تو جنگی قرضہ سے ہوا وہ یون کہ سرکار رعایا سے سامان خریدتی تھی۔ اسکے معاوضہ مین نوٹ دیتی تھی۔ پھر قرضہ طلب کرتی تھی قرضہ مین وہ نوٹ واپس آجاتے تھے۔ انسے پھر سامان خریدا جاتا یہی عمل جاری تھا۔ اسکے علاوہ ٹیکس بھی بہت سے بڑھا دیے۔ غرضکہ قابل ذمہ دار عہدہ دارون کی دانائی اور ہمت سے کسی طرح کا خلل نہین پڑا۔ اور سرکار کا اعتبار بھی جیسے کا تیسا قائم رہا۔

جنگ کے ختم ہوتے ہی ہمارے موجودہ ویسرائے لارڈ ریڈنگ ہندوستان کیلیے چاندی خریدنے امریکہ بھیجے گئے اور وہان نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے امریکہ والون کو ہموار کرکے دو سو ملین اونس چاندی خریدی جس سے تقریباً پانسو ساڑھے پانسو ملین روپیہ ڈھل سکتا ہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء مین قانون زر کرنسی ایکٹ نافذ ہوا جسمین یہ بحث ہے کہ ہمارا نصب العین کیا ہوگا اسکے دو پہلو ہین ایک مستقل انتظام دوسرے عارضی انتظام۔ مستقل انتظام کے لیے کمیشن نے صرف چالیس فیصدی ذخیرہ کی سفارش کی تھی۔ مگر پچاس فیصدی کی منظوری ہوئی اور موجودہ کمی کے پورا کرنے کیلیے آہستہ آہستہ نوٹ واپس لینے کا عمل شروع کیا گیا

محمد حبیب اللہ
متعلم عثمانیہ یونیورسٹی کالج

اصول رسم الخط اردو

رسم الخط اردو کے اصول بیان کرنے کیلیے رسم الخط عربی کے اصول کی طرف توجہ کرنی پڑے گی کیونکہ شاہد اردو جس لباس مین سریر قرطاس پر جلوہ گر ہوتا ہے اسکو خیاط ایران نے عربی دیبا و حریر سے تیار کیا ہے۔

عربی رسم الخط کا یہ وصف ہے کہ خیال واحد پر جتنی آوازین دلالت کرین اُن سب کی علامات کو ملا کر لکھا جائے اس سے فائدہ ہے کہ نظر پڑتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ خیال واحد کے مظہر کتنی علامتین ہین۔ اس اصول نے دو اور اصول پیدا کر دیے۔

(۱) حروف کی صورت مین قصر کیا جائے۔

(۲) مقصور صورتون کو باہم ملانے کیلیے علامات مقرر کی جائین (انکو ہم اس مضمون مین ملحقات کہین گے) حروف کی مقصور صورتین یہ ہین۔

حرف سالم	ب	ج	س	ص	ع	ف	ک	ل	م
اسکی مقصور صورت	ب	ج	سر	صر	ء	ف	ک	ل	م

اصول قصر پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حروف عرضی کا عرض کم اور حروف مدور کا دائرہ حذف کر دیا جاتا ہے علاوہ اسکے صلاحیت الحاق صرف وہی حرف رکھتے ہین جن پر مقراض اقتصار چل سکتی ہے جو اسکے دست تظلم سے مامون و مصئون ہین وہ بہ حالت سالم رہتے ہین اور اپنے مابعد سے کبھی ملحق نہین ہوتے۔

ساخت حروف نے ملحقات کو سانچہ مین ڈھالا اور جو حرف جس قسم کی علامت قبول کر سکی

نوٹ۔ ہم شکل حروف یا وہ حروف جنکی مقصور صورتین کسی اور حرف کے مقصور صورت کے مانند ہین نظر انداز کر دیے گئے ہین۔

صلاحیت رکھتا تھا اُسکے یے ویسی ہی علامت تراشی گئی لیکن اس سے محض تین قسم کے خط پیدا ہوئے۔

(۱) خط عرضی (۲) خط غیر عمودی (۳) خط غیر معین

خط غیر عمودی کے معمول م۔ج ہین اور غیر معین کے ا۔د۔ک۔ اور ل کے علاوہ ر ن۔ اور ہ اُس صورت ہین جبکہ انپر کوئی ایسا حرف آئے جو ہنگام ترکیب ب کی مقصود صورت اختیار کرتا ہو شلاً نیر۔بین۔فیہ۔ باقی حروف پر خط عرضی آتا ہے۔

ملحقات صرف اُسی صورت ہین کام آتے ہین جبکہ دو حرفون ہین سے جنکو ملانا مقصود ہو پہلا حرف صلاحیت الحاق رکھتا ہو ورنہ ملحق کے استعمال کا کوئی موقع نہو گا۔ا۔د۔ذ۔ اور و یہ چار حرف ایسے ہین جو اپنے مابعد سے نہین ملائے جا سکتے۔ لفظ خواہ کتنے ہی حرفون سے مرکب کیون نہو لیکن ملحق صرف دو حرفون کے اعتبار سے آئیگا اور وہ ملحق استعمال ہو گا جسکو کہ ان دو حرفون مین سے دوسرا قبول کریگا۔ شلاً لفظ تحقیق لکھنا ہے تو پہلے یہ سوچنا ہو گا کہ ت اور ح کے درمیان کونسا ملحق آئیگا۔ح ہمیشہ خط غیر عمودی چاہتی ہے چنانچہ تح لکھا جائیگا اسکے بعد ح اور ق زیر غور آئین گے ق پر خط عرضی آتا ہے اسیلیے ت ح اور ق مل کر یہ صورت تحق پیدا ہوئی۔ ازان بعد ق۔ی اور ی۔ق پر نظر ڈالی جائیگی۔ انکے درمیان خط عرضی آئیگا مگر وہ تحریر مین نمایان نہین ہوتا جسکی وجہ یہ ہے کہ جب خط عرضی کے قبل کوئی ایسا حرف ہو جو خود عرضی ہے تو ملحق اُس حرف مین مدغم ہو جاتا ہے۔ اب پورے لفظ نے وہ صورت اختیار کی جو اوپر لکھی جا چکی ہے۔ مگر جب لفظ اُردو لکھنا ہو تو ملحق کے سوچنے کی ضرورت نہین کیونکہ یہ لفظ جن چار حرفون سے مرکب ہے اُنمین سے ہر ایک ایسا ہے جو اپنے مابعد سے ملنے کی صلاحیت نہین رکھتا۔

عربی خط کے حروف یا تو عرضی ہین یا مدور لیکن نستعلیق (PERSO ARABIC) خط کا وصف ذاتی یہ ہے کہ وہ ترچھا اوپر سے نیچے کی طرف لکھا جائے۔ اسیلیے تعداد ملحقات مین تو کوئی اضافہ نہ ہوا لیکن انکی صورت ہین خفیف سا فرق آگیا خط نستعلیق مین جو ملحقات مروج ہین اُنکی صورتین یہ ہین۔

(۱) خط عرضی ر (۲) خط غیر عمودی / (۳) قوس عمیق ب

انکے اور ملحقات خط عربی کے معمول بین کوئی فرق نہین سوا اسکے کہ یہان ر۔ ن اور ہ ملحق سوم کے معمول نہین۔

یہ اصول کہ خیال واحد پر دلالت کرنیوالی آوازین ایک ہی رشتہ مین منسلک کردیجائین ملحقات کو عرصہ وجود مین لایا۔ تاہم ساخت حروف مجموعۂ اصوات (لفظ) کے اجزا (حروف) کو ایک ہی سطح پر آنے سے مانع ہوئی اور یون حروف الفاظ کے مدارج پیدا ہو گئے۔ عربی میں اور اسلیے اُن تمام زبانون مین جنھون نے عربی رسم الخط اختیار کیا۔ کسی لفظ کے تمام حروف ایک ہی سطح پر نہین رکھے جاسکتے۔ زیادہ تر ایسے الفاظ کے حروف ایک ہی سطح پر آئین گے جو ما بعد سے ملحق نہین ہوسکتے۔ اور اسمین بھی یہ شرط ہے کہ صرف آخر مدور یا مد نہو۔ ورنہ یہ حروف سے نیچے لٹک یا اوپر نکل جائین گے۔ مثلاً۔ ورد۔ وم۔ روشن۔

مدارج پیدا ہونیکے بعد انکی تعداد کا مسئلہ خود بخود معرض بحث مین آگیا۔ اسکا دارومدار ہر لفظ کے حروف کی ساخت پر ہے۔ الفاظ قبل مسیح کے طریقۂ تحریر پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ پہلے لفظ کے حروف اول و دوم کی ساخت انھین ایک ہی سطح پر آنے سے مانع نہین مگر حرف آخر (ل) اپنے اظہار کامل کیلیے دو درجون کا محتاج ہے۔ چنانچہ ق اور ب مع اپنے ملحق کے درجۂ اول مین رکھ دیے گئے اور ل نے مع اپنے ملحق کے درجۂ اول و دوم کو گھیر لیا۔ اس لفظ کے حروف کچھ اس قسم کے ہین جو دو ہی درجون مین ختم ہو گئے لیکن لفظ مسیح زیادہ درجے چاہتا ہے۔ اسکے لیے تین درجون کا ہونا ضروری ہے۔ م اپنے لیے ایک درجہ کا طالب ہے س اور ی مل کر دوسرے درجہ کے جو م سے پست تر ہے اور ح اپنے ماسبق سے بھی ایک پست تر کا۔

عربی مین بالعموم تین درجے تمام الفاظ کی نشست کیلیے کافی ہین اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ملحقات کی رعایت سے بعض اوقات حرف کی مقصود صورت مین بھی قدرے تصرف جائز رکھا گیا ہی مثال کے لیے لفظ تحقیق کے پہلے دو حرف جس طریقہ سے ملائے گئے ہین اُسپر غور کیجئے۔ فارسی شاید چار درجون سے آگے قدم نہ بڑھا سکے اور اسمین درجات دوم وسوم ایک کثیر تعداد حروف کے جولانگاہ رہین گے۔ درجۂ اول مین مرکز ک کا دور دورہ رہتا گا اور درجۂ چہارم مین

دائرہ والے حروف جو لفظ کے آخر میں سالم لکھے جاتے ہین جانکلین گے جہان کبھی کبھی ء ا ور س بھی نظر آئین گے ۔

اصل خط پر غور کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اردو مین تین یا زیادہ سے زیادہ چار درجے ہونا چاہیئے ۔لیکن ایسا نہین ہے ۔ اُردو کی تمام ضروریات کیلیے پانچ درجے کافی ہونگے + یہ پانچوان درجہ اکثر اس قسم کے حروف کی وجہ سے لازمی ہوجاتا ہے جو ہندی مین ایک حرف کا رتبہ رکھتے ہین لیکن جنکو اُردو مین بغیر دو حرفون کے نہین ظاہر کیا جاسکتا مثلاً फ جو اردو مین پ اور ہ (ھ) سے ظاہر کیا جاتا ہے ۔لفظ "پھپھوندی" مین اگر फ کیلیے کوئی مفرد علامت مقرر ہوتی تو یقیناً اُسکے درجون کی تعداد کم ہوتی

ہر لفظ کے لیے کتنے درجہ مقرر کرنا چاہیئے یا اسکو کس درجہ سے شروع اور کسپر ختم کرنا چاہیئے اسکا کوئی قاعدہ کلیہ نہین ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا درجون کی تعداد کا انحصار ساخت حروف پر ہے ۔بعض اوقات مرکبات الفاظ کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوجاتی ہے کہ ابتک جو اُصول بیان کیے گئے ہین اُنکے اطلاق مین دقت ہوتی ہے (اسوقت صرف خط نستعلیق سے بحث ہے) مثلاً لفظ **بیت** پر غور کیجیے ۔یہ لفظ دو درجون مین ختم ہوتا ہے ۔ ب اور اُسکے ملحق مابعد کو درجۂ اول مین رکھیے اور ی اور ت کو مع اُنکے ملحق کے درجۂ دوم مین ۔لیکن لفظ مین ایک دقت کا سامنا ہوتا ہے ۔اگر اسکے لیے دو درجہ مقرر کیے جائین تو ح اور ض کو ایک درجہ مین نہین رکھ سکتے اور اگر انمین سے ہر ایک کیلیے جداگانہ درجہ معین کیا جائے تو ح کے بعد کا ملحق کچھ اتنا چھوٹا ہے کہ ض اُسکے نصف درجہ کو گھیر کر د اور د کے نصف پر قابض ہوجاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض کیلیے کسی درجہ کا تعین دشوار ہے ۔قاعدہ کا لحاظ کیا جائے تو د اور د کی جسامت ہر لحاظ سے برابر ہونے کی وجہ سے انکو ایک ہی درجہ مین رکھنا لابدی ہے اب رہے ح اور ض انکے لیے ہنگام ترکیب کوئی جسامت سوا اُسکے جو کہ انکے سرون کے لیے مفردات مین معین ہے ۔مقرر نہین کی گئی ۔پھر جہان تک ہمین علم ہے ملحقات پر کبھی کسی خوشنویس نے توجہ نہین کی ۔خیالات کے پرواز تعین جسامت مفردات سے بالاتر نہ گئی اسلیے ملحقات کے طول و عرض کا مسئلہ طے نہوا ۔اُستادان نستعلیق نے ترکیب کے سوال کو محض شخصی ذکاوت و جدت کے حوالہ کردیا ۔

نستعلیق خط کی وہ خصوصیت بھی جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے یعنی حروف کا ترچھا اوپر سے نیچے کی طرف چلنا۔ تعین درجات میں دقت پیدا کرتی ہے حالانکہ عربی مین ایسا نہین ہوتا مثلاً بیت اگر بخط عربی لکھا جائے تو تینون حرفون کو نہایت آسانی سے ایک ہی درجہ مین رکھ سکتے ہین بخلاف اسکے خط نستعلیق مین "بیت" یون لکھا جائیگا۔ ن۔ش۔ا۔ کو ملانا ہو تو عربی خط مین نشا یہ صورت ہوگی مگر نستعلیق خط مین "نشا" یون لکھا جائیگا۔

یہان تک جو اصول بیان کیے گئے انکا اطلاق صرف اُسی وقت تک ممکن ہے کہ لفظون کی انفرادی حیثیت پر نظر ڈالی جائے۔ سطر کو سیدھا رکھنے کے خیال کو جسے غالباً اصطلاح مین کرسی کہتے ہین اور ہم بھی آیندہ یہی لفظ استعمال کرینگے بھی تعین درجات مین بہت بڑا دخل ہے کرسی مجبور کرتی ہے کہ دو لفظون کے درمیان ایک تعلق تسلیم کیا جائے اور سطر کا ہر لفظ اپنے ماسبق سے اسطور سے اثر پذیر ہو کہ جب دونون لفظ پہلو بہ پہلو رکھے ہون تو سطر کے سیدھے ہونے مین فرق نہ آنے پائے۔

عرض درجات حروف ہنگام ترکیب قریب قریب ایک مسئلہ لاینحل ہے۔ ساخت حروف اور ملحقات اس امر کو نا ممکنات کی حد مین لے جاتے ہین۔ جو عرض درجات ایک لفظ کے حروف کے لیے کافی ہے وہ دوسرے کے لیے یا تو زائد از ضرورت ہے یا ناکافی جیسا کہ مثال ذیل سے ظاہر ہے۔

در دل دم رخ

فقرات ذیل جو "تعلیم خوشخطی اردو" سے نقل کیے جاتے ہین عرض درجات کے عدم مساوات کو نمایان طور سے ظاہر کرتے ہین۔

تعطیل مین کچہری بند رہتی ہے
جھوم جھوم آئی ہے گھنگھور گھٹا ساون کی

عرضِ درجاتِ حروفِ الفاظ کے بعد، عرضِ سطور کا نمبر ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ عرضِ سطور منحصر ہے عرضِ جملۂ الفاظِ سطور پر اور عرضِ الفاظ مبنی ہے ساختِ حروف اور اُنکی ترکیب پر۔ جب عرضِ درجاتِ حروفِ الفاظ ہی نہین مقرر کر سکتے تو عرضِ سطور کا مقرر کیا جانا کیونکر ممکن ہو۔ اگر کوئی دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ ہر سطر کا عرض وہی ہوگا جو اُس سطر کے اُس لفظ کا جسنے اور تمام لفظون سے زیادہ جگہ گھیری ہے۔ لیکن اس دعوے سے کوئی نتیجہ مترتب نہین ہوتا۔ ممکن ہے کہ ایک سطر کا عرض نصف انچ ہو اور اُس سے نیچے کی سطر کا اُس سے کم یا زیادہ۔

مذکورۂ بالا اُصول میرے غور و فکر کا نتیجہ ہین اور مین نہین کہہ سکتا کہ اس سے پہلے کسی عالم نے اس مضمون پر غور کیا ہے یا نہین اور اگر کیا ہے تو میرے اور اُسکے خیالات مین کہان تک مطابقت ہے۔ ممکن ہے کہ مین نے انکے استنباط مین غلطی کی ہو۔ باین ہمہ میرا خیال ہو کہ اگر نستعلیق خط کا ٹائپ ڈھالنے کی کوشش کی گئی تو انھی یا اسی قسم کے اُصول سے ضرور سابقہ پڑے گا اور انمین ترمیم و تنسیخ کرنی لازمی ہوگی۔ مین اپنے اختیارات و مشاہدات کا عملی تجربات پر امتحان کرکے اُس سے کوئی مفید نتیجہ نکال سکون۔ یہ فرصت اور مساعدت زمانہ پر موقوف ہے اور اسکو مین اُنھین کے سپرد کرتا ہون۔

سلیم جعفر

خلاصۂ زندگی

زندگی کی آخری چند سانسین | (جنمین انسان کی ساری تمناؤن کی جان اور آرزوون کی روح کھنچ آتی ہے) نگاہ تعمق سے دیکھنے والون کے لیے عبرت کا مظہر اتم ہین اور حقیقت مین خلاصۂ زندگی۔ خصوصاً طبقۂ شعرا، کہ جذبات کا واقعی سرپرست، تخیلات کو حقیقی نشو ونما دینے والا، اور فطری محرکات کا سچا نبض شناس ہے اس درس گاہ مین زیادہ ممتاز نظر آئیگا۔ اس طبقہ کے اکثر افراد کے آخری لمحات بیشتر ایسے ہین جنکا مطالعہ اور اُس مطالعہ کا اثر صاحب دل کو کہین سے کہین پہونچا سکتا ہے۔ ذیل کی چند مثالین جو صفحۂ روزگار پر نقش غیر فانی ہین اسی قبیل سے ہین۔

ذوقی سمرقندی | دربار قلی احمد خان کے ملک الشعرا اور اُس زمانہ کے سربرآوردہ و نیک طینت بزرگ تھے۔ اپنی کتاب "ناز و نیاز" بادشاہ کے نام پر معنون کی اور بہت سا انعام حاصل کیا بدمعاشون نے خبر پاکر روپیہ کے لالچ مین شہید کرڈالا۔ دم نکلنے سے چند نفس پہلے ایک غزل کہی تھی جسکے یہ چند شعر ہین۔

ما از ازل بشیوۂ منصور بودہ ایم | قاتل بیا کہ لب بہ انا الحق کشودہ ایم
ما مرہم جراحت ہر دشمنیم دوست | اما بزخم خویشتن الماس سودہ ایم

سرمد | جسوقت آپ کو بجرم برہنگی شرعی سزا دینے کے لیے مقتل مین لائے تو آپنے جلاد کی طرف دیکھکر تبسم کیا اور یہ شعر پڑھا۔

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم | دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

کہتے ہین کہ قتل سے چند روز پہلے یہ شعر ورد زبان رہتا تھا۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد | من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

طاہری نائنی | یہ باکمال شاعر شاہ عباس صفوی کے ایک غلام پر عاشق تھا۔ پہلی دفعہ التفات حبیب نصیب ہوا تھا کہ بادشاہ کو خبر دی گئی۔ حکم ہوا کہ طاہری کے لب و دندان اور اعضا جلا دیے جائین۔ غریب نے اُسی حال مین یہ مطلع کہا۔

آنکہ دایم ہوس سوختن ما میکرد کاش می آمد و از دور تماشا میکرد

غلام مصطفےٰ ابن سید عبد اسد بلگرامی | بزرگ درویش منش، مرد سپاہی پیشہ تھے۔ نواب مبارز الملک سربلند خان تونی کے ہمراہ معرکۂ راجہ مارواڑ بمقام احمد آباد جام شہادت نوش کیا۔ کہتے ہین کہ باوجود سعی تمام نعش میسر نہ آئی۔ ذیل کی رُباعی شہادت سے پیشتر کہی تھی جو اُنکے علوے نفس و گرانپائگی پر دال ہے۔

درخلوت ما دراے مایارے نیست یعنی کہ بعرش و فرش اغیارے نیست
ماروح مجردیم ز آلائش مرگ مارا بجنازہ و کفن کارے نیست

فطرت | مشہد سے ہندوستان آئے سنہ ۱۱۰۶ھ مین زندگی کو خیرباد کہا بمقام حیدر آباد دکن میر محمد مومن استرابادی کے دائرہ مین مدفون ہین۔ یہ رُباعی عالم نزع مین موزون کی جو لوحِ قبر پر کندہ ہے۔

فطرت بتو روزگار نیرنگی کرد نو اخت بمہر و خارج آہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے دروی گنجید اکنون ز تردد نفس تنگی کرد

کمال اسمٰعیل اصفہانی ملقب بخلاق المعانی | ایران کے برگزیدہ و باکمال عمائد سے ہین، جاہ و تمکنت سے سرفراز ایثار و سخاوت مین ممتاز ۶۳۴ھ مین وفات پائی جانکنی کی حالت مین یہ رُباعی کہی

دل خون شدہ رسم جانگدازی اینست درحضرت او کمینہ بازی اینست
با اینہمہ ہم ہیچ نمی آرم گفت شاید کہ مگر بندہ نوازی اینست

صادق شیرازی | فقر و فاقہ کی چاشنی سے آشنا، وارستہ طبیعت و توکل پیشہ تھے اور نظام دست غیب کے چچا زاد بھائی۔ وفات کے دن ایک غزل کہی تھی جسکو اُنکے احباب جنازہ کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔ عجب رقت طاری تھی۔ تاریخ فرشتہ مین اُنکے مبسوط حالات مسطور ہین اُس غزل کے چند شعر یہ ہین۔

ہر کہ آمد گل ز باغ زندگانی چید و رفت
آمدہ بر سستی عہد جہان خندید و رفت

کس درین ویرانہ دہ یکدانہ حاصل بر نداشت
ہر کہ آمد پارۂ تخم ہوس پاشید و رفت

بس کہ چون گل گلعذاران بر سر ہم خفتہ اند
ہمچو شبنم می توان بر روے گل غلطید و رفت

از ازل صادق بدنیا میل آمیزش نداشت
چند روزے آمد و یاران خود را دید و رفت

آنند | راے بنگالی داس منشی روبکاری محمد شاہ بادشاہ کے فرزند تھے، حوالی اکبرآباد کے کالستھون مین باعتبار علم و عقل امتیاز خاص رکھتے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد بندرابن مین اقامت اختیار کی اور وہین احمد شاہ ابدالی کے ہنگامہ مین ایک مغل کے ہاتھون مارے گئے۔ جیسے ہی اُسکی تلوار سر پر پہونچی یہ شعر فی البدیہہ موزون کیا جو ندرت مضمون تازگی معنی کے اعتبار سے مستغنی عن التعریف ہے اور حاضر طبعی کی بہترین مثال۔

اے زخم نصیبان ترا عار ز مرہم
قربان سر تیغ تو یک زخم دگر ہم

موزون | راجہ رام نرائن۔ عہد نواب مہابت جنگ مین عظیم آباد کے نظم و نسق پر مامور ہوے اور راجگی کا خطاب حاصل کیا۔ عظیم آباد کے محاصرہ مین شاہ عالم بادشاہ کے اشارہ سے قلعہ پر بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور محاصرون کے دفع کرنے کی بہت کوشش کی ۱۷۶۰ء مین جب نواب قاسم علیخان عالیجاہ سند آراے نظامت بنگالہ ہوئے راجہ رام نرائن کو معزول کر کے قید کر دیا اور حکام انگریزی سے ہزیمت کے وقت ۱۷۶۳ء مین بقصد قتل قید خانہ سے نکلوایا۔ موزون کو جسوقت زندگی سے یاس ہوئی پانی طلب کیا مگر بجاے اسکے کہ پانی پیتے پیالہ کی طرف بنظر تامل دیکھا اور یہ شعر فی البدیہہ موزون کر کے پیالہ پھینک دیا۔

محروم رفت از تو لب تشنہ حسین
اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

شیخ محمد علی حزین کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان اور ایک انشا اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

ابو الولا محمد زکریا عفا عنہ مائلی
نیوتنوی

عشاق عرب

عتبہ ابن حباب و بنت سلمےٰ

جو شخص خوبصورت ہو ساتھ ہی حسن پرست دل اور مذاق سلیم بھی رکھتا ہو وہ حسن و عشق کی سحر طرازیون سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے کیا قیس و فرہاد و لیلی مجنون کی عشق نوازیون مین بھی یہی راز مضمر نہ تھا؟

عتبہ ابن حباب قبیلۂ انصار کا ایک خوبصورت نوجوان تھا ریا بنت سلمی جو کسی سردار کی بیٹی تھی دل ہی دل مین اُسکے مردانہ حسن کی پرستار تھی عرصہ تک یہ محبت اپنے دل مین چھپائے بیٹھی رہی آخر تابکے عشق کی سحر آفرینیان رنگ لائین اور اظہار محبت کے مواقع ڈھونڈنے لگی۔

ایک دن عتبہ ابن حباب مسجد احزاب مین مصروف عبادت تھا کہ بنت سلمی بھی سیر و تفریح کا بہانہ کرکے اپنے جذبات دل سے مجبور ہوکر ادھر نکلی اور موقع پاکر ابن حباب سے کہنے لگی

"شمس حسن کی کیا نسبت تمھارا کیا خیال ہے جو خود تمھاری یاد مین مضطرب ہو"

ابن حباب پہلے ہی بنت سلمی کا حسن دلفریب کو دیکھتے ہی مبہوت ہو چکا تھا اس سحر آمیز فقرے نے جسمین رعنائی و دلکشی کے تمام انداز پنہان تھے اُسے بالکل از خود رفتہ کردیا۔ اسکے بعد وہ سنبھلتا ہی رہ گیا اور بنت سلمی اُسے اسی عالم مین چھوڑ کر اپنی سہیلیون کے ساتھ گھر واپس چلی گئی۔

ابن حباب جو ابھی اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا خدا کی عبادت مین مشغول تھا اپنے دل و جگر مین درد اور تڑپ محسوس کرنے لگا اُسکی بیقراری لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہونے لگی حتی کہ جب ہمجنسون نے بہت پریشان کیا تو اُسکی آنکھین پر نم ہوگئین اور آن لبریز ساغرون سے مئے رسوائی چھلکنے لگی۔ ننگ و ناموس کا پردہ اُسکی نظرون کے سامنے سے اُٹھ چکا تھا

اسلیے اُسے اپنے پرائے کی تمیز باقی نہ تھی۔ وہ سبکے سامنے مذاقیہ اشعار پڑھا کرتا اور یہی اُسکے پُر اضطراب دل کی تسکین کی ایک صورت تھی۔

ایک شریف اور دردآشنا دل رکھنے والا شخص عبد اللہ بن عمر القیسی جسنے ابن حباب کی حالت سے متاثر ہوکر ان دونون کے ملانے کی انتہائی کوشش کی تھی ابن حباب کی بیقراری کی حالت اسطرح بیان کرتا ہے۔

مین حج بیت اللہ کی غرض سے مدینہ منورہ مین مقیم تھا اور ایک بار روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوکر واپس آرہا تھا کہ یہ دردناک آواز سنکر مین بیچین ہوگیا۔

اشجاک نوح حمائم السلم فاھیجن منک بلابل الصلم

بری کے کبوترون کی آہ وزاری نے تجھے بیچین کردیا اور انھون نے تیرے سینہ کا جوش برانگیختہ کردیا۔

یا لیلۃ طالت علی دنف یشکو الفراق وقلۃ الصبر

بیمار عشق کی رات کسقدر دراز ہوگئی جسکو فراق و بے صبری کی شکایت ہے۔

اسلمک من تھوی لحر جوی فھو قد کتوقد الجمر

جسکی تو محبت کرتا ہے اُسنے تجھے سوز دل کے حوالہ کردیا جسکی بھڑک آتش سوزان کی سی ہے

ما کنت اعلم انی کلف حتی تلفت وکنت لا ادری

مجھے معلوم نہ تھا کہ مین کسی پر فریفتہ ہون۔ یہان تک کہ بیخبری کی حالت مین ہلاک ہوگیا

فالبدر یشھد انی کلف معزہی بحب شبیھۃ البدر

پس چودھوین رات کا چاند (اپنے داغ سیاہ کے ساتھ) اس بات پر شاہد ہے کہ مین اُسی کی صورت پر عاشق ہون۔

مین نے مسجد سے نکلکر ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو آواز کی سمت چلدیا تھوڑے فاصلہ پر ایک جوان نحیف نظر آیا جسکے چہرہ سے حزن و اضمحلال کے اثرات نمایان تھے۔ رخسار آنسوون سے تر تھے مین نے ہمدردی کے لہجہ مین اسکی حالت

دریافت کی تو کہا۔

"آہ آپ ایک غم نصیب کا افسانۂ غم کیا پوچھتے ہین میرا نام عتبہ ابن حباب ہے۔ قبیلۂ انصار سے ہون ایک بار مسجد احزاب مین بیٹھا تھا کہ کسی قبیلہ کی چند عورتین مسجد مین آئین اُنمین سے ایک نوجوان نازنین نے جو حسن و نزاکت مین بےمثال تھی میرے قریب آکر کہا۔

"اُس کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے جو خود تمھاری یاد مین مضطرب ہو"

ہاے اُسنے یہ کہا اور مجھے نیم بسمل کر کے خدا معلوم کہان غائب ہوگئی۔ میرا عیش و اطمینان سب اپنے ساتھ لے گئی اور اب میری حالت متغیر ہے" یہ کہکر اُسپر رقت طاری ہوگئی وہ روتے روتے بیہوش ہوگیا کچھ دیر بعد ہوش آیا تو یہ دردناک اشعار پڑھنے لگا جنکے سننے سے اور بھی طبیعت بیچین ہوتی تھی ؎

"اراکم بقلبی من بلاد بعیدۃ ۔۔۔ تراکم قرونی فی القلوب علی البعد

مین تمکو اپنے دل کی دوربین سے ممالک بعیدہ سے دیکھتا ہون۔ میرا نفس اسقدر دور ہونے کے باوجود تمھین دلون مین دیکھتا ہے۔

فوادی وطرفی یاسفان علیکم ۔۔۔ وعندکم روحی وذکرکم عندی

میرا دل اور میری آنکھین تمھارے حال پر افسوس کرتی ہین میری روح تمھارے پاس ہے اور تمھارا ذکر میرے پاس۔

ولست الذ العیش حتی اراکم ۔۔۔ ولوکنت فی الفردوس وجنۃ الخلد

مین اگر فردوس یا جنت الخلد مین بھی ہون لیکن جب تک تمھین دیکھ نہ لون میرے لیے عیش و آرام سب حرام ہے۔

مین نے اُسے تسکین دیکر کہا۔ اسقدر مایوس نہو خدا سے امید رکھو وہ تمھین کامیاب کرے گا" اُسنے جواب دیا "میری مشکل کا حل اُن دونون بھائیون کی و ایسی کی طرح ہے جو کسی قسم کی گھاس کی تلاش مین نہ معلوم کہان غائب ہو گئے۔

دوسرے دن علی الصباح کہ ابھی آفتاب بھی طلوع نہ ہوا تھا مین نے ابن حباب سے کہا۔ "آج میرے ساتھ مسجد احزاب چلو شاید وہ نازنین وہان سیر کے بہانہ پھر آئے" یہ سنکر اُسنے ذیل کے اشعار پڑھے۔

یاللرجال لیوم الاربعاء اما | ینفک یحدث لی بعد النہی طربا

"اے لوگو کیا ہمیشہ مجھے بدھ کے دن رنج کے بعد خوشی کی خبر سُنائی جاتی ہے۔

ماان یزال غزال فیہ یظلمنی | یھوی الی مسجد الاحزاب منتقبا

"وہ ہرنی جو منھ چھپا کر مسجد احزاب مین آتی ہے ہمیشہ مجھپر ظلم روا رکھتی ہے

یخبر الناس ان الاجر ھمتہ | اواتہ طالب للاجر محتسبا

"وہ لوگون پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ ثواب نے اُسے یہان آنے پر آمادہ کیا ہے یا مسجد کی حفاظت کی وجہ سے وہ اجر کی طالب ہے۔"

لوکان یبغی ثوابا ما اتی ظھرا | مضمخا بفتیت المسک مختضبا

"لیکن محض حصول ثواب کی خاطر وہ "رنگے بندھے" "کپڑے پہنے اور خوشبو مین بسی ہوئی" کبھی نہ آتی" اور باوجود ضعف ہو نیکے چلنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

ظہر کے بعد پہلے کی طرح چند عورتین مسجد مین آئین مگر اب کی مرتبہ بنت سلمیٰ انمین موجود نہ تھی اُنھون نے ابن حباب کو دیکھکر انھین الفاظ کا اعادہ کیا۔ "اُس کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے جو خود تمھارے وصال کے لیے مضطرب ہو" یہ سُنکر ابن حباب نے کہا

آج وہ نازنین آپ کے ہمراہ نہین آئی۔

اُنھون نے جواب دیا "وہ اپنے باپ کے ساتھ سماوہ چلی گئی"

یہ سُنکر اُسکے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ وہ ہمہ تن یاس بن گیا اور حالت یاس مین یہ یاس انگیز اشعار پڑھنے لگا۔

خلیلی ریا قد اجد بکورھا | وسارت الی ارض السماوۃ عیرھا

مین اپنی معشوقہ ریا کے فراق مین بیچین ہون اور حال یہ ہے کہ اُسکا قافلہ سماوہ کی طرف جا چکا۔

خلیلی ریا! قد غنیت من کثرۃ البکا فھل عند غیری غیرہ استعیرھا

"اے مری معشوقہ ریا! مین زیادہ رونیکی وجہ سے بیہوش ہوگیا ہون پس کیا کسی کے پاس رونے والی آنکھ ہے جو مجھے عاریۃً دیدے۔

میرے دل پر اُسکی اس یاس انگیز حالت کا خاص اثر ہوا مین نے اُسے تسکین دیکر کہا عزیز من! خدا پر بھروسہ رکھو وہ تمھین کامیاب کرے گا مین ... حالت سے متاثر ہوکر ابکی مرتبہ حج کا ارادہ فسخ کر دیا ہے میرے پاس اسوقت روپیہ اور وقت بھی کافی سے زیادہ ہے جنکے باعث مین تمھاری مقصد براری مین سرتوڑ کوشش کرسکون گا"

مایوس ابن حباب کو ان الفاظ سے یاس کی تاریکی مین امید کی جھلک دکھلائی دینے لگی۔ اُس نے اپنی حقیقی مسرت کا اظہار کیا اور میری طرف ... سد نگاہون سے دیکھا مین نے کہا۔ میرا ارادہ ہے کہ تمھین ساتھ لیکر بنت سلمی کے قبیلہ مین اُسکے باپ کے پاس جاؤن وہان جانے مین شاید تمھین کچھ عذر نہو گا۔

کسی ہجران نصیب عاشق کی اس سے بڑھکر کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ وہ بلا خوف وخطر اپنی معشوقہ کے قبیلہ مین جائے اُسنے اسے بدل وجان منظور کرلیا۔

ہم ضروری اسباب سفر کے ساتھ خدا کا نام لیکر سماوہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

ریا کا باپ اپنے قبیلہ کا ایک معزز رئیس تھا اُسنے ہماری بہت کچھ خاطر تواضع کی ہمین بہت اچھی جگہ ٹھہرایا ہمارے لیے قسم قسم کے کھانے تیار کروائے مگر مین نے اُس سے کہا۔ ہم آپ کے پاس ایک ضروری عرض لیکر آئے ہین جبتک آپ اُسے پورا کرنے کا وعدہ نہ فرمائین گے خدا کی قسم ہے ہم اُسوقت تک کھانا وغیرہ کچھ کھائینگے۔

اُسنے کہا۔ آپ فرمائیے اگر میرے قبضہ اختیار مین ہو تو آپ کی خواہش ضروری پوری کرون گا۔

مین ۔ اپنی صاحبزادی ریا بنت سلمی کو میرے ساتھی ابن حباب کے ساتھ منسوب کردیجیے

وہ ۔ ابن حباب کس قبیلہ سے ہین۔

مین۔ قبیلہ انصار سے ۔

وہ ۔ یہ بات تو سلمیٰ کی مرضی پر منحصر ہے میرا اسمین کچھ اختیار نہین ۔مین آپ کا پیغام اُس سے جاکر کہے دیتا ہون ۔



مایوس بنت سلمیٰ پہلے ہی ابن حباب پر دل فدا کر چکی تھی اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسکا دل شکار کرنیوالے کا دل بھی شکار ہو چکا ہے وہ اُسے دوبارہ دیکھنے سے مایوس ہو چکی تھی اُسے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ابن حباب کو میرا ذرا بھی خیال ہو گا اُسکے باپ نے جب اُسے یہ خوشخبری سُنائی تو خوش ہو گئی اور اس اُمید مین کہ اب اپنے محبوب کا وصال نصیب ہو گا دل مین خدا کا شکر ادا کیا ۔

لیکن ریا کے کچھ کہنے سے قبل اُسکے باپ نے کہا" وہ تجھے ابن حباب سے منسوب کرنے کی خواہش کرتے ہین لیکن میری منشا اسکے خلاف ہے مین تجھسے بقسم کہتا ہون کہ تجھے اُسکے ساتھ منسوب نہین کرون گا "

بنت سلمیٰ نے باپ کی یہ گفتگو سُنی تو اُسکی تمام اُمیدون پر پانی پھر گیا مگر اُسنے کمال ضبط و دانائی سے کام لیکر کہا" میرے خیال مین انصار کو اسطرح ناکام واپس کرنا کسی طرح مناسب نہین ۔ اگر آپ ایسے ہی مناسب سمجھتے ہین تو مہر زیادہ کر دیجئے اور اُنسے ایسی اشیا طلب کیجیے جسکی قدرت نہ رکھتے ہون ۔

باپ نے کہا" ہان یہ ترکیب نہایت مناسب ہے"

اُسنے مجھسے باہر آکر کہا" بنت سلمیٰ کو یہ عقد منظور ہے مگر پیشتر آپ مہر مین ایک ہزار دینار پانچ ہزار درہم، ریشم اور دیگر بیش بہا قیمت کپڑون کے سو تھان اور پانچ کرس عنبر کا انتظام کر لیجئے ۔

وہ سمجھتا تھا کہ ہم کسی صورت ان اشیا کو مہیا نہ کر سکین گے مگر ہم اسکے لیے پہلے ہی تیار ہو کر آئے تھے ہم نے ان سب چیزون کا بہت جلد انتظام کر دیا ۔

اُسنے اپنے وعدہ سے مجبور ہو کر اپنی طبیعت کے خلاف ریا کا عقد بنت حباب سے

کردیا اور ہمین چالیس دن تک اپنا مہمان رکھا۔

چالیسوین دن ریا کے باپ نے ریا کو رخصت کیا اور "ریا" کو ساتھ لیکر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ مسرت و انبساط کے ساتھ مکان کی جانب روانہ ہوا۔

مدینہ کے کچھ قریب آنے پر ہمین اپنی طرف بہت سے مسلح نوجوان آتے ہوئے دکھائی دیے معاً ہمین یہ سمجھ گیا کہ یہ بنت سلمیٰ کے باپ کی مذبوحی حرکت ہے وہ در اصل پیشتر ہی اس عقد کا حد سے زیادہ مخالف تھا اب ہم اُسکے یہان سے چلے آئے تھے اُسنے یہ ترکیب کی کہ مسلح لوگون کو ہمارے مقابلہ مین بھیج دیا کہ لڑکر اور دھمکا کر غرض جسطرح بھی ہو بنت سلمیٰ کو ہم سے چھین لیجائین۔ وہ ہمارے قریب آئے تو ہم بھی فوراً مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور استقلال کے ساتھ مدافعت کی۔

لڑائی بہت سخت تھی، ابن حباب بھی مستعدی و بہادری کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ اس اثنا مین ایک تیر آکر لگا۔ وہ فوراً زمین پر گر کر بیہوش ہو گیا اُسکے زخم سے نہایت جوش سے خون اُبلنے لگا۔ تیر گہرا لگا تھا خون زیادہ بہنے کی وجہ سے زخم نے مہلک صورت اختیار کی اور تھوڑی دیر مین ابن حباب اس بیرحم جذب عشق کے ہاتھون دُنیا سے ناکام و نامراد چل بسا

اس افسوسناک واقعہ سے میری ساری خوشی پر پانی پھر گیا۔ میری تمناؤن پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا مین نے ایک ہجران نصیب عاشق کو اُسکی معشوقہ سے ملانے کی انتہائی کوشش کی تھی مگر قضا و قدر سے مجبوری تھی۔

بنت سلمیٰ جب نجدہ سے واپس آئی اور اُسے اس دردناک حادثہ کی خبر ہوئی تو اُسکی نظرون مین دنیا تاریک ہو گئی وہ بے اختیاری مین ابن حباب کی لاش پر گر پڑی اُسنے آنسوؤن اور جگر خراش چیخون کے ساتھ بہت سے دردناک اشعار پڑھے جنمین کا ایک شعر یہ ہے

وما احد بعدی و بعدک منصفٌ   خلیلاً ولا نفس بنفس فواقفہٗ

پس اب میرے اور تمھارے بعد دنیا مین نہ کوئی منصف مزاج عاشق ہو اور نہ ایک دل دوسرے دل سے واقف

اُسکی بیقراری مین ساعت بساعت ترقی ہوتی گئی - آخر کار اُسنے ایک جانگسل نالہ کے ساتھ ابن حباب کے پہلو مین جان دیدی - آہ عشق کا وہ دریا جسمین یہ دونون شناوری کر رہے تھے دفعۃً خشک ہو گیا

بنت سلمیٰ کی موت سے میرے رنج و غم مین مزید اضافہ ہوا مین نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور دونون کو قریب قریب دفن کر دیا "

حسین پلی بھیتی

اُن خیالات کی تعداد کثیر ہے جنکے متعلق ہمکو یہ بھی پتہ نہین چلتا کہ وہ ہماری رسائی سے بالاتر ہین - صرف اسوجہ سے کہ ہم اُنکے نامون سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گئے ہین ایسا ہے " خدا " کا خیال ہے - اس غرض سے کہ ہم اسکو سمجھین ہمنے کبھی اس خیال کے ادراک کی طرف زیادہ توجہ نہین کی ، اور یہی وجہ ہے کہ ایک معتد بہ ذہنی بیداری کی ضرورت ہے تاکہ ہم الفاظ کے بھدے وبدنما پردون کے پیچھے حقیقی خدا کو محسوس کر سکین - وہ اشیاء مختصر ہمارے سامنے اپنی انتہا بھی پیش کرتی ہین - لیکن وہ حقیقت جو وسیع ہے ہمارے متصل ہی آکر اپنی ہمہ گیری کا ثبوت دیتی ہے - بدقسمتی سے نہ وہ الفاظ جو حقیقت کے نمایندے ہوتے ہین اور نہ وہ دماغ جو اُن الفاظ کو مطالعہ کرتے ہین اُسقدر وسیع ہوتے ہین جسقدر کہ خود حقیقت وسیع ہوتی ہے - اسلیے الفاظ (اور اُنکے ساتھ ساتھ ہماری توجہ اور دلچسپی) مبھول ہو جاتے ہین - اور ہمارے اعتقادات کو صدمہ پہونچاتے ہین جس سے ہم واقف بھی نہین ہوتے -

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات جو اشخاص زیادہ مذہبی ہوتے ہین وہی درحقیقۃ مذہب سے دور ہوتے ہین - بہ نسبت اُنکے جو صاف طور سے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوے ہین

ٹیگور

حُسنِ ظن

(۱)

بیچو دھوبی کو اپنے گھر اور گانوُن سے اتنی ہی الفت تھی جتنی ہر انسان کو ہوتی ہے۔ اُسے روکھی اور آدھے پیٹ کھا کر بھی اپنا وطن ساری دنیا سے پیارا تھا۔ اپنے گانوُن کے درخت اور میدان، تال اور تلیئے۔ اوسرا اور کھیت، مندر اور کنوئین سبھی اسکے لیے زندہ، جاندار ہستیان تھین۔ سبھی سے ایک تعلق خاطر تھا۔ کسی درخت کو پھلتے پھولتے دیکھکر، تال تلیون کو پانی سے بھرتے دیکھکر، کھیتون کو ہریالی سے آراستہ دیکھکر، اُسے وہی مسرت ہوتی تھی جو ہمین اپنے کسی عزیز کی فارغ البالی اور خوشحالی سے ہوتی ہے۔ اگر اُسے بوڑھی کسان عورتونکی گالیان اور جھڑکیان کھانی پڑتی تھین تو بہوئین اُسے بیچو دادا کہکر بھی پکارتی تھین۔ گھڑکیون اور جھڑکیون کو وہ ہنسکر ٹال دیتا تھا۔ خوشی اور غم کی ہر ایک چھوٹی بڑی تقریب مین اُسکا خیر مقدم ہوتا تھا۔ گانوُن والے اُسکی منتین کرکے لیجاتے تھے۔ بالخصوص شادیون مین تو اُسکا وجود دولھے دولھن سے کم لازمی نہ تھا۔ بیوی گھر مین سجتی تھی۔ دروازہ پر بیچو کا نقارہ بجتا تھا۔ وہ پشوانہ پہنے۔ کمر مین گھنٹیان باندھے، سازندون کو ساتھ لیے۔ ایک ہاتھ مین مرِدنگ اور دوسرا ہاتھ اپنے کان پر رکھکر جب فی البدیہہ مدحیہ اور دعائیہ بہے گانے لگتا تو اُسوقت اُسکی آنکھون مین غرور کا نشہ نظر آتا تھا۔ دہقانیون کا مجمع حیرت آمیز نگاہون سے اُسکے کمالون کی داد دیتا جو تحسین کا معراج ہے۔ بیچو کے سمند فکر کو تازیانہ لگ جاتا۔ اُسکی بدیہہ گوئی اور بھی جولان پذیر ہو جاتی۔ جب اسکا صلہ کسی ٹوٹے پھوٹے برتن۔ اُتارے کپڑے اور ایک پھیری اناج کی صورت مین ملتا (روپئے کے پیسے لازمی تھے) تو وہ نہال ہو جاتا۔ ہان ڈھیلے پر کپڑے دھوکر، چبینہ کھاکر وہ اپنی حالت پر قانع تھا۔ اگر ان ہمنوائیون مین کوئی بے سُرا راگ تھا تو وہ زمیندار کے

ملازمون کی آئے دن کی سختیان اور بدسلوکیان تھین ۔ گاؤن والون کی جھڑکیون اور گالیون مین ایک اپناپا ہوتا تھا ۔ اُنمین دلآزاری کا شائبہ بھی نہوتا تھا ۔ وہ کھٹ مٹھے بیرون کی طرح ترش بھی ہوتی تھین اور شیرین بھی ۔ ان ملازمون کی گالیون اور سخت کلامیون مین بیدردی ۔ بےحسی اور مغائرت کا پہلو غالب ہوتا تھا ۔ یہی ایک سبب تھا جو کبھی کبھی بیچو کو گاؤن چھوڑکر بھاگ جانے کی تحریک کرتا تھا ۔ بعض اوقات تو وہ عاجز آکر ترک وطن کا مصمم ارادہ کرلیتا پر گاؤن کی محبت اور گاؤن والون کے اصرار اسکے ارادے کو پورا نہونے دیتے تھے ۔ کارندہ صاحب کے علاوہ پانچ چھ چپراسی تھے ۔ اُنکے حوالیون اور طفیلیون کی تعداد بھی کافی تھی ۔ بیچو کو اُنکے کپڑے مفت مین دھونے پڑتے ۔ اگر کچھ مزدوری ملتی تو گالیان ۔ اسکے پاس استری نہ تھی ۔ گاؤن والون کو استری کی ضرورت نہ تھی ۔ مگر ان شرفا کے کپڑون پر استری کرنی ضروری تھی ۔ اسکے لیے بیچو کو دوسرے دھوبیون کی خوشامد کرنی پڑتی ۔ کبھی کبھی شہر بھی جانا پڑتا ۔ اگر کبھی مجبور ہوکر بلا استری کیے ہوے اُنکے کپڑے لاتا تو اسکی شامت آجاتی تھی ۔ گالیان کھاتا ، مار کھاتا ، گھنٹون دھوپ مین کھڑا رہنا پڑتا ۔ یہ اذیتین اسکے لیے ناقابل برداشت تھین ۔ خصوصاً اسلیے کہ اپنے گاؤن والون کی نگاہ مین اسکی سُبکی ہوتی تھی کسی دوسری جگہ شاید وہ اس سے بھی سخت برتاؤ برداشت کرلیتا ۔ مگر اپنے ہی گاؤن مین جہان اُسکا اتنا مان تھا یہ ذلت اور تحقیر نہ سہی جاتی تھی ۔ اُسکی خودداری اسکی متحمل نہوسکتی تھی

(۲)

جیٹھ کا مہینہ تھا ۔ قرب و جوار کے تال تلیا سوکھ گئے تھے ۔ اتنی شدت کی گرمی تھی کہ درخت سوکھتے جاتے تھے ۔ بیچو کو بہرات بہے دور کے ایک تال مین کپڑے دھونے جانا پڑتا ۔ وہان بھی پانی کم تھا ۔ دھوبیون کی باری بندھی ہوئی تھی ۔ بیچو کی باری پانچوین دن پڑتی تھی ۔ کئی گدھے لاد کر جاتا ۔ مگر شدت کی دھوپ اور آگ کی لپٹین ۔ نو بجے کے بعد کھڑا نہ رہا جاتا تھا ۔ آدھی لادی بھی نہ ختم ہوسکتی ۔ گاہکون کو وعدے کرکے ، کبھی اپنی معذوری جتا کے ۔ خوش رکھتا تھا مگر کارندہ صاحب مجبوریون کے قائل نہ تھے ۔ مزدورون کو دھوپ لُو ۔ قرب و بعد ، کا کیا غم ؟ انھین تو خدا نے اسی لیے بنایا ہے ۔ اُنکا ایک آدمی صبح و شام بیچو کے سر پر سوار

ہوجاتا اور دس پانچ بے نقط سُنا کر چلا جاتا۔ بیچو منت اور خوشامد کرکے ٹالتا رہتا۔ یہان تک کہ ایک بار سات دن تک اُسسے حیلے کرتے ہوگئے اور کپڑے تیار نہوسکے۔ دھل تو گئے تھے پر استری نہوئی تھی۔ آخر مجبور ہوکر بیچو آٹھوین دن کپڑے لیکر چوپال پہونچا۔ کارندہ صاحب اُسے دیکھتے ہی غصہ سے آگ ہوگئے۔ بولے۔ کیون بے تجھے گانوٗن مین رہنا ہے یا نہین؟

بیچو نے کپڑون کا بقچہ تخت پر رکھ دیا اور بولا "کیا کرون سرکار کہین پانی تو ہے ہی نہین"

کارندہ۔ "پانی تجھ مین نہین ہے اور ساری دُنیا مین ہے۔ اب تیرا علاج اسکے سوا اور کچھ نہین ہے کہ تجھے گانوٗن سے نکال دون۔ کمبخت دائی سے پیٹ چھپانے چلا ہے۔ کپڑے دوسرونکو بارات کرنے کے لیے دیدیتا ہے۔ اُسپر کہتا ہے کہین پانی نہین ہے"

بیچو۔ "ہجور گانوٗن آپ کا ہے چاہے رہنے دین یا نکال دین، لیکن ماتھے پر یہ کلنک نہ لگائین اتنی اُمر آپ ہی لوگون کی کھدمت کرتے کٹ گئی پر مجھ سے اور چاہے کتنی ہی بھول چوک ہوئی ہو کبھی نیت بد نہین ہوئی۔ اگر کوئی کہدے کہ مین نے کبھی گاہکون کے ساتھ ایسی دگا کی ہے تو اُسکی ٹانگ کی راہ نکل جاؤن"

ثروت کو صاف گوئی سے عناد ہے۔ کارندہ صاحب نے کچھ اور سخت سُست کہا۔ بیچو نے بھی کچھ اور قیل و قال کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غریب کو ایک اٹھوارے تک ہلدی اور گڑ پینا پڑا نوین دن اُسنے سب گاہکون کے کپڑے جیسے تیسے دھوکر دیدیے۔ اپنا بوریا بدھنا سنبھالا اور ایک روز رات کو چپکے سے نکل کھڑا ہوا۔ اتنی ذلت کے بعد گاؤن مین رہنا مشکل تھا۔ گاہکون سے بدا ہونا اُسکے امکان سے باہر تھا۔ وہ انکی التجاؤن کو رد نہ کرسکتا تھا۔

(۳)

بیچو شہر مین آیا تو اُسے ایسا معلوم ہوا کہ میرے لیے پہلے ہی سے جگہ خالی تھی۔ اُسے نہ دفترون مین عرض معروض کرنے کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ نہ اخبارون مین اشتہار دینے کی۔ گاہک خود آ پہونچے۔ ایک ہی مہینہ مین اُنکی تعداد اُسکی قوت شمار سے متجاوز ہوگئی۔ وہ دام کھرے کرلیتا تھا مگر وعدہ کا پکا تھا۔ تقدیر چمک اُٹھی۔ خوش معاملگی نے دھاک بٹھا دی۔ کبھی کبھی اسکی روزانہ مزدوری دیہات کی سالانہ کمائی سے بڑھ جاتی تھی۔ وہ پہلے ناریل پیتا تھا۔ وہ ہ

بزرگون کی یادگار صالح تھا۔ اب ایک گڑ گڑی لایا۔ برہنہ پاؤن مین جوتے پڑ گئے۔ اور جو ہاضمہ مٹر اور کودون ہضم کر سکتا تھا وہ اب چپاتیون کا محتاج ہو گیا۔ پہلے کبھی کبھی تقریبون مین شراب پی لیا کرتا تھا۔ اب روزانہ دور چلنے لگے۔ اسکے بغیر کسل رفع نہ ہوتا تھا۔ بیوی کو بھی زیورون کی چاٹ پڑی۔ سنار کی دوکان کے چکر لگانے لگی۔ لڑکے پہلے پیڑون تلے جامن اور آم چنتے پھرتے تھے۔ درختون پر چڑھکر گولر اور رطبی کھاتے تھے۔ اب وہ خوانچون کے عاشق ہوے تھوڑے ہی دنون مین مکان کا کرایہ بڑھا۔ کھلی اور بھوسہ بھی گران ہو گیا۔ مزدوری کا اضافہ عذاب جان ہو گیا۔ لادی کے دونون بیلون کو کھلانے مین مزدوری کا ایک بڑا حصہ نکل جاتا روز کی کمائی روز اڑ جاتی۔ بیوی کو پان کیلئے بھی پیسے نہ بچتے۔

کچھ دنون تک یہی کیفیت رہی آخر جب بہت کوشش کرنے پر بھی دونون مدون مین اعتدال نہ قائم رہ سکا تو بیوی نے بیچو کی نظر بچا کر گاہکون کو کپڑے چھپائی دینے شروع کیے۔ بیچو پر جب یہ حقیقت کھلی تو بگڑ کر بولا۔ "اگر مین نے پھر یہ شکایت سنی تو مجھسے برا کوئی نہ ہوگا اسی انجام پر تو مین نے باپ دادون کا مکان چھوڑ دیا۔ یہان سے بھی نکلوانا چاہتی ہو کیا؟"

بیوی نے غصہ جائز کے ساتھ کہا "تمھین سے تو دارو کے بنا ایک دن بھی نہین رہا جاتا مین کیا پیسے لیکر لٹاتی ہون جو گھر کا کھرچ پڑے وہ دیتے جاؤ تو مین کیون جھت سر پر لون۔ ایک پان کھاتی ہون آج سے وہ بھی چھوڑ دونگی۔ پھر جو پان کھاتے دیکھنا جو چاہے کرنا۔"

مگر رفتہ رفتہ اخلاقی احساس نے ضروریات کے سامنے سر جھکانا شروع کیا۔ ایکبار بیچو کو کئی دنون تک بخار آیا پہلے تو تلسی کی پتیان اور مرچ اور نیم کی چھال وغیرہ پیتا رہا۔ جب اس سے کوئی افاقہ نہوا تو اسکی بیوی ڈولی پر بٹھا کر اُسے حکیم کے یہان لیگئی۔ حکیم صاحب نے نسخہ لکھدیا گھر مین نسخہ بندھانے کیلئے پیسے نہ تھے۔ بیوی نے کہا کوئی عطار تو اپنا گاہک نہین ہے نہین تو اُسکے یہان سے دوا لے آتی۔ دھلائی مین دام کٹ جاتے۔

بیچو "کیا دو چار آنے پیسے بھی نہین ہین"

بیوی "پیسے ہوتے تو کس دن کے لیے رکھ چھوڑتی"

بیچو نے معذورانہ انداز سے کہا "دوا تو بنوانی ہی ہوگی۔"

بیوی "جو کہو وہ کرون۔ اکیلے جتنا کام ہو سکتا ہے کرتی ہون مگر تیسے تھامے گرہستی تھوڑے ہی

تھم سکتی ہے - پہلے کچھ پیسے اوپرے مل جاتے تھے - تمنے اُسکی مناہی کردی - تو اب میرا کیا بس ہے - دو دن سے بیل بھوکے کھڑے ہین - ایک روپیہ ہو تو انکا پیٹ بھرے -

بیچو " بھائی جو تیرے جی مین آئے کر - کسی طرح جان تو بچا - معلوم ہوتا ہے شہر مین اچھی نیت والے آدمی کا نباہ نہین ہو سکتا -

اُس دن سے بیچو نے بھی عام دھوبیون کا وطیرہ اختیار کیا -

(۴)

بیچو کے پڑوس مین ایک وکیل کے محرر منشی داتارام رہتے تھے - بیچو کبھی کبھی فرصت کے وقت اُنکے پاس جا بیٹھتا - محرر صاحب کے کپڑے حق ہمسائگی مین دُھل جاتے تھے - اسلیے وہ بیچو کی خاطر کرتے - اپنی چلم اُتار کر اُسے پینے کو دیدیتے - گھر مین کوئی اچھی چیز بنتی تو بیچو کے بچون کے لیے بھجوا دیتے - اور کبھی کبھی شیشہ و ساغر مین بھی اُسے شریک کر لیتے - ان دنون شراب اتنی گران نہ تھی - ہان یہ خیال رکھتے تھے کہ ان مدارات کی قیمت دُھلائی کے پیسون سے زیادہ نہونے پائے -

گرمیون کے دن تھے - خانہ آبادیون کی وبا پھیلی ہوئی تھی - منشی داتارام کو بھی ایک رات مین شریک ہونا تھا - گڑگڑی کے لیے ایک بیچوان بنوایا - روغنی چلم لائے - سرپوش عاریتاً لے گیا سلیم شاہی جوتے خریدے - اپنے وکیل صاحب کے یہان سے قالین منگنی لائے - ایک دوست سے انگوٹھی اور سونے کے بٹن منگنی لیے - ان لوازم کے مہیا کرنے مین زیادہ تردد نہوا - ایسی حالتون مین عاریت مستحسن ہے - اگر یہ رواج عام نہوتا تو سفید پوشون کی آبرو کیونکر قائم رہتی - کسی کا ان تکلفات سے آراستہ ہونا اس امر کی دلیل نہین ہے کہ یہ چیزین اپنی ہین کسی کو یہ گمان بھی نہین ہوتا - زیادہ سے زیادہ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص مین ان لوازم کے مہیا کرنے کی مقدرت ہے - خیر منشی جی نے ٹھاٹھ کے یہ سب سامان تو فراہم کر لیے - مگر کپڑے منگنی لینے مین شرم دامنگیر تھی - بارات کے قابل نئے کپڑے بنوانے کی گنجائش نہ تھی - ترک موالات نے وکیلون کا بازار سرد کر دیا تھا - تہذیب کے کرتے - ریشمی اچکن - چھالٹی کے پاجامے بنوانے مین خاصی رقم لگتی تھی - اور ریشمی کنارے کی دھوتیاں

بنارسی صافا اور ڈوپٹہ تو عملیات کے دائرہ سے خارج تھا۔ کئی دن تک بیچارے اسی فکر میں پریشان رہے۔ آخر بیچو کے سوا اور کوئی مشکلکشا نہ نظر آیا۔ شام کو جب بیچو اُنکے پاس آیا تو اسکی بڑی آؤ بھگت کی اور بولے "آج کل باراتوں کے مارے ناک مین دم ہے۔ معلوم ہوتا ہے شہر مین کوئی کنوارا آدمی بچے گا ہی نہین۔ سرکار اگر شادیوں پر ٹکیس لگا دے تو خاصی آمدنی ہو جائے"

بیچو۔ "منشی جی، یہی تو سہالگ کے دن ہین۔ جتنے سُنار۔ آتشباز، بھانڈ، گائن ہین، وہ اُنھین دنوں کی کمائی سال بھر تک کھاتے ہین۔ نہین تو انکو کون پوچھتا۔ بھگوان نے اسی حیلہ سے اُنکی بھی روجی نکال دی ہے"

منشی جی۔ "کیا بتاؤن۔ مجھے بھی ایک بارات مین جانا ہے۔ سیکڑوں رئیسون سے بیوہار ہے کتنا ہی بچون پھر کہین نہ کہین پھنسنا ہی پڑتا ہے۔ اور سب سامان تو مین نے جمع کر لیے ہین مگر کپڑے بنوانے مین تردد ہے۔ روپیون کی تو کوئی فکر نہین۔ تمھاری عنایت سے اتنا سمجھیتا ہے۔ مگر جانتے ہو آجکل لگن کی تیزی ہے۔ درزیون کو سر اُٹھانے کی فرصت نہین ہے۔ دونی مزدوری لیتے ہین۔ آسیر مہینوں دوڑاتے ہین۔ اگر آج کپڑے دیدون تو شاید بارات کی واپسی تک دوڑتے ہی رہین۔ اگر تمھارے یہان میرے لائق کوئی ریشمی اچکن اور بنارسی صافا ہو تو دو تین دن کیلیے مجھے دیدو۔ کسی طرح سر سے یہ بلا ٹلے۔ نوید دیدینا تو آسان ہے۔ بہت ہوا تو رنگین رقعے چھپوا لیے۔ لوگ یہ نہین سوچتے کہ باراتیون کو کتنی تیاریان کرنی پڑتی ہین۔ کیا کیا دقتین اُٹھانی پڑتی ہین۔ اگر یہ شرط ہوتی کہ جو شخص نوید دے وہ اسکے لیے سب سامان بھی مہیا کر دے تو لوگ اتنی آزادی سے نوید نہ دیا کرتے۔ تو بولو۔ میری اتنی مدد کرو گے؟

بیچو۔ "آپ کے لیے کسی بات سے انکار تھوڑے ہی ہے۔ جان تک حاضر ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ آجکل سبھی لوگ اپنے اپنے کپڑون کی جلدی مچا رہے ہین۔ دن مین تین تین بار آدمی بھیجتے ہین۔ اچکن۔ صافا۔ دوپٹہ سب موجود ہے اور ایسا بڑھیا کہ شہر مین کسی رئیس کے پاس بھی نہ ہوگا۔ لیکن ڈر یہی ہے کہ اِدھر آپ کو کپڑے دیدون۔ اُدھر جسکے کپڑے ہین وہ سر کھانے لگے تو کیا کرونگا"

داتا رام۔ "ابھی تو دو تین دن کے لیے ٹالنا کون بڑا کام ہے۔ تم چاہو تو ہفتون ٹال سکتے ہو۔

ابھی بھٹی نہین چڑھی، ابھی استری نہین ہوئی ۔ گھاٹ بند ہے ۔ تمھارے پاس بہانون کی کیا کمی ہے ۔ پڑوس مین رہکر اب کیا میری اتنی خاطر بھی نہ کروگے ؟

بیچو ۔ نہین منشی جی ۔ آپکے لیے جان حاضر ہے ۔ چلیے کپڑے پسند کر دیجیے تو مین اُنپر دوہری استری کرکے ٹھیک کر دون ۔ یہی ہوگا دوچار گھڑکیان کھانی پڑینگی ۔

(۵)

منشی داتا رام بارات پہونچے ۔ باراتیون کے ٹھاٹھ باٹ، کتہ و فرۃ کو دیکھکر کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ انسان کتنا نمایش پسند واقع ہوا ہے ۔ چھوٹے بڑے سبھی مرصع و مقطع نظر آتے تھے ۔ جدھر دیکھیے شوقیانہ وضع کی بہار تھی ۔ سرمہ، کنگھی، رنگینی اور سجاوٹ، جس سے عام موقعون پر احتراز کیا جاتا ہے یہان باعث تحسین تھے ۔ یون تو سبھی حضرات ساز و سامان سے لیس تھے پر منشی داتا رام کا رنگ نرالا تھا ۔ اُنکے بنارسی صافے، ریشمی اچکن اور سلک کی چادر نے وہ رنگ جمایا کہ اکثر لوگ سمجھنے لگے کہ یہ کوئی رئیس ہین ۔ بیچو بھی اُنکے ساتھ ہولیا تھا ۔ منشی جی اسکی بڑی خاطر کر رہے تھے ۔ اُسے ایک بوتل شراب دلادی ۔ دعوت مین گئے تو اسکے لیے خاص طور پر ایک پتل لیتے آئے ۔ یہ ٹھاٹھ اُسی کی بدولت تو تھا ۔

آدھی رات گذر چکی تھی ۔ محفل برخاست ہوگئی تھی ۔ لوگ سونے کی تیاری کر رہے تھے ۔ بیچو منشی جی کی چارپائی کے پاس ایک چادر اوڑھے پڑا ہوا تھا ۔ منشی جی نے کپڑے احتیاط سے اُتارے اور الگنی پر رکھدیے ۔ حقہ تیار تھا ۔ لیٹ کر پینے لگے ۔

بیچو نے کہا ۔ آپ کے سامنے سبھی باراتیون کا رنگ پھیکا پڑگیا ۔

داتا رام ۔ یہ تمھاری عنایت ہے ۔ ورنہ میری کیا ہستی تھی ۔ بڑے بڑے وکیل اور رئیس میری طرف رشک سے دیکھتے ہین ۔ دھوبیون کے ہاتھ مین سب کچھ ہے ۔ چاہین تو فقیر کو امیر بنا دین ،،

دفعتاً ایک آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھکر منشی جی نے بیچو کو چپ رہنے کا اشارہ کیا ۔ جب یہ آدمی قریب آگیا تو معلوم ہوا کہ وہ سازندون مین سے ایک عطائی ہے ۔ طبلے بجاتا تھا ۔

منشی جی نے پوچھا ۔ کہو بھئی ۔ بائی جی آرام فرما رہی ہین ۔ آج تو تمنے وہ ہاتھ دکھائے کہ طبیعت خوش ہوگئی ۔ کیسے چلے ؟

عطائی" - کچھ نہین - آپ نے یہ اچکن اور صافہ کہان پایا"
منشی جی نے اُسکی طرف خوف آمیز تجاہل سے دیکھکر کہا" - اسکا کیا مطلب ؟
عطائی" اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ دونون چیزین میری ہین"
منشی جی نے دل کو مضبوط کر کے کہا" کیا تمھارے خیال مین ریشمی اچکن اور بنارسی صافہ تمھارے سوائے اور کسی کے پاس ہو ہی نہین سکتا ؟"
عطائی" ہو کیون نہین سکتا - اللہ نے جسے دیا ہے وہ پہنتا ہی ہے - پر یہ دونون چیزین میری ہین - اگر ایسی اچکن شہر مین کسی دوسرے کے پاس نکل آئے تو جو جرمانہ کہیئے دون - مین نے محض اسکی سلائی کے بیس روپیہ دیے ہین - وہ کاریگر ہی اب نہین رہا - مین نے برسون اُسکے دروازے کی خاک چھانی - میرے ہنر پر کچھ ایسا خوش ہو گیا کہ یہ اچکن میرے لیے تیار کردی صافے پر بھی میرا نشان بنا ہوا ہے - لائیے دکھا دون مین صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہون کہ آپنے یہ چیزین کہان پائین -
منشی جی سمجھ گئے کہ اب زیادہ قیل و قال کی گنجائش نہین ہے - قانونی تحریف کا موقع نہ تھا سینہ زوری مین بات کے بڑھ جانے کا احتمال تھا مصلحت سے کام لیا - ملائمت سے بولے بھئی یہ نہ پوچھو - یہان ان باتون کے کہنے کا موقع نہین ہے - ہماری اور تمھاری عزت ایک ہے اتنا ہی سمجھ لو کہ اسی طرح دُنیا کا کام چلتا ہے - اگر ایسے کپڑے بنوانے بیٹھتا تو اسوقت سیکڑون کے ستھے جاتی پھر بھی یہ رنگ نہ جمتا - یہان تو کسی طرح کام نکالنے سے مطلب تھا کہ بنا ہڑا و رپٹکری کے رنگ چوکھا ہو جائے - اطمینان رکھو تمھارے کپڑے خراب نہ ہونگے - اسکا ذمہ میرا - مین انکی احتیاط اپنے کپڑون سے بھی زیادہ کرتا ہون "
عطائی - اسکی کوئی فکر نہین - آپ شوق سے پہنین - اور جتنی براتون مین چاہین جائین - آپکی دعا سے اللہ نے بہت کچھ دیا ہے - خدا ہمارے رئیسون کا بھلا کرے انکی بدولت پانچون گھی مین رہتی ہین - نہ مین آپ کو رُسوا کرنا چاہتا ہون - آپ کی جوتیون کا غلام ہون - صرف اتنا جاننا چاہتا تھا کہ آپ کو یہ چیزین کس سے ملین ؟ یہ کپڑے مین نے بیجو کو دھونے کے لیے دیے تھے - ایسا تو نہین ہوا کہ کوئی چور بیجو کے گھر سے اُٹھا لایا ہو - یا کسی دھوبی نے بیجو کے گھر سے

چرا کر آپ کو دیدیے ہون۔ کیونکہ بیجو ایسے چھچھوارے پن کا عادی نہین مین نے خود اُس سے کئی بار اس قسم کا معاملہ کرنے کی کوشش کی۔ ہاتھون پر پیسے رکھے دیتا تھا۔ پر اُسنے کبھی پرواہ نہین کی۔ اِدھر کا حال نہین جانتا کیونکہ اب مین ایسے سوال کرنے کی جرأت ہی نہین کر سکتا۔ مجھے یقین نہین آتا کہ اب وہ اتنا بددیانت ہو گیا ہو گا۔ اسی لیے آپ سے بار بار پوچھتا ہون کہ آپنے کپڑے کہان پائے۔

داتا رام۔ بیجو کی نسبت تمھارا جو خیال ہے بالکل صحیح ہے۔ آج ایسا بے لوث آدمی شہر مین نہین۔ ہے تو وہ ایک غریب پیشہ ور پر معاملہ کا صاف۔ لیکن بھئی پڑوس کا بھی تو کچھ حق ہوتا ہے۔ میرے پڑوس مین رہتا ہے۔ آٹھون پہر کا ساتھ ہے، میری ضرورت دیکھی، بھیج گیا بس اور کوئی بات نہین۔

عطائی نے بیجو کی دیانت کی تعریف مین مبالغہ سے کام لیا تھا۔ کبھی بیجو کے ہاتھون پر پیسے نہ رکھے تھے اور نہ اصرار کیا تھا۔ ہان ایک بار کپڑے مانگے ضرور تھے۔ مگر اسکے مبالغہ کا اثر بیجو پر اُس سے کہین زیادہ پڑا جتنا صرف حقیقت حال کے اظہار سے ہو سکتا تھا۔

وہ نیند سے نہ سویا تھا۔ عطائی کی باتین پڑا پڑا اسن رہا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میری روح غافل نیند سے بیدار ہو رہی ہے۔ دنیا مجھے کتنا سچا، کتنا ایماندار سمجھتی ہے اور مین کتنا بے ایمان، کتنا دغاباز ہون۔ جھوٹے الزام پر مین نے وہ گانون چھوڑا جہان باپ دادے رہتے تھے مگر یہان آکر تن پروری اور تکلف کے پیچھے تباہ ہو گیا۔ گہرے غار مین گر پڑا۔ کیسے آرام سے زندگی کٹتی تھی۔ موٹا کھاتا تھا۔ پھٹے پرانے پہنتا تھا اور ٹانگین پھیلا کر سوتا تھا۔ کارندہ کا بُرا ہو جسکی بدولت میری زندگی یون غارت ہو گئی۔

بیجو یہان سے لوٹا تو دوسرا ہی آدمی ہو گیا تھا۔ یا یون کہیے کہ وہ پھر اپنے کھوئے ہوئے ضمیر کو پا گیا تھا۔

(۵)

چھ مہینے گزر گئے۔ شام کا وقت تھا۔ بیجو کے بڑے لڑکے ملکھان کی شادی کی بات چیت کرنے کیلیے مہمان لوگ آئے ہوئے تھے۔ بیجو بیوی سے کچھ صلاح کرنے گھر مین آیا تو اُسنے کہا دارو

کہاں سے آئیگی ؟ تمہارے پاس کچھ ہے۔

دھوبیوں سے زیادہ پیکڑ ذات شاید اور کوئی نہیں ہوتی۔ انکی شادی مین شراب، پنچایت مین شراب، پوجا پاٹ مین شراب، غمی مین شراب، خوشی مین شراب، کے دور چلتے ہین۔ انکی کمائی کا کم سے کم آدھا ہمیشہ شراب کی نذر ہوتا ہے۔ ایسا شاید ہی کوئی بدنصیب دھوبی، خصوصاً شہر کا رہنے والا ہوگا جو شام کے وقت میخانہ مین بیٹھا یا شراب کے نشہ مین چور گاتا، لڑکھڑاتا سڑک پر نہ ملے۔ شراب انکی خمیر ہو انکی سرشت ہے۔

بیچو نے کہا "میرے پاس کیا ہے۔ جو کچھ تھا وہ تمھین پہلے ہی نہین دیدیا تھا۔

بیوی "اسکے تو مین چاول، دال، گھی، لکڑی لائی۔ سات آدمیون کا کھانا بنتا تھا۔ سب اٹھ گئے"

بیچو "تو پھر مین کیا کرون ؟

بیوی۔ بنا دارو کے وہ لوگ کھانے سے اٹھین گے ؟ کتنی بڑی بدنامی ہوگی ؟"

بیچو "بدنامی ہو۔ چاہے نیکنامی ہو۔ میرے بس کی بات نہین ہے"

بیوی "وہ دوشالہ نہین دھلنے کیلیے آیا ہے۔ اسوقت بنیے کے یہان گرو رکھکر چار پانچ روپیہ لاؤ۔ پھر چھڑا لینا۔ مرجاد تو نبھانی چاہیے۔

بیچو۔ وہ دوشالہ میرا ہے ؟

بیوی "کسی کا ہو۔ اس گھڑی کام نکال لو۔ کوئی کسی سے کہنے جاتا ہے،

بیچو۔ نہین یہ مجھسے نہ ہوگا۔ مہمان کھانے اٹھین یا نہ اٹھین، شادی ہو یا نہو، نیکنامی ہو یا بدنامی کوئی ہنسے یا انگلی اٹھائے۔ روٹھے یا منھ پھلائے۔ پر مین کسی دوسرے کی چیز گرو نہ رکھونگا۔

یہ کہکر بیچو باہر چلا آیا۔ دوبارہ جب پھر وہ گھر مین گیا تو اسکی بیوی زمین کھود کر کچھ نکال رہی تھی۔ بیچو کو دیکھتے ہی اُسنے گڈھے کو آنچل سے چھپا لیا۔

پریم چند

تنقید

حزن اختر

سلطان عالم محمد واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ کے انتزاع سلطنت اور حسرتناک انجام سے ہر شخص واقف ہے۔ جب یہ لکھنؤ سے معزول ہوکر کلکتہ تشریف لے گئے اور مٹیا برج مین اپنے ایام زندگی کاٹنے کیلیے اقامت گزین ہوئے تو انکو اُمید تھی کہ سلطنت کے بار سے سبکدوش ہوکر باطمینان تمام زندگی بسر کرین گے۔ لیکن ابھی اتنے دور دراز سفر کا کسل دور ہونے پایا تھا کہ تمام شمالی ہند مین غدر برپا ہوگیا اور دہلی مین بہادر شاہ کو اور لکھنؤ مین واجد علی شاہ کے بیٹے برجیس قدر کو تخت پر بٹھا کر باغی فوج نے جدال و قتال کا بازار گرم کر دیا۔ اس حالت مین واجد علی شاہ کو آزاد رکھنا شان مدبری کے خلاف تھا۔ چنانچہ بحکم گورنر جنرل انکو کلکتہ کے مشہور قلعہ فورٹ ولیم مین عرصۂ دراز تک نظر بند رکھا گیا۔ اس نظر بندی کی حالت مین بادشاہ کو جو اقعات پیش آئے انکو اُنھون نے ایک چھوٹی سی مثنوی کی صورت مین قلمبند کیا تھا جسکا نام "حزن اختر" ہے اور جسے دائرہ ادبیہ لکھنؤ نے خاص اہتمام سے شایع کیا ہے۔ پاکٹ سائز کے ڈیڑھ سو صفحات پر کتاب ختم ہوئی ہے۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۸ر

مثنوی کے شروع مین مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے ایک مختصر سا دیباچہ بھی لکھا ہے اگرچہ ناظم صاحب دائرۂ ادبیہ نے مولانا کی اس عنایت کا خاص شکریہ ادا کیا ہے لیکن ناظرین کتاب کو دیباچہ پڑھنے کے بعد سخت مایوسی ہوتی ہے جسمین اُنھین حالات و بیانات کا خلاصہ کر دیا گیا ہے جو اصل مثنوی مین درج ہین۔ حالانکہ اپنے دیباچہ مین مولانا شرر نے بتایا ہے کہ "انکا بچپن اور نیز شباب کا ابتدائی زمانہ مٹیا برج مین اور خاص بادشاہ جہان پناہ (مٹیا برج پناہ) کے سایہ عاطفت مین بسر ہوا ہے"، آپ نے بادشاہ جمجاہ کو۔ اُنکے دربار کو۔ محلات عالیات کے رہنے کی شان کو

شاہزادگان و الاتبار کی صحبتون کو اور سواد بنگالہ مین لکھنؤ کے اُجڑے ہوئے کروفر کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے" تاہم آپ کے دیباچے مین اُن معمولی باتون کے سوا جو عام تاریخون مین موجود ہین کوئی ایسی بات نہین ہے جو تشنہ کامان ادب کی پیاس کو بجھا سکے اور کوئی ایسا منظر پیش کر سکے جو عام نظرون سے پوشیدہ ہو۔ دراصل اسمین مولانا کے زور قلم کا قصور نہین ہے بلکہ مثنوی بجائے خود اسقدر ادنی درجے کی تصنیف ہے کہ اسکے لیے اس سے زیادہ دیباچہ کی ضرورت نہ تھی۔ بہ ہیئت مجموعی اس تصنیف کو محض واجد علی شاہ کا تبرک کہنا چاہیے اور اسکے ساتھ بادشاہ کا جو فوٹو دیا گیا ہے وہ بھی ایک تبرک ہے اسلیے کہ یہ تصویر مرحوم شاہ اودھ کے سب سے آخری ایام زندگی کی تصویر ہے۔ واجد علی شاہ کی تصنیفات بے شمار ہین۔ دراصل شاعری بھی انکی عیش پرستی کا ایک جزو تھی جسکے ذریعہ سے وہ اپنی عامیانہ حسن پرستی اور عشرت پسندی کے جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مثنوی زیر بحث مین بادشاہ نے اپنے آلام و مصائب کا اتنا ذکر نہین کیا ہے جسقدر اپنی گل اندام بیگمات کی جدائی کا دُکھڑا رویا ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ قدرت نے انکو تخت حکومت سے محروم کرنے مین کوئی غلطی نہین کی۔ اسلیے کہ حکومت و جہانبانی کیلیے دلیری و شجاعت۔ ہمت و استقلال اور خودداری ضروری ولازمی اوصاف ہین جن سے واجد علی شاہ کی ذات معرا تھی۔ کم از کم اپنے آخری عہد حکومت مین انکا مزاج عورتون کی غیر معمولی صحبت و یکجائی سے عورتون ہی کا سا ہوگیا تھا اور آخر تک انکی طبیعت کا یہی عالم رہا۔ جسوقت تخت حکومت چھوڑ کر بیت السلطنت لکھنؤ سے کلکتہ کی طرف روانہ ہوے تو یہ ڈاڑھین مار مار کے روتے تھے۔ ہنگامہ غدر کے موقع پر جب فورٹ ولیم مین نظر بند ہونے کے لیے مٹیا برج سے روانہ ہوے تو گورنر جنرل کے سکریٹری کے سامنے جو انکو لینے گئے تھے گڑگڑانے اور رونے لگے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ حکومت کے قابل نہین ہوتے۔ مثنوی ہذا مین حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے کرنیل کونیا صاحب کی تعریف ہے جو کلکتہ کے ٹاون میجر تھے۔ وہو ہذا:۔

گمرمین الطافِ صاحب سے واہ — کونیا لقب جنکا ہے خوش کلاہ
وہ کرنیل صاحب سپہر ہنر — کہ ہین ٹون میجر وہ عالی گہر

خدا رکھے ذات اُس فلک قدر کی | بڑھے عمر و دولت بھی اس بدر کی
ہوئیں ٹٹیان خس کی مجھکو نصیب | الٰہی جلیں غم سے اُسکے رقیب
ملا کرتی ہے برف بھی آٹھ سیر | یہ کیا جان جو ہووے ذرا اسمیں دیر
لگیں ہیں کشادہ عجب بادکش | کہ دل جنکی جھالر پہ ہوتا ہے غش
مہیا قلی رات دن کام کو | خدا رکھے کرنیل کے نام کو

ساری مثنوی میں اسی قسم کی شاعری ہے جسے شاعری کے بجائے تک بندی کہنا زیادہ موزون ہوگا۔ ان چند شعرون سے ظاہر ہے کہ واجد علی شاہ مین وہ خودداری مفقود تھی جو ایک بادشاہ کیلیے نہایت ضروری ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ انہیں تکلیف برداشت کرنے کا بالکل مادہ نہ تھا۔ اگر انکو اُن پہاڑون اور جنگلون مین دھوپ کی شدت برداشت کرنا پڑتی جنمین ہمایون اپنے حریف شیر شاہ سے شکست کھانیکے بعد مدت تک سر ٹکراتا رہا تو یہ ایک دن بھی زندہ نہ رہتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ہمایون تمام سختیان جھیلکر پھر فتحیاب ہوا اور اُسکی اولاد صدیون تک ہندوستان پر حکومت کرتی رہی۔ لیکن واجد علی شاہ کو دوبارہ سلطنت کا مُنھ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ مثنوی کو اول سے آخر تک پڑھ جایئے آپ کو بادشاہ کی طبعی دلیری ہمت اور استقلال کا شایبہ تک نہ ملیگا۔ ہم نہین سمجھتے کہ اسکے مطالعہ سے ہمارے نوجوان ہموطن اور ہندوستان کی آیندہ نسلین کونسا ادبی یا اخلاقی سبق حاصل کرسکتی ہین۔ واجد علی شاہ نے گورنر جنرل کی شان مین بھی ایک قصیدہ پیش کیا تھا جو "قیصر التواریخ" مین درج ہے اور ناظرین کے لیے بہت بڑی عبرت کا باعث ہے۔ اسکے آخری اشعار حسب ذیل ہین:۔

دو عرض حال خود

ترا مین کمترین اک مدح خوانِ ذات انور ہون | ترے لطف و عنایت کا نہ سایہ مجھسے اب کم ہو
جو دامن تیرا پکڑا ہے تو پوری دستگیری کر | کدھر جاؤن کہون کس سے جو میرا کام ہر دم ہو
جو چارہ کچھ نہین چارہ جلا و معجزہ ہے یہ | ہمارے حق مین عیسیٰ ہو نہین تم اُنسے کچھ کم ہو
زن و فرزند اسباب و ریاست مال و زر و دولت | نثار راہ ذی شوکت ہوا اب دل کو کیا غم ہو
اعانت خرچ کی ہو وقت مین کی کیون نہ حاتم ہو | مطلع — مرا ہمدم ہوا رطب اللسان نواب اکرم ہو

یہ چھوٹے چھوٹے بچے نعمتی جانین زیع گئین بیشک | یہی ہے آرزو مجھپر عنایت اب نہ یہ کم ہو
مقدم سب یہ ہے میری ہالی بیٹھا ہوں نہین | الٰہی تیر اسکے مہر و مہ پر بھی مقدم ہو
وے شاہ اودھ دیتا ہے تمھکو یہ دعا ہر دم | دعاے اختر ناچار مین تاثیر ہر دم ہو
رہے حکم و حکومت ملکہ عالم کی دنیا مین | وزیر ملکۂ انگلینڈ ہر دم شاد و خرم ہو

اسکے ساتھ صاف "قیصر التواریخ" مین لکھتے ہین :-

"غرض جب بادشاہ نے یہ قصیدہ انشا فرمایا (جو) فی الحقیقت مرثیہ احوال ہے اور اُسکا بھیجنا نواب گورنر جنرل بہادر کو منظور خاطر اقدس ہوا (تو) نواب خاص محل سے مُہر خالص طلب فرمائی (اُنھون نے) نامناسب اور خلاف رتبۂ شاہی سمجھکر عذر فرمایا کہ یہ دریردہ گدائی ہے۔ اسقدر توہین اپنے ہاتھ سے کرنا کیا ضرور ہے۔ صبر سب سے بہتر ہے۔ بادشاہ نے میجر ہربٹ اور کرنیل کوینا صاحب سے فرمایا آپ اسی وقت محل مین جا کر میری مُہر لے آئیے۔ جب دونون صاحب تشریف لائے فرمایا بموجب حکم نواب گورنر جنرل ہم مامور ہین۔ تعمیل حکم بادشاہ مین بہتر یہ ہے کہ مُہر عنایت فرمائیے۔ اسی وقت مجبور ہو کر حوالے کی جب قصیدہ نواب گورنر جنرل نے ملاحظہ فرمایا حکم ہوا جو بادشاہ طلب کرین بے تامل بھیجدو۔ چنانچہ دو لاکھ روپے طلب ہوئے۔ بادشاہ کو صاحبان محل کا فساد مین لٹنا معلوم ہو چکا تھا۔ وہ روپیہ لکھنؤ مع تحائف بھیجا اور حسب الحکم ہر ایک کو ملا۔

اس بے حمیتی پر واجد علی شاہ کا استرداد سلطنت کی کوشش کرنا اور اس کوشش مین ناکامیاب رہنا ذرا بھی تعجب انگیز نہین ہے۔ بہتر ہو کہ ہمارے ہموطن انکی یاد دل سے بھلا دین اور یہ سمجھ لین کہ قدرت کا کوئی فیصلہ غلط نہین ہوتا۔ اگر واجد علی شاہ حکومت کے قابل ہوتے تو انکی حکومت کبھی نہین جا سکتی تھی جس بادشاہ کے ملازمون نے کرورون روپے خرچ کر ڈالے اور ہزارون آدمیون کو دولتمند بنا دیا وہ اُس حکومت سے دو لاکھ روپیہ خیرات مانگتا ہے جسنے اسکو معزول کر دیا ہے اور جسکے سامنے وہ اپنی حکومت واپس ملنے کا دعوی پیش کر رہا ہے۔ حالانکہ اسقدر رقم کیلیے وہ اب بھی محتاج نہین ہے۔ لیکن انہین حمیت و خودداری کا احساس بالکل باقی نہین رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نوبت راے نظر

حضرت نیاز اور جدوناتھ سرکار

جولائی گذشتہ مین میرے ایک دوست نے میرے پاس جون کے نگار کا ایک پرچہ بھیجا۔ وہ رسالہ کے رئیس التحریر صاحب کے طرز انشا (جو اکثر نقاد آگرہ کے صفحات مین نظر آتا تھا) کے بڑے دلدادون مین ہین، مین نے شوق سے اسے دیکھنا شروع کیا، سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑی وہ زیب النسار کی تصویر تھی، صفحہ ۳۲ پر اسپر ایک مضمون بھی موجود تھا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اسی زمانہ مین مجھے بھی زیب النسار پر ایک مضمون لکھنے کا خیال ہوا تھا، چنانچہ اسکے متعلق جسقدر کتابین جمع کرسکا تھا انکو دیکھ چکا تھا، شوق ہوا کہ مشہور اڈیٹر صاحب کی معلومات سے بھی مستفید ہون، لیکن جون جون پڑھتا جاتا تھا میری حیرت بڑھتی جاتی تھی کیونکہ یہ مضمون دراصل ایک چھوٹی سی ماخوذ تمہید کے بعد مشہور مورخ جدوناتھ سرکار ایم۔ اے، پی، آر، ایس، آئی، ای، ایس کے مضمون کا لفظی ترجمہ تھا۔ جہان کہین، انکا ترجمہ نہ تھا وہان مولانا شبلی کے مضمون سے لیا گیا تھا، مین نے پہلے سمجھا کہ اڈیٹر صاحب نے حوالہ دیا ہوگا، ایک ایک حصہ کو بغور دیکھا، لیکن کہین بھی آپکا نام نظر نہ آیا! مین نے دوسرے مضامین کو بھی اس نقطہ نظر سے دیکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اڈیٹر صاحب کے اکثر مضامین سراپا دوسرے انگریزی مضامین کا خلاصہ ہین۔ خیال ہوا کہ شاید اس نمبر مین کاتب نے حوالہ دینا چھوڑ دیا ہو، اسلیے کوئی رائے قائم کرنیکے قبل مزید تحقیق ضروری معلوم ہوئی، مین نے "نگار" کا آیندہ نمبر بھی منگا کر دیکھا۔ اسمین بھی اڈیٹر صاحب نے دوسرے انگریزی رسائل کے تلخیص کے علاوہ پھر جدو بابو کے مضامین کا ترجمہ اپنے نام سے۔ بلا کسی حوالہ کے شایع کردیا ہے، اسکی سرخی شاہجہان اور اورنگ زیب کا ضبط اوقات ہے۔ یہ دونون مضامین بابو جدوناتھ سرکار کی کتاب کے ساتھ ملا کر پڑھے جائین تو میرے دعوی کی بخوبی تصدیق ہوجائے گی۔

جدو ناتھ بابو نے اپنے مضمون مین بعض دیگر مصنفین کی کتابون کے بھی اقتباس کیے ہین اور حضرت نیاز نے انکو بھی علی حالہ ترجمہ کرکے اپنے مضامین مین شامل کر لیا ہے۔ اسی طرح آپ کا سارا مضمون محض ترجمہ ہے جن اصحاب کے پاس یہ نگار اور جدو بابو کی کتاب STUDIES IN MOGHAL INDIA موجود ہو، وہ دونون کو ملاکر پڑھین اور اس دلیری کی داد دین -

اب مین فاضل رئیس التحریر صاحب کے مضمون مندرجہ مجلد ۲ شمارہ ۱ مین سے چند جملے نقل کرتا ہون تاکہ اُسکے متعلق میرے بیان کی تصدیق ہوجائے - یہ سمجھنا چاہیے کہ جدو بابو کی کتاب مین یہ دو مستقل مضامین ہین - پہلا مضمون اُسکے یہان صفحہ ۳۰ سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا صفحہ ۴۴ سے - پہلے کی سرخی دی ڈیلی لائف آف شاہجہان (THE DAILY LIFE OF SHAH JAHAN) اور دوسرے کا عنوان اورنگ زیبس ڈیلی لائف (AURANGZEB'S DAILY LIFE) ہے عنوانون کے علاوہ دونون کے تحت العنوانات بھی ایک ہین (ملاحظہ ہو نگار اور مضمون بابو جدو ناتھ کا مندرجہ کتاب مذکورۂ بالا) دونون کے الفاظ - خیالات ترتیب اور خیالات سب ہی کچھ ایک ہے مین

اسکے بعد مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہین ہے، ناظرین خود نتیجہ نکال لین، رہا اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے بڑے بڑے انشا پرداز، افسانہ نویسی کے استاد رومنس کے ماہر جلیل القدر مصنف لطیف جذبات کے پیکر مجسم، روحانیت کی جان، ادبیت کی روح اور اردو زبان کے مایۂ ناز رؤسا ءِ تحریر کا یہی حال ہے، اور اگر یہ سچ ہے تو پھر دوسرون سے جو اس میدان کے مبتدی ہین کیا گلہ -

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مین حضرت نیاز سے دست بستہ معافی چاہتا ہون، اور مجھے امید ہے کہ وہ میرے اس بیباکانہ جرأت کو معاف فرمائین گے - فاعتبروا!

نجیب اشرف ندوی

یادالست

ا د ایام کہ جب غم سے سروکار نہ تھا
پھول ہی پھول تھے دامن مین کوئی خار نہ تھا

الم حسن کے جلوے تھے مری نظر و نمین
جنس الفت کا سوا میرے خریدار نہ تھا

یسی راحت مین شب و روز بسر ہوتی تھی
شعلۂ آہ نہ تھا دیدۂ خونبار نہ تھا

ہو نظارہ تھا عشرت کدۂ ناز مین دل
واقف درد نہ تھا خوگر آزار نہ تھا

ئوق آغوش تمنا مین تھپکتا تھا مجھے
نفس سرد نہ تھا اشک شرربار نہ تھا

ئینہ خانۂ دل مین تھا وہی جلوہ فروش
شوق خود کام کو اندیشۂ اغیار نہ تھا

ردہ در ہوش نہ تھے عقل خبردار نہ تھی
لاکھ اسرار تھے دل محرم اسرار نہ تھا

شق اک راز تھا گنجینۂ دل مین پنہان
غم ہستی سے مجھے کوئی سروکار نہ تھا

لمہ ناز مین غمزے ابھی خوابیدہ تھے
عصمت عشق کو تہمت سے سروکار نہ تھا

نغمۂ شوق سے لبریز تھا ہر تار نفس
کون سا لطف تھا دل جسکا سزاوار نہ تھا

بڑھتے بڑھتے جو ہوا جذبۂ الفت کامل
دست وحشت سے گریبان مین کوئی تار نہ تھا

ٹھوکرین کھائین زمانے کی مصیبت جھیلی
کون آزار تھا مین جسمین گرفتار نہ تھا

دفعتاً دیدۂ دل وا ہوئے چمکا اک نور
وہ سمان دیکھا کہ جسکے لیے تیار نہ تھا

بجلیان ٹوٹ پڑین غش پہ مجھے غش آیا
آنکھ کھلتے ہی دو عالم سے سروکار نہ تھا

آخر کار ہوا صبر دل ذوق فنا
بند آنکھین تھین مگر خواب گرانبار نہ تھا

روح پرور یہ صدا آتی تھی کانون مین اثر
ڈھونڈنے والے کو ملنا مراد شوار نہ تھا

اثر لکھنوی

نوائے حسرت

سابرمتی جیل سے مولانا سید حسرت موہانی کا تازہ ترین کلام

نامرادوں کو شاد کام کرو کرم اپنا کبھی تو عام کرو
کار عاشق ہے ناتمام سو تم قتل کرکے اُسے تمام کرو
سب کی خاطر کا ہے خیال تمہیں کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

عاشقو ہجر سے نہ ہو بیزار ق غم جانان کا احترام کرو
رات رو رو کے جسطرح کاٹی اُسی صورت سے دن کو شام کرو

گفتگو ہیچ ہے ۔ اگر چاہو ق کام جان کا حصول ۔ کام کرو
موت سے پہلے ہی زراہ وفا مرمٹو عاشقی مین نام کرو
کھل سکے جب تلک نہ راہ مراد منزل صبر مین قیام کرو

پوچھتے ہین وہ جان نثارونکو تم بھی حسرت اُٹھو ۔ سلام کرو

حسرت موہانی

کلام نظر

ضبط سے دل نزار رہتا ہے — اندرونی بخار رہتا ہے
دلِ اہلِ حقیقت و عرفان — زندہ زیرِ مزار رہتا ہے
یون تو دل کو کبھی قرار نہ تھا — اب بہت بیقرار رہتا ہے
اُنکے تیور کو دیکھتا ہے یہ دل — اور اُمیدوار رہتا ہے
قطع اُمید ہو تو صبر آئے — روز اک انتظار رہتا ہے
خاکِ مدفن نہ بادِ تند اڑا — کہ یہان خاکسار رہتا ہے
مایۂ زندگی سخن ہے نظر — شعر ہی یادگار رہتا ہے

جب وہ سرمایۂ نشاط نہین — پھر ہمارے لیے خوشی کیسی
ہوئی کس کی نگاہ کو جنبش — دل پہ بجلی سی یہ گری کیسی
درد اُٹھ اُٹھ کے کچھ بتاتا ہے — دلپہ کیا جانیئے بنی کیسی

یہ تجربے ہوئے اس دل کو قحط الفت کے — وطن مین لطف اب آنے لگے ہین غربت کے
نہ چھُٹے لحد مین بھی جا کر نہ داغ فرقت کے — گواہِ حال ہین ذرّے زمین تربت کے
جو زندہ ہین تو یہین دیکھ لین گے جلوہ دوست — وہ ہم نہین کہ رہین منتظر قیامت کے

کارگر ہو کوئی تدبیر نہ جب مرنے کو — مئے پیو تم غم ایام غلط کرنے کو
چارہ سازانِ محبت کو یہ جلدی کیون ہے — ایک مدت ہے ابھی زخمِ جگر بھرنے کو
دہن گور سے آتی ہے بشر کو یہ صدا — کوئی گوشہ ہے بہت عمر بسر کرنے کو

اُمید

اے کہ تو رکھتی ہے دامن مین ہولے خوابِ ناز — تو ہے دل مین تو کٹ جاتی ہے شبہائے دراز

اے کہ تو ہے آستانِ بہرِ سرِ عجز و نیاز — اک زمانہ پڑھ رہا ہے تیرے دامن پر نماز

اے کہ تو ہی ہے طلسمِ دہر مین جادو طراز — عکسِ لوحِ عیش ہے تیری نگاہِ سحر ساز

محفلِ دنیا مین ہے تو بربطِ عشرت نواز — روح پرور ہے تیری ہر تان او نغمہ طراز

تیرے دم سے ہے درخشان آفتابِ صبحِ عیش — اک مسرت کی جھلک رکھتا ہے روئے دلنواز

وہ سمجھتے ہین طلوعِ آفتابِ زندگی — جب تجھکو دیکھتے ہین رہروِ ملکِ حجاز

پا چکے ہین بارہا تجھ سے مریضِ غم شفا — تیرے سینے مین چھپا ہے نسخۂ صحت کا راز

لے گئی تیری وساطت منزلِ مقصود تک — سچ ہے تو ہے رہنمائے منزلِ دور و دراز

اک ترے ہلکے تبسم سے کھلے دل کے کنول — آنکھ پڑتے ہی تیری سب کھل گئے الفت کے راز

تیرے آگے ظلمتِ غم نے پڑھا اسمِ نعوذ — اے کہ تیری روشنی ہے نیرِ اعظم طراز

منحصر ہے کُل جہان کا عیش تیری ذات پر — انبساطِ دہرِ بے بنیاد کو ہے تجھ پہ ناز

دیکھنے کو تو بظاہر نقطۂ موہوم ہے — پر ترے دامن مین ہے سرمایۂ راحت کا راز

گو ہے تسکین تجھے اُمید سے مل جائے گا
چاہیئے لیکن تجھے حسنِ طلب اے عشق باز

لعل چند بسمل

لطف سخن

پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق

اللہ کے گھر کو جانے والو ہو شرم گنہ تو منھ چھپا لو
پہچان لو اپنے عاشقوں کو نادان ہو بنکر نظر نہ ڈالو
یہ لخت جگر ہین قطرہ اشک گر جائین نہ خاک پر سنبھالو
دل کا ہمراز ہو گیا ہے پیکان کو نہ سینہ سے نکالو
دل ہی تو ہے کچھ مچل گیا تھا جو کچھ ہوا اُس پہ خاک ڈالو
رستہ تو اُدھر کا پوچھ لیتے اے ملک عدم کے جانے والو
ایسا نہو دل تمھارا بھر آئے زخمون کو نہ میرے دیکھو بھالو
ہے وقت اخیر دل سے اب شوق بغض و کینہ حسد نکالو

مولانا حیرت قادری بدایونی

ہر طرف جلوہ زیبا نظر آتا ہے مجھے حشر اک بزم تماشا نظر آتا ہے مجھے
صاف کہتی ہے یہ اب برق نظرسوز جمال کب کوئی دیکھنے والا نظر آتا ہے مجھے
پردہ کعبہ جو دیکھا تو کہا مجنون نے دامن محمل لیلی نظر آتا ہے مجھے
یاس و اُمید مین جھگڑا ہے خدا خیر کرے حشر دنیائے تمنا نظر آتا ہے مجھے
خیرگی نگہ شوق برا ہو تیرا جلوہ حسن بھی پردہ نظر آتا ہے مجھے
نامرادی کا یہ عالم ہے کہ اب موت تو موت خواب بھی آنکھ سے عنقا نظر آتا ہے مجھے
ایک تصویر ہے لیکن ہین کئی آئینے کوئی مجنون کوئی لیلی نظر آتا ہے مجھے
کس مپرسی سے پریشان نہو نا حیرت رنگ محفل ہی بدلتا نظر آتا ہے مجھے

زمانہ

جلد ۳۹ — نومبر سنہ ۱۹۲۲ء — نمبر ۱۱

ہندوستانین پارٹی پالیٹکس

جسوقت اہل برطانیہ نے ہندوستان مین اپنے قدم جمائے اسوقت یہ ملک اپنی خانہ جنگیون سے تنگ تھا چندروزہ امن وامان نے اہل ہند کے دلون مین برطانیہ کے لیے وہ عزت ومحبت پیدا کردی کہ وہ ایک عظیم الشان مستقبل کی آمد آمد کے جوش مین ازخود رفتہ ہوگئے۔ انکو اپنے نفع ونقصان کی مطلق خبر نہ رہی۔ اور برٹش انصاف پسندی کا سکہ جم گیا۔ اس اُمید مین کہ اہل برطانیہ ہمارے ملک مین نہایت بیغرضی اور بے لوثی سے محض ہماری بگڑی ہوئی حالت سنبھالنے کے لیے آئے ہین ہندوستانیون نے انپر پورا بھروسہ کیا اور خود غفلت کی نیند مین سوگئے۔ انکو نظام سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہل انگلینڈ حکومت کرنیکے لیے اور اہل ہند فرمانبرداری کیلیے۔ رفتہ رفتہ اس فرمانبرداری کی وہ حد قائم کی گئی جو آخرکار ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ حکومت ہند مین بیغرضی کے بجائے خودغرضی کی پالیسی عمل مین آرہی ہے اور ہندوستانیون کو اسلیے نظام حکومت سے علیحدہ رکھا جاتا ہے کہ اہل انگلینڈ اس سے خاطرخواہ نفع اٹھائین۔ آپس مین مشورے ہونے لگے۔ جابجا جلسے بھی ہوے حتیٰ کہ کانگریس قائم ہوگئی

اسوقت کانگریس کا کام یہ تھا کہ گورنمنٹ سے فریاد کرے اور اگر گورنمنٹ نہ سُنے تو پھر فریاد کرے کثرت فریاد کا نام کانگریس والون نے ایجیٹیشن (جدوجہد) رکھا اور اس لحاظ سے کہ علاوہ فریاد کے اور کوئی طریقہ کانگریس کے مسلک مین داخل نہونے پائے۔ ایجیٹیشن کو محدود کرکے کانسٹی ٹیوشنل ایجیٹیشن (آئینی جدوجہد) اپنا دستورالعمل بنایا۔ ادھر آئینی جدوجہد کے میدان مین قومی فوج کی طرف سے تقریرون اور لکچرون کے تیر و تفنگ استعمال ہونے لگے۔ اُدھر اہل حکومت گو بظاہر میدان مقابلہ مین نہ آئے مگر کم سے کم پہلا وار روکنے کے لیے ایک انٹی کانگریس کی جماعت صف مقابل مین کھڑی کردی۔ ان بیچارون کو نہ لیاقت تھی اور نہ تمیز۔ نہ تجربہ انکے ساتھ تھا اور نہ اخلاقی قوت انکی مددگار تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک گا بجا کر اُنھون نے اپنی راہ لی اور گورنمنٹ اور کانگریس کو اپنی اپنی تقدیر پر چھوڑ دیا۔ گورنمنٹ کی غلط کاریون کی وجہ سے کانگریس عوام مین روزبروز مقبول ہوتی گئی۔ لوگ آئینی جدوجہد کو اپنے ملکی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کا کرشمہ دکھلا کر لوگون کی آنکھین اور بھی کھول دین۔ اہل بنگال نے خصوصاً و اہل ہند نے عموماً قوم کو دو ٹکڑون مین تقسیم ہونے سے بچانے کے لیے آئینی جدوجہد کی حد کردی نالہ و فریاد کی صدا بنگال سے اُٹھتی اور پنجاب تک پہونچتی۔ مگر گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ کے گرد وہ سد سکندری حائل تھی کہ اہل حکومت کے کانون مین بھنک بھی نہ پڑتی تھی حتی کہ لارڈ مارلے ایسے لبرل وزیر ہند نے اس جدوجہد کا جواب یون دیدیا کہ تقسیم بنگال ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ غرض گورنمنٹ نے صاف طور پر واضح کردیا کہ آئینی جدوجہد ایسے ملک کیلئے ہے جہان رعایا اپنے اوپر خود حکومت کرتی ہو۔ یہ طریقہ اہل ہند کے لیے موزون و مناسب نہین ہے۔ گورنمنٹ کی لاپرواہی نے رفتہ رفتہ ہند مین ایک ایسا فرقہ بھی پیدا کردیا جسکو پرانی قسم کی جدوجہد پر بھروسہ باقی نہ رہگیا۔ وہ گریہ و زاری سے تنگ آگئے تھے اُنھون نے یہ سمجھا کہ اب گورنمنٹ سے اپیل کرنے کا وقت نہین ہے اب قوم کو اپنی تکالیف دور کرنے کی خود کوئی کوشش کرنا چاہیے۔ وہ سودیشی بائیکاٹ اور قومی تعلیم ملکی تجارت کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ اس پارٹی کے رکن اعظم مرحوم بال گنگا دھر تلک تھے جنکی زندگی شروع ہی سے ملک و قوم پر تصدق ہو چکی تھی اور جنکی حب الوطنی کا سکہ سارے ملک پر جم گیا تھا۔ بابو آروبندو گھوش اور بپن چندر پال بھی اسی پارٹی کے ارکان تھے

مگر قدیم پارٹی بھی کمزور نہ تھی - بابو سریندرناتھ بنرجی - سرفیروز شاہ مہتہ - گوپال کرشن گوکھلے اور پنڈت مدنموہن مالوی اس پارٹی کے سربرآوردہ لیڈران مین سے تھے - یہ پارٹی اب بھی اپنے قدیم اعتقاد کے نشہ مین چور تھی انکو برطانیہ کی نیک نیتی اور انصاف پسندی پر کافی بھروسہ تھا - وہ اہل حکومت کے افعال پر نکتہ چینی کرنا انکو راہ راست پر لانے کا ذریعہ سمجھتے تھے - ۱۹۰۶ء مین دادابھائی نوروجی نے عارضی طور پر گو بلا ٹالی مگر طوفان اختلاف نے بالآخر ۱۹۰۷ء مین اس جہاز کو پاش پاش کر دیا - اور ملک مین دو متضاد پارٹیان بالکل مختلف اصولون پر قائم ہوگئین - کانگریس کی ٹوٹی پھوٹی عمارت قائم رہی مگر قدیم پارٹی نے اسکے دروازے اتنے تنگ کر دیے کہ جدید پارٹی کیلیے عرصہ تک اسمین داخلہ کی صورت نہ رہی -

دونون پارٹیون کے اصولی اختلاف کو مسٹر تلک نے اپنی تقریر مین اسطرح ظاہر کیا ہے

"انگلستان کے انتخاب کنندہ جماعت کو اپنی راے پر لانا اور اسطرح ممبران پارلیمنٹ پر اثر ڈالنا کہ وہ ایسی وزارت قائم کرین جو ہندوستان کا دم بھرتی ہو اور اسطرح پر پارلیمنٹ - لبرل پارٹی اور وزارت گورنمنٹ ہند پر دباؤ ڈالین - ہماری راے مین بالکل غیر ممکن ہے ...... اہل حکومت سے اپیل کرنا بیکار ہے - قدیم پارٹی کو برٹش قوم سے اپیل کرنے مین بھروسہ ہے - ہم اسپر بھروسہ نہین کرتے ...... ہمنے اپنی منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے اور طریقہ تجویز کیا ہے ...... ہمکو ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہین لیکن اگر آپ میدان مین مقابلہ کیلیے تیار نہین ہین تو کیا آپ مین اسقدر ایثار نفس کشی بھی نہین ہے کہ موجودہ گورنمنٹ کو اپنے اوپر حکومت کرنے مین مدد نہ دین گورنمنٹ کو محاصلات کی وصولیابی مین مدد نہ دین - ہم اسکو ہندوستان کے خون اور روپیہ سے ہندوستان کی سرحد کے باہر لڑنے مین مدد نہ دین - ہم اسکو عدالتین قائم رکھنے مین اعانت نہ کرین - اور جب وقت آئے ٹیکس دینے سے انکار کردین اگر آپ اپنی متفقہ کوششون سے ایسا کر سکتے ہین تو آپ کل سے آزاد ہین -

ظاہر ہے کہ جدید پارٹی کا پروگرام ایک خطرناک پروگرام تھا۔ چنانچہ اسکے عاملون کے لیے جیل کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اکسٹریمسٹ فریق کے مسلمہ لیڈر مسٹر تلک کی چھ برس کی قید ہندوستان کی آزادی کی تاریخ مین بطور خود ایک نیا باب ہے۔ ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۹ء کی ملکی بےچینی کا زمانہ ہمیشہ کے لیے یادگار رہے گا۔

اس عالمگیر بےچینی کو دور کرنے کی غرض سے کہیے یا کانگریس کی پچیس سالہ آئینی جدوجہد کا نتیجہ سمجھیے۔ بہرحال اسی زمانہ مین منٹو مارلے اصلاحات کا ظہور ہوا۔ اور اسی کے دو سال بعد ایک شاہی اعلان کے ذریعہ تقسیم بنگال کو ترمیم کر دیا گیا۔ گو تقسیم بنگال اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ اہل ہند کو اپنی اصلی حالت کا احساس ہو گیا تھا اور موجودہ طریق حکومت رعایا کی بےبسی کا یقین لوگون کے دلون مین جم گیا تھا تاہم حکومت کی ان دو چالون نے کچھ عرصہ کیلئے اپنا قلعہ محفوظ کر لیا اکسٹریمسٹ جماعت کے لیڈرون کی سزایابی نے بھی پولیٹکل تحریک مین بہت کچھ کمی کر دی۔ بہرکیف جنگ یورپ مین ہندوستان نے یکدل و یک زبان ہو کر برطانیہ کا ساتھ دیا اور چند روز کے لیے کوئی پولیٹکل مسئلہ سیاسی فرقہ بندی کیلیے باقی نہ رہا۔

مگر جہان جنگ یورپ نے امپیریل یکجہتی کی لہر پیدا کر دی تھی وہان جنگ یورپ کے مستقبل نے پھر پولیٹکل فرقہ بندی کا سامان فراہم کر دیا۔ اپنی جنگی امداد کے صلے مین یورپین نوآبادیون نے اپنے حقوق مین اضافہ چاہا اور مسٹر کرٹس اور انکے گول میز والے ہم نشینون کی طرف سے جدید تعمیر سلطنت کی ایک تحریک شروع ہوگئی جسکا منشا ہر اہل نشا معلوم ہوتا تھا کہ بعد از جنگ اصلاحات کا سیاست ہند پر یہ اثر ہوگا کہ ہندوستان نہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کی زیر حکومت رہے بلکہ اسپر نوآبادیون کی حکومتون کا بھی سایہ رہے گا۔ چنانچہ اہل ہند نے بھی اپنے مطالبات کی فہرست کھولدی۔ مسز بسینٹ نے ملکی جدوجہد مین شریک ہو کر ہندوستان کی پالیٹکس مین ایک تازہ روح پھونک دی۔ یہ آپ ہی کی کوششون کا نتیجہ تھا کہ لفظ "ہوم رول" جسکے استعمال سے اہل ہند عموماً اسوجہ سے پرہیز کرتے تھے کہ اسکے ساتھ آئرلینڈ کے ناخوشگوار واقعات وابستہ ہین ہندوستان کی پالیٹکس مین داخل ہو گیا۔ اور عوام الناس کی دلچسپی ملکی معاملات مین دن بدن اضافہ کرنے لگی اصلاحات بعد از جنگ کے خیال نے اسقدر اہمیت حاصل کر لی کہ ۱۹۱۶ء کی لکھنؤ کا

مین اکسٹرمیسٹ اور ماڈریٹ نے پھر ایک بار متفق ہوکر اپنے مطالبات کی اسکیم تیار کی۔ یہ کانگریس اکثر وجوہ سے ہندوستان کی ملکی تواریخ مین ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انمین سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نو سال کی متواتر علیحدگی کے بعد اکسٹرمیسٹ فریق نے پھر کانگریس مین شرکت کی اور یہ غالباً آخری شرکت تھی۔ کیونکہ اسکے بعد ہی مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحی اسکیم کا ظہور ہوا اور اُسنے پیدا ہوتے ہی قومی لیڈران کو اپنے موافقین و مخالفین کی دو مخالف پارٹیون مین تقسیم کردیا۔ کچھ دن عجیب دلچسپی مین گزرے۔ اصلاحی اسکیم کی اصولی نکتہ چینی سے قطع نظر اکثر تکرار اس امر پر ہوجاتی تھی کہ کوئی کہتا تھا کہ کانگریس کو مسٹر مانٹیگو کے شکریہ اور انکی محنت و انصاف پسندی و معاملہ فہمی کی تعریف کا ریزولیوشن پاس کرنا چاہیئے، اور کوئی یہ کہتا تھا کہ اسکی کیا ضرورت ہے انھون نے محض اپنا فرض ادا کیا ہے۔ یہان تک کہ لارڈ چیمسفورڈ کی تعریف و مذمت پر تو تومین مین ہونے لگی۔ اسکیم نے رفتہ رفتہ نشو ونما پائی اور آخر کار گورنمنٹ آف انڈیا نے ایکٹ کی شکل اختیار کی۔ اس اثنا مین دونون پارٹیون نے اپنے اپنے طریقون پر مزید اصلاحات حاصل کرنیکی پوری کوششین کی تھین چنانچہ کچھ عرصہ تک ایسی آوازین بھی سُنائی دیتی رہین کہ ہم نہ کوشش کرتے تو اصلاحی قانون موجودہ صورت اختیار نہ کرتا۔ دراصل ایسا لہجہ قدرتاً ہونا بھی چاہیے تھا۔ سالہا سال کی کوشش اور ناکامی کے بعد ہندوستانی منسٹر کی صورت دیکھنے مین آئی۔ قانونی کونسلین پھول کر اتنی بڑی ہوگئین کہ اپنے پرانے جامے مین نہین سماتین۔ ہندوستانی منسٹر کو اتنی تنخواہ ملنے لگی جسکا یقین خواب مین بھی نہ ہوسکتا تھا۔ آئینی جدوجہد والے اگر اب بھی خوشی کے مارے آپے سے باہر ہوجاتے تو مقام حیرت ہوتا۔

بہت ممکن تھا کہ اصلاحی دور مین کچھ دنون کے لیے ہند کی پولٹیکل بیچینی فرو ہوجاتی مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ برٹش پارلیمنٹ کے انعامات پر اہل ہند ہمیشہ کیلیے قانع ہوجاتے تاکہ ہندوستانی اپنی بے بسی کی حالت بالکل بھول نہ جائین ایک قانون باوجود اہم آئینی مخالفت کے پاس کردیا گیا اسکے بموجب جو عدالتین قائم ہوئین انکی تعریف مین کسی نے خوب کہا ہے، "نہ وکیل نہ دلیل نہ اپیل"۔ ایجیٹیشن کو سرد کرنے کیلیے یہ قانون بنایا گیا تھا لیکن اس قانون نے خود ایک عظیم الشان ایجیٹیشن کی بنیاد ڈالی۔ اسنے ایک فرقہ پولیٹکل کام کرنیوالون کا ایسا

پیدا کر دیا جسکو قدیم طرز کی آئینی جدوجہد بالکل ناکارہ و کمزور معلوم ہونے لگی - مسٹر تلک نے ایکرتبہ فرمایا تھا کہ الفاظ اکسٹریمیسٹ اور ماڈریٹ کو قومیت کی مسلسل ترقی کے لحاظ سے سمجھنا چاہیے - جو کل اکسٹریمیسٹ تھے وہ آج ماڈریٹ ہین جو آج اکسٹریمیسٹ ہین وہ کل ماڈریٹ ہونگے - اس مقولہ کا مفہوم کبھی اسقدر صاف طور پر واضح نہوا تھا جیسا کہ رولٹ ایکٹ ایجیٹیشن کے زمانہ مین - خود مسٹر تلک کے پیرو پیچھے رہ گئے اور ایک سب سے زیادہ روشن و منور ستارہ ظہور مین آیا - مہاتما گاندھی نے (جو ساری عمر برٹش گورنمنٹ کی وفاداری کا دم بھرتے رہتے تھے) مخالفت کا جھنڈا بلند کیا - ادھر اہل ملک کی آتش غضب بھڑکانے کیلیے پنجاب کا ہولناک منظر پیش ہو گیا - خلافت کے مسئلہ نے اہل اسلام کو بھی گورنمنٹ کے خلاف اکسا دیا چنانچہ ایک کثیر التعداد فرقہ گورنمنٹ کی موجودہ طرز حکومت کی بیخکنی پر آمادہ ہو گیا -

ان مشکلات کا علاج اس فرقہ کو بجز سوراج کے کچھ نظر نہ آتا تھا چنانچہ ملک کے سامنے تین بڑے پولیٹکل مسائل پیش ہو گئے پنجاب - خلافت اور سوراج - خیالی دُنیا مین کچھ ایسا رد و بدل ہو گیا کہ قدیم پالیٹکس کے دو بڑے الفاظ ماڈریٹ اور اکسٹریمیسٹ صفحہ ہستی سے رفتہ رفتہ غائب ہوتے نظر آنے لگے - اکسٹریمیسٹ فریق نے اپنی انتہا پسندی مین اعتدال کو دخل دیکر نیشنلسٹ کا خطاب اختیار کیا - اُدھر ماڈریٹ فریق نے اپنے آپ کو لبرل پارٹی کے نام سے موسوم کیا - پنجاب خلافت اور سوراج ہر دو فریق کے مطالبات مین سے تھے - مگر اسقدر نہین کہ جدید اصلاحات کے خوشنما منظر مین ایک بدنما داغ لگائین - لبرل اور نیشنلسٹ دونون کو پنجاب کے شرمناک حادثہ کی شکایت تھی دونون کو خلافت کے ساتھ ہمدردی - لیکن یہ بجائے پُرانی لکیر کے فقیر - صرف تقریرون اور لفظی تجاویز کو اپنی کوششون کا منتہائے نظر سمجھتے تھے - رہا سوراج کا مسئلہ - اسپر نیشنلسٹ اور لبرل متفق الراے نہ تھے نیشنلسٹ جدید اصلاحات کو ناقابل اطمینان سمجھتے اور جدید پالیسی حکومت کو شک و شبہہ کی نظر سے دیکھتے تھے - مگر لبرل فریق کی راے مین اصلاحات سوراج کی پہلی منزل تھین وہ سمجھتے تھے کہ برٹش مدبران کا زاویہ نظر ہمیشہ کیلیے متبدل ہو گیا - اور اب ہندوستانیون کے لیے ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو گیا - نیشنلسٹ اور لبرل پارٹیون کے نقطہ خیال مین گو فرق تھا لیکن دونون اصلاحات کا پورا فائدہ اُٹھانے پر تلے ہوئے تھے - دونون کونسلون

مین داخل ہوکر گورنمنٹ کو زیر کرنے کی فکر مین تھے۔ اس بات کے دونون فریق قائل تھے کہ غیر سرکاری کثرت رائے سے پاس کیے ہوئے مسئلہ کو نہ ماننے کا استحقاق گورنر کو دینا منتخبہ کونسلون کی ساری قوت چھین لینا ہے لیکن انکی رائے مین یہ آخری ہتھیار تھا جو شاذ و نادر ہی استعمال مین آئیگا۔ غرض اصلاحی قانون نے لبرل و نیشنلسٹ فریقون کی درمیانی حد توڑ دی۔ کم از کم کوئی واضح حد فاصل باقی نہ رہی، مگر مہاتما گاندھی اور اُنکے پیروان طریقت کا مسلک ہی جداگانہ ہے۔ وہ گورنمنٹ سے کوئی تعلق نہین رکھنا چاہتے اور نہ حکام کو حکومت کرنے مین کوئی مدد دینا چاہتے ہین۔ وہ گورنمنٹ سے کسی رعایت کے طلبگار نہین اور گورنمنٹ جن جن باتون سے چلتی ہے انسے قطع تعلق کرنا اپنا فرض سمجھتے ہین۔ اسی وجہ سے کونسلون۔ اسکولون اور عدالتون کا بائیکاٹ انکا لازمی پروگرام ہے۔ گورنمنٹ کے عطا کردہ خطابات کا واپس کرنا۔ سرکاری ملازمت ترک کرنا۔ اعزازی عہدون سے مستعفی ہونا۔ غرضکہ جن جن صیغون کے ذریعہ گورنمنٹ کا دبدبہ و مرتبہ قائم رکھا جا سکتا ہو اُسکو توڑنا خدمت قومی ہے اُنھون نے سودیشی کو بھی ایک نیا جامہ پہنایا۔ کھدر ہاتھ کا کاتا ہوا اور ہاتھ کا بنا ہوا کھدر پاک ہے اور باقی سب خرافات ہندوستان مشینری مین دوسری قومون کا مقابلہ نہین کر سکتا دوسری قومین مشینری کی اسقدر عادی ہوگئی ہین کہ ہاتھ سے تیار کیے ہوے کام مین ہندوستان کا مقابلہ نہین کر سکتین پس کپڑے کی تجارت کے میدان مین کھدر ہی ہندوستان کو بچا سکتا تھا۔ نان کوآپریشن کی ہوا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس زور و شور سے پھیلی کہ نان کوآپریٹر پبلک پلیٹ فارم کے تنہا مالک بنگئے۔ بائیکاٹ کا پروگرام اولاً ایسا حوصلہ افزا معلوم ہوتا تھا کہ اگر کچھ عرصہ تک واقعات اُسی رفتار سے چلتے تو اہل ہند کی رسائی سوراج کی آخری منزل پر نہ سہی مگر اسکے قریب تک ضرور ہوگئی ہوتی۔ جو کامیابی اس تحریک کو ہوئی وہ بھی ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ خیالی دنیا مین تو ایک عظیم انقلاب پیدا ہی ہوگیا۔ اب سرکاری ملازمت فطرتاً بھلی نہین معلوم ہوتی۔ وکیلون اور بیرسٹرون کی وہ عزت باقی نہین رہی جو لوگون کے دلون مین تھی۔ ممبران کونسل اب عام طور پر خادم قوم نہین سمجھے جاتے۔ اگرچہ کھدر پہننے والے ابھی کثیر تعداد مین نہین ہین تو بھی باریک اور ملائم کپڑے کا شوق اب جاتا رہا۔ خدمت قوم کی کسوٹی تقریر کی قابلیت نہین رہی۔ خیالات جدیدنے اہل ملک کے دلون پر اسقدر قابو حاصل کر لیا کہ قدیم ایجیٹیشن کی تواریخ بالکل ہیچ معلوم ہونے لگی۔ اور پارٹیون

کی تقسیم کے اصول مین ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوگئی - موجودہ فرقہ بندی کی کنجی گورنمنٹ کے ساتھ اتفاق وعدم اشتراک ہے - لبرل اور نیشنلسٹ اب بھی موجود ہین مگر عظیم الشان پولیٹکل مسئلہ یعنی نان کوآپریشن کی موجودگی کے لحاظ سے وہ سب ایک پارٹی مین شمار ہوتے ہین جنکو کوآپریٹر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - دوسری پارٹی نان کوآپریٹرون کی ہے اور بظاہر آثار پائے جاتے ہین کہ موجودہ فرقہ بندی کچھ عرصہ تک قائم رہے گی - ایک علیحدہ لبرل فاریشن کا قائم ہونا اور لبرل پارٹی کا کانگریس سے عدم اشتراک بھی اس امر کو واضح کرتا ہے -

پولیٹکل فرقہ بندی نئی تہذیب کے لحاظ سے قومی زندگی کی دلیل ہے - مگر ہندوستان کی موجودہ ملکی حالت کے لحاظ سے پولیٹکل پارٹیون کی مخالفت زیادہ حوصلہ افزا نہین - یورپین ممالک مین پارٹی سسٹم اس اصول پر قائم ہے کہ مخالف پارٹی محض گورنمنٹ پارٹی کی نکتہ چینی ہی نہ کرے بلکہ مخالف کثرت رائے سے عاجز ہو کر وزارت کے مستعفی ہونے پر حکومت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے پر بھی تیار رہے چنانچہ وہان ایک پارٹی کے تمام افراد اخلاقی طور پر اس بات کے ذمہ دار ہین کہ ہر مسئلہ و ہر معاملہ مین اپنی پارٹی کی تائید کرین گو وہ تفصیلات مین اس سے متفق الرائے نہون - افرادی مخالفت کی وجہ سے نہ گورنمنٹ کی کوئی مستقل و مضبوط پالیسی رہ سکتی ہے اور نہ مخالف پارٹی کی مخالفت ہی زوردار ہو سکتی ہے - لہذا ہر شخص پارٹی کی رائے کو اپنی شخصی رائے پر ترجیح دینے کے لیے مجبور ہے اور اسکا فرض ہے کہ اپنی پارٹی کی جا و بیجا تائید کرے خواہ وہ راہ راست پر ہو یا نہو - یہ بات اسی وقت مفید و قابل عملدرآمد ہو سکتی ہے جبکہ حکومت کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کا احساس دلون مین ہو یعنی جس ملک و قوم کو اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کا فخر حاصل ہو - ہندوستان مین جہان کہ سوراج کی پہلی منزل بھی ابھی کوسون دور ہے - مغربی اصول پر پارٹی سسٹم قائم کرنا مغرب کی نعمتون سے محروم رہتے ہوے اسکی برائیون کی تقلید کرنا ہے

باوجود اس امر کے کہ نان کوآپریشن کا پہلا اصول یہ ہے کہ دشمن کے دل کو بھی اپنی حرکات سے صدمہ نہ پہونچائین یہ برابر دیکھنے مین آتا ہے کہ نان کوآپریشن کے پیرو اکثر کوآپریٹرون کی بے عزتی پر تلے رہتے ہین - وہ اپنے تقدس کے نشہ مین اسقدر چور ہین کہ جو شخص نان کوآپریشن کے ذریعہ اپنے گناہون سے پاک نہین ہوا ہے انکی عدالت مین کسی طرح قابل معافی نہین ہے - ایک

خلافت کے جلسہ مین ایک کسان و الڈیٹر صاحب بڑے ناز سے فرماتے ہین ہین ! بلاتی ٹوپی موٹے پہسے نا ہین آتری - انکا اونکمون نظور نہین رہے '' بیچارے کو اپنی حب الوطنی کے جوش مین نہ ہی ولایتی چھینٹ کا کرتا نظر آیا اور نہ فریق مخالف مخالف کی گاڑھے کی اچکن ۔ ع کچھ شک نہین حضرت واعظ مین طویل پر یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہین - شکر ہے کہ جون جون زمانہ گزرتا جاتا ہے مہاتما گاندھی کے اعلیٰ اصولون کی سچی تائید ہوتی جاتی ہے اور رستہ کرۂ بالا دخراش امر رفتہ رفتہ دور ہو جائیگا - نان کواپریٹر بھی آخر کار انسان ہین اور انکی غلطیان بھی قابل معافی ہوسکتی ہین لمر کواپریٹر صاحبان اگر کچھ نہین تو پارٹی سسٹم کے اصول ہی پر سہی نان کواپریٹرون کی ہر موقع وہر معاملہ پر مخالفت کرنے ہی مین ملکی خدمت سمجھتے ہین - عام طور پر اس پارٹی کا کوئی جلسہ ایسا نہین ہوتا جس مین نان کواپریشن کو سخت و سست نہ کہا جاے - بجاے اسکے کہ اپنے مجوزہ پروگرام کے عملدرآمد مین ساری قوت صرف کی جاے اسکا ایک حصہ نان کواپریٹر دن لی لعنت وملامت مین صرف کیا جاتا ہے - کیا اچھا ہو کہ جملہ اہل قوم وہ خواہ کسی پارٹی مین ہون یا نہون بلا ایک دوسرے کی مخالفت مین اپنی قوت زائل کیے ہوے اپنی ساری قوت ملکی ترقی مین صرف کرین اور کم از کم جہان جہان متفق الراے ہوسکین بلا لحاظ فرقہ بندی یک دوسرے سے ملکر کام کرین -

اے زاہدان بہ بادہ پرستان چرا بدید ؎ ماہم غنیمت ایم وشما ہم غنیمت اید

امنت پرشاد نگم

ہندوستان مین ذات کا خیال ایک مجموعی خیال ہے! جب ہم ایک ہندوستانی سے گفتگو کرتے ہین جو اس مجموعی خیال کے زیر اثر ہوتا ہے وہ ایک بے لوث فرد نہین ہوتا جسکا ضمیر کامل طور سے بیدار ہو جس سے وہ ایک انسان کی قدر وقیمت کا اندازہ کرسکے کم وبیش وہ اپنی قوم کے جذبات کے اظہار کرنے کا ایک مجہول ذریعہ بن جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ذات کا خیال شخص زاد نہین و مجلس رسمی ہے جو انسان کو ایک مقررہ انتظام کے ماتحت ترتیب دیتا ہے، وہ فرد کی انسانی پہلو پر پردہ ڈالتا ہے۔ اسکی جدائی، وہ انسان کی کامل صداقت کو نقصان پہونچاتا ہے!

ٹیگور

حفظانِ صحت کی بابت

پورانون کی بعض ہدائتین

ہندوون کے پورانون سے ہم بعض ہدائتین نقل کرتے ہین تاکہ ناظرین انپر غور فرماوین کہ وہ کہان تک قابل پیروی ہین - محاذ مین ہمنے تہذیب جدید کا رویہ مقابلہ کے لیے درج کیا ہے

(۱) الف ننگے نہ نہانا چاہیے -
(اگنی پوران ۵۹ - ترجمہ دت)

زمانہ حال مین ننگے نہانے کو عیب نہین سمجھا جاتا ہے بلکہ فیشن یہ ہی ہوگیا ہے -

(۲) دریا یا ندی مین میلا کسی قسم کا نہ ڈھنا چاہیے
(ایضاً - ۵۹)

زمانہ حال مین شہرون کی نالیان اور موریان دریاؤن اور ندیون مین ڈال دیجاتی ہین

(۳) جوتا پہنے کچھ نہ کھانا چاہیے اور نہ چارپائی پر کچھ خورونوش مناسب ہے
(گوتم سنتھا - ۷۵ - ترجمہ دت)

زمانہ حال مین تمام دن جوتا پہنا جاتا ہے جب میز پر کھانا کھایا جاتا ہے تو جوتا علیحدہ نہین کیا جاتا ہے بستر پر ہی اکثر لوگ چاے پیتے ہین

(۴) اگر کوئی کتا یا چنڈال کھاتے دیکھے تو کھانا چھوڑ دینا چاہیے -
(ایضاً ۷۵)

کتا زمانہ حال مین نہایت عزیز ہوگیا ہے اسکی حرمت روز افزون ہے آغوش مین ہمیشہ بٹھایا جاتا ہے - چنڈال کوئی دنیا مین نہین ہا یہ نزاکت خیال زمانہ مین مفقود ہوگئی ہے -

(۵) انسان کو اپنے پاؤن کسی دوسرے انسان سے نہ دھلوانے چاہیے
(ایضاً)

(۶) کھاتے وقت ۔ وضو کے وقت چلتے وقت بولنا منع ہے ۔

(اگنی پوران ۶۲۵ ترجمہ دت)

(۷) جب پیدل چلکر آؤ تو کلّی کرنی چاہیے تاکہ مُنھ صاف ہو جائے ۔

(اگنی پوران ۵۹۰ ۔ ترجمہ دت)

سٹر گشتی اور سیر کے وقت دل کھولکر خوش گپیان ہوتی ہین ۔ کھانون پر حلق اور ذائقہ کی نسبت زبان زیادہ مصروف رہتی ہے البتہ مُنھ ہاتھ دھوتے وقت بولنے کا موقع نہین آتا

اندنون راستہ چلتے رسٹا ٹا رنیٹون (RESTAORENT) مین کھانا کھانے بیٹھ جاتے ہین ۔ واپس آنے پر کوئی مُنھ صاف نہین کرتا ۔ کلّی کرنے کا رواج بہت کم ہو گیا ہے ۔

شمیم



ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی کم وبیش متابعت کرنا انسانی فطرت مین داخل ہے ایک پگ ڈنڈی اسطرح قائم ہوتی ہے ۔ کہ پہلے ایک آدمی کے چلنے سے تختہ زمین پر اسکے پانون کے نشانات بنتے ہین ۔ وہی آدمی یا ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی پھر اسی طرف سے گزرتا ہے ۔ ابکی اس راستہ پر چلنے سے وہ نشانات زیادہ نمایان ہو جاتے ہین ۔ تیسری دفعہ نشانات اور بھی زیادہ روشن ہو جاتے ہین ۔ آخر بتدریج وہی ایک مشہور پگ ڈنڈی بن جاتی ہے لیکن بہت ہی کم آدمی ہین ۔ جو اس راستہ پر چلتے ہوئے اس بات پر بھی غور کرتے ہین کہ آیا یہ راستہ سیدھا اور قریب کا ہے ۔

جنگل سے واپس آتے وقت میری نظر ایک پگ ڈنڈی پر پڑی ۔ جو جنگل کے اندر جاتی تھی اسکی بے وجہ شکن دیکھکر مین نے خیال کیا ۔ کہ پہلے شخص نے جسکے قدم اس قطعۂ زمین پر پڑے اور اس راستے کے بننے کا موجب بنے ۔ ان شکنون کا خیال بھی نہ کیا ہوگا ۔ اور ممکن ہے کہ یہ اور کئی اور ایسی ہی باتین عوام کے خیال مین بھی نہ آتی ہون لیکن ایسی مشاہدہ کی آگ اس خاص حیثیت سے نکال کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ایک رہنما اور رہبر کے لیے یہ بات کتنی ضروری ہے کہ غور کرے ۔ کہ جس راستہ پر وہ چلتا ہے سیدھا ۔ سیدھا ۔ نزدیک تر اور بے وجہ مصائب سے خالی ہے یا نہین ۔ اس کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے ۔ کہ اسکو اپنا رہنما سمجھ کر یہ نہین کہ کسقدر مخلوق خدا اسکی اکثر حالتون مین بے سوچے سمجھے پیروی کرنے پر آمادہ ہوگی ۔ (ترجمہ)

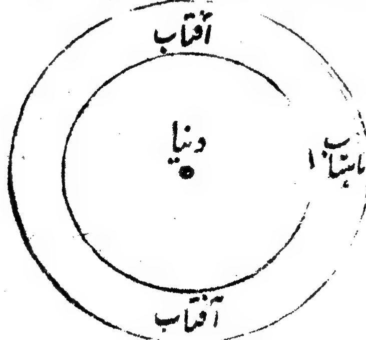
عبدالعزیز دودومہ ۔ دارالسلام

آفتاب

"اے خدا! مین آسمان پر ایک عظیم الشان اور عجیب و غریب نشانی تیری کارسازی اور شان و شوکت کی دیکھتا ہون۔ تیرے کام فانی انسان کے دائرۂ ادراک سے باہر ہین"

آفتاب کا روز علی الصباح مشرق مین طلوع ہونا، تمام دن چل کر مغرب مین غروب ہو جانا، ہر کس و ناکس پر روشن ہے۔ زمانۂ سلف مین بہت سی اقوام اسکی پرستش کرتی تھین اور اسکو اپنا معبود مان کر اپنی فریادین اور التجائین اُسکے سامنے پیش کرتی تھین انکا ایمان تھا کہ آفتاب کے قبضۂ قدرت مین انکی قسمت کا فیصلہ ہے اور اگر وہ چاہے تو آن واحد مین انکو نیست و نابود یا انتہائی دولت و ثروت، عیش و عشرت سے مالا مال کر دے۔ آفتاب فی الواقع خدا ے تعالی کی زبردست طاقت اور حسن انتظام کا بہترین کرشمہ ہے۔ ایک یہی آفتاب نہین سیکڑون اور ایسے اور اس سے زیادہ وسیع اور پُر شوکت فضاے بسیط مین نظر آتے ہین۔

آفتاب نظام شمسی کے وسط مین واقع ہے، اور وہ جسامت مین اسقدر بڑا ہے کہ اگر ۱۲۵۰۰۰۰ دنیا ئین ایک جگہ جمع کیجائین تو آفتاب کے برابر ہونگی!



بادی النظر میں دنیا بہت وسیع نظر آتی ہے، کیونکہ قطب شمالی سے قطب جنوبی تک ۸۰۰۰ میل کا فاصلہ ہے، لیکن آفتاب کا یہ فاصلہ ۹۰۰۰۰۰ میل ہے۔ اوپر کے نقشہ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر ہماری دنیا آفتاب کے مرکز پر قائم کر دی جائے اور چاند اپنی گردش شروع کرے تو یہ کرشمہ آفتاب کے اندر ہی ہو سکے گا۔ لیکن دیکھنے سے آفتاب کی وسعت کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ وہ دنیا سے ۹۲۰۰۰۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اگر ایک ٹرین ۴۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے تو ۲۶۳ سال میں آفتاب تک پہونچ سکے گی۔ یعنی ٹرین کے مسافروں کی ساتویں پشت وہاں پہونچے گی اور چودھویں دنیا میں واپس آئے گی۔

چھوٹے بچے آفتاب کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں لیکن ایک بچے کا ہاتھ کسی طرح سے آفتاب تک پہونچا دیا جائے تو فوراً جلکر خاک ہو جائیگا۔ لیکن اسکا ناگوار اثر اُس بچہ کو ۱۶۷ سال بعد محسوس ہوگا۔ روشنی جسکی رفتار میں قیامت کی تیزی ہے پورے آٹھ منٹ میں آفتاب سے دنیا تک آپاتی ہے۔ وہ چیز جسکا وزن دنیا میں ایک من ہے، آفتاب میں ۲۷ من ہوگا اور ماہتاب میں صرف ۷ سیر۔

آفتاب اسقدر شدید حدت کا مخزن ہے کہ وہاں ہر ایک شے گیس کی صورت میں ہوتی ہے یا کم از کم رقیق ہوگی۔ اگر ہم سطح آفتاب تک پہونچ بھی جائیں اور وہاں کی شدید گرمی برداشت کر سکیں تب بھی وہاں کوئی جگہ قدم رکھنے کے لیے نہ ملے گی۔ وہاں ایک مواج و ذخار دریاے آتشیں نظر آئیگا جہاں عظیم الشان گرم گرم لہریں اُٹھتی ہیں۔ اور آتش دربغل فوارے بلند ہوتے ہیں۔ آفتاب ایک قسم کا بہت وسیع آتشدان ہے جو تمام عالم کو گرمی اور روشنی پہونچاتا ہے۔ موسم سرما میں دھوپ دینے والا، موسم گرما میں لو چلانیوالا، موسم برسات میں مینھ برسانیوالا یہی آفتاب ہے جو روز آسمان پر چکّر لگاتا ہے۔ اگر آفتاب صرف ایک دن طلوع ہونا بھول جائے تو لاتعداد مخلوق اور ناقابل شمار چھوٹے جانور کیڑے مکوڑے فنا ہو جائیں۔ اور صفحۂ عالم جو انسان کی کارگزاری سے رنگین بنا ہوا ہے محض ایک سادہ ورق کی صورت اختیار کرلے۔ علاوہ ازیں آفتاب دنیا سے اگر اسقدر قریب

بھی آجائے جسقدر کہ ماہتاب ہے پھر بھی دنیا ایک وسیع سمندر ہو جائیگی جسمین پانی اُبلتا ہوگا اور بخارات بلند ہوتے ہونگے۔

محققین نے اس بات کا پتہ لگایا ہے کہ وہ حدت جو ہماری دُنیا ۲۴ گھنٹہ مین آفتاب سے حاصل کرتی ہے ایک دُنیا کے برابر وسیع سمندر کو جو ۲۶۰ گز عمیق ہو اور برف کی مانند سرد پانی سے لبریز ہو اُبال دینے کیلیے کافی ہوگی - اور یہ حدت جو دُنیا کی حصہ مین آتی ہے بہت قلیل ہے - سب جانتے ہین کہ جب کہین آتشزدگی واقع ہوتی ہے ہوا کی رفتار تیز ہو جاتی ہے - چنانچہ آفتاب مین ہوا کی رفتار سو میل فی سکنڈ ہے وہ آتش دان جو نظام شمسی کی کُل حیات کا ذمہ دار ہے ہر وقت متلاطم رہتا ہے - وہ زبردست آتشزدگی جس سے ہزارون شہر تباہ ہو جاتے ہین یا وہ بلاخیز طوفان جو بحر مین ہلچل مچا دیتے ہین فی الواقع نہایت خفیف اور مختصر نمونہ ہین اُس تلاطم کا جو آفتاب مین ہمہ وقت برپا رہتا ہے -

بڑی طاقتور دوربین کے ذریعہ سطح آفتاب پر کچھ بدنما دھبے نظر آتے ہین - جو درحقیقت ہزارہا میل وسیع ہین - ماہرین علم کی راے ہے کہ یہ دھبے سطح آفتاب مین وسیع غار ہین جو تلاطم کے باعث پیدا ہوگئے ہین - اس امر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچتی ہے کہ آفتاب مین مادہ منجمد نہین ہے بلکہ رقیق ہے جو بوجہ حدت شدید ہمیشہ کھولتا رہتا ہے - یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ دھبے وقتاً فوقتاً اپنی شکل وہیئت بدلتے رہتے ہین - اور بعض اوقات یہ تبدیلی بہت تھوڑے زمانہ مین واقع ہوتی ہے - مزید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہو کہ یہ دھبے نقل مقام بھی کرتے ہین، کبھی کسی کنارہ پر نظر آئین گے، کبھی وسط مین اور کبھی دوسرے کنارہ پر - یہ دلیل ہے اس امر کی کہ آفتاب اپنے محور پر گروش کرتا ہے لیکن یہ حیرت انگیز مسئلہ ہے کہ بعض آفتاب کے حصّے یہ گردش ۲۵ - دن مین ختم کرتے ہین اور بعض ۲۷ - دن مین -

زمانہ سلف مین جب عام لوگ آفتاب کو اپنا معبود مقدس مانتے تھے، گیلیلیو نے سب سے اول اپنا یہ تجربہ بیان کیا کہ سطح آفتاب مین جابجا بدنما دھبے نظر آتے

ہین - یہ راے عوام الناس نے حقارت کی نظر سے دیکھی اور علمائے اسکی بڑی مخالفت کی - لیکن کچھ عرصہ بعد یہ راے کل دنیا کو تسلیم کرنا پڑی - نظام شمسی کے متعلق تجربات گھر بیٹھے نہین ہو سکتے - انگلستان اور دیگر مہذب ممالک مین ایسی درسگاہین موجود ہین جہان بڑے قیمتی آلات اور انواع اقسام کی دوربین موجود ہین اور خاص خاص اوقات مین ماہرین علم مشاہدہ کرتے ہین اور اپنی راے کی تصدیق پیش کرتے ہین - یہ علم بغیر مشاہدہ کے تکمل نہین ہو سکتا -

سر جان ہرشل کا مقولہ ہے کہ "بہت بڑا اقد آور زبردست طاقت بے فیض ہے لیکن آفتاب اپنی عظیم الشان جسامت کے لحاظ سے تمام نظام شمسی کے حسن انتظام اور ترتیب کا ذمہ دار ہے" - آفتاب اپنی زبردست کشش کے زور سے تمام سیارون کو اپنے زیر نگین کیے ہوئے ہے - اور انکو انکی جاے مقررہ اور گردش معینہ سے ذرا بھی علیحدہ ہونے نہین دیتا چنانچہ سب سیارے اپنی اپنی گردش مین مصروف ہو کر نظام شمسی کے انتظام کی پابندی کرتے ہین - آفتاب اس مقناطیسی کشش کا مرکز ہے - اور ہماری روشنی اور گرمی کا مخزن - اسی کشش کے باعث یہ دنیا بھی آفتاب کے چارون طرف ۳۶۰ دن مین اپنی گردش ختم کرتی ہے - اور تبادلہ موسم ظہور مین آتا ہے -

اے آفتاب عالمتاب! تمام عالم تیری فیاضیون سے مالا مال ہے - تمام ذی روح اور غیر ذی روح موجودات تیری شکر گزار اور احسانمند ہے = ابر نیسان تیرے ہی اشارہ پر گہر ہاے آبدار سے سمندرون کو مرہون منت کرتا ہے - موسم بہار مین نسیم صبح گاہی تیرے ہی دریاے فیض کی معمولی لہر ہے - گلہاے بو قلمون تیرے ہی باعث باغون مین کھلتے ہین - اشجار زنگارنگ تیرے ہی ابر کرم کا عطیہ ہین = دریا تیرے ہی بل پر میدانون طے کرتے چلے جاتے ہین - بلند پہاڑ تیری ہی مدد سے آسمان سے باتین کرتے ہین - تیری حقیقت سے حقہ آگاہ ہونا انسانی قوت سے باہر ہے "تجھکو دیکھکر تیرے خالق حقیقی کی کرشمہ سازیون پر انسان دنگ جاتا ہے" علم مفرد کے خزانہ کسقدر عمیق اور پوشیدہ ہین اور اے خدا! تیرے احکامات اور رازہاے نہانی کسقدر محیر العقول -

محمد عبد الشکور بریلوی

آزمائش

ڈاکٹر ربیندر ناتھ ٹیگور کا ایک ڈراما

اشخاصِ ڈراما

کلیانی .. .. رانی

کھیدی .. .. نوکرانی (دیوی لکشمی کی دعا سے وہ رانی بنی ہے۔)

لکشمی .. .. دولت کی دیوی۔

کاشی .. .. کھیدی کی پوتی جو رانی کے محل ہی مین رہتی ہے۔

بینی
کینی } .. کھیدی کی بھتیجیان جو کھیدی کے بدولت مزے اُڑاتی ہین۔

کئی عورتین .. دان لینے کے لیے رانی کے محل مین آتی ہین۔

نوکر
اور نوکرانیان۔ } رانی کلیانی کی خدمت مین

مالتی .. .. مفروضہ رانی کھیدی کی مُنھ چڑھی داسی۔

نوکر اور
نوکرانیان } مفروضہ رانی کھیدی کی خدمتگذار۔

پہلا ایکٹ

نوکرانی کھیدی

کھیدی - بعض لوگون کے پاس شان و شوکت کے ساتھ نیکی کرنے کے ذرائع بھی ہوتے ہین اور بعض ہماری طرح اپنی نیکی کے بوجھ سے خود ہی دبے جاتے ہین - اُنکی خیرات تو آرام کرسیون پر بیٹھے بیٹھے ہوتی ہے - اور ہمین اپنا پسینہ بہا کر انکا کام کرنا پڑتا ہے - وہ لافانی شہرت حاصل کرتے ہین - اور ہمکو یہ صلہ ملتا ہے کہ قبل از وقت موت ملتی ہے

(باہر سے "کھیدی" "کھیدی" کی آوازین آتی ہین -)

کھیدی - لے لو! رانی بُلا رہی ہے - مجھ غریب کے لئے تو اپنا رونا - رونے کے لئے بھی فرصت نہین ہے -

(رانی کلیانی داخل ہوتی ہے)

کلیانی - حسب معمول تم پھر دل برداشتہ معلوم ہوتی ہو!

کھیدی - اِسی سے تو ثابت ہوتا ہے کہ مین بھی گوشت اور پوست کی بنی ہوئی ہون -

کلیانی - بھلا تمہین کونسی تازہ شکایت ہے؟

کھیدی - یہی کہ مین نے تمہین اپنی مالکہ انتخاب کرتے وقت سخت غلطی کی - اگر مجھے پھٹے پُرانے کپڑے والے لوگون ہی کی ہر وقت خدمت کرنا تھی - اگر مجھے مٹی مین پلے ہوئے نادار بڈھون ہی کے واسطے روٹیان پکانا اور اُنکے جھوٹے برتن صاف کرتے کرتے اپنی اُنگلیان گھسانا تھین تو مجھے ایک رانی کے گھر آنے کا فائدہ ہی کیا تھا؟

کلیانی - تمہاری مدد کے لئے کافی نوکر ہوتے - اگر تم نے اُنکو اپنی چرب زبانی سے گھایل کرکے نکال نہ دیا ہوتا -

کھیدی - بجا ارشاد ہوا - میرا دل ذرا جلدی متاثر ہو جاتا ہے - اور ذرا سی غلطی بھی برداشت نہین ہو سکتی - اس تباہ کن عادت کی وجہ سے مجھے اکیلی رہنا پڑتا ہے - تمہارے دوسرے نوکر تو پورے ڈاکو تھے گو اُنکے چہرون سے خطرناک بے وقوفی ٹپکتی تھی -

کلیانی۔ اور تم ؟

کھیدی۔ کلیان دا ایک ڈرگا۔ مین نے کبھی بھی اپنے آپ کو اور لوگون سے بالا نہین سمجھا۔ میرے ہاتھ جس چیز پر پڑتے ہین وہ مین اُٹھا ہی لیتی ہون۔ لیکن آخر میرے ہاتھ دو ہی تو ہین۔ پرماتما نے یہ چیزین لینے اور قابو مین کرنے ہی کے لیئے دیئے ہین۔ اسلئے اگر آپ اپنے اِردگرد زیادہ نوکر رکھکر ہاتھ بڑھا لین گی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کا اثاثہ زیادہ آسانی سے لٹ جائیگا۔

کلیانی۔ خوب۔ تمھاری تنہائی تو تمھارے بھتیجون بھتیجیون کے ہجوم اور دور و نزدیک کے رشتہ دارون ہی سے پھٹی پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ کیا ایشور نے ان سب کو ہاتھ نہین دیئے ہین ؟ مجھے تم پر ہنسی بھی آتی ہے اور غصہ بھی۔

کھیدی۔ اگر آپ مین ہنسی کی عادت کم ہوتی اور غصہ زیادہ ہوتا تو شاید میری طبیعت بھی بدل جاتی۔

کلیانی۔ تمھاری طبیعت اور تبدیلی ! یہ تو تمھاری موت پر بھی ممکن نہین۔

کھیدی۔ یہ ٹھیک ہے اور اس سے میری حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ مجھے امید ہوتی ہے کہ موت بھی مجھ پر اپنا دعویٰ کرنے مین ذرا غور و خوض سے کام لیگی۔ وہ لو۔ کاہلون کے اس ہجوم کی طرف تو دیکھئے جو دروازے پر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ اُنمین سے کچھ تو اپنے بیمار خاوند کی کہانی سنائینگی جو اُن کو آپکا ممنون احسان بنانے کے لئے مرنے کا نام ہی نہین لیتے ہین کچھ اپنے مرحوم عزیزون کا قصہ کہینگے جنکی موت کا صدمہ ہمیشہ تازہ رہتا ہے اور جنکے مرتک سنسکار کا مطالبہ ابد تک باقی رہیگا۔ یہ سب لوگ اپنا تھیلا جھوٹ سے بھرکر لاتے ہین اور اُسے آپ کے دروازے پر اُلٹا کر نقدی سے بھر لے جاتے ہین۔ مین حیران ہون کہ بعض لوگ دھوکا کھانے کے اتنے شائق کیون ہوتے ہین ؟

رانی۔ غریب لوگ دھوکہ اسلیئے دیتے ہین کہ دولت بسا اوقات غریبی سے بھی گری ہوئی چیز ہوتی ہے۔ خیر مجھے یہ تو بتلاؤ کہ کل شام کو جب مین نے غریبون کو کھانا کھلایا تھا تو دودھ اور مٹھائی کم ہوگئی تھی ؟

کھیدی۔ غالباً حلوائی اور گوالا بھی آپ کو دھوکا کھانے کا موقع دینے کی کوشش کر رہا ہوگا۔

اڑوس پڑوس کی عورتیں آتی ہین
اور "رانی کلیانی کی جے جے" کا نعرہ بلند کرتی ہین۔

کھیدی۔ اِنکے جے کارے تو سُنو۔ اگر انکے پیٹ نے کل خوش ذائقہ کھانون کا پُورا حصہ نہ پایا ہوتا تو اُنکے گلے آج صبح ہی اُسے ظاہر کردیتے۔

رانی کلیانی (ایک عورت سے) پیاری۔ وہ لڑکی جو تمھارے ساتھ ہے۔ کون ہے؟ مین نے اِسے اس سے پہلے کبھی نہین دیکھا ہے۔

عورت۔ یہ ہمارے گھر کی نئی بہو ہے۔ مین اِسے آپ کے آشیرباد کے لیئے لے آئی ہون۔

کھیدی۔ اِس بات کا اندازہ لگانا آسان ہو کہ آشیرباد سے تمھاری کیا مُراد ہے۔

رانی۔ اِسکا چہرہ بڑا پیارا معلوم ہوتا ہے۔

عورت۔ لیکن وہ اپنے میکے سے تو ایک کوڑی کا چھلّا تک نہین لائی۔

کھیدی۔ جو محرم راز ہین وہ کہتے ہین کہ اسکے سب زیور تمھارے قبضے مین محفوظ ہین۔

رانی۔ میرے ساتھ کمرے مین چلی آؤ۔

(کلیانی دوسری عورت اور نئی بہُو کے ساتھ جاتی ہے۔)

پہلی عورت۔ نئی بہو کا رنگ روپ اور اُسکے گورے گورے گال تو دیکھو۔

کھیدی۔ معمولی اور بہت دفعہ نظر سے گذر چکے ہین۔

تیسری عورت۔ لیکن اس سخاوت نے تو پچھلی تمام باتون کو مات کردیا۔

کھیدی۔ کیا ہرج ہو جب تک اسکا فائدہ تمھین نہین بلکہ کسی اور کو پہونچتا ہے۔

تیسری عورت۔ تمھارے مذاق سے تو ہمارے پیٹ مین ہنستے ہنستے بل پڑے جاتے ہین۔

پہلی عورت۔ کچھ ہی کیون نہ کہو ہماری رانی کا دل بہت بڑا ہے۔

کھیدی۔ اسکے معنی یہ ہین کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بڑی بیوقوف ہے۔

چوتھی عورت۔ ٹھیک کہا۔ یاد ہے اندھی اِندی کو مذاق ہی مذاق مین کس طرح روپے سے لاد دیا تھا۔

تیسری عورت۔ اور وہ بڑھیا ڈائن کمہارن اُس سے ایک دوشالہ محض ہوشیاری سے رو رو کر لے گئی تھی

چوتھی عورت۔ خیرات کرنا تو اچھا ہے لیکن [illegible]

پہلی عورت- لیکن رانی کی طبیعت بڑی اچھی ہے -

کھیدی- آدمی کی اچھائی کا بہت بڑا حصہ اُسکی دولت سے تعلق رکھتا ہے -

چوتھی عورت- رانی مین سب سے زیادہ قابل مذمت بات جو مین پاتی ہون وہ اُسکا معمولی لوگون سے اس بے تکلفی کے ساتھ ملنا جُلنا ہے -

تیسری عورت- یہی لیجئے - بھلا کیا انھین کدار کی مان سے کوئی اچھی سہیلی مل ہی نہین سکتی -

چوتھی عورت- یہ تو معمولی لوگون سے خراج تحسین حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے -

کھیدی- دُنیا کا طریقہ ہی یہی ہے - ہر جگہ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کی مثل صادق آتی ہے - رانی ہمین اچھے اچھے بھوجن دیتی ہے - تاکہ ہم سے تعریف کرا سکے - سچ پوچھو تو اس سودے مین فائدہ انھین کو ہے - ردی تو معمولی چیز ہے - لیکن تعریف تو بڑے لوگون ہی کا حصہ ہے -

چوتھی عورت- اے لو وہ عورت اپنی بہو کے ساتھ رانی کے کمرے سے واپس آرہی ہے -

پہلی عورت- ہمین دکھاؤ کہ تمھین کیا ملا ہے -

دوسری عورت- کچھ نہین - کنگنون کی ایک جوڑی کے سوا اور کچھ نہین -

تیسری عورت- یہ تو ایک معمولی مذاق معلوم ہوتا ہے -

چوتھی عورت- تمھین یاد ہوگا پیاری اپنی نئی بیاہی لڑکی کے لئے سونے کی ایک زنجیر اور بالیون کا جوڑا لے گئی تھی -

دوسری عورت- ترس غریب لوگون کے لئے نہین ہے - لیکن خوش قسمت ہین وہ لوگ جو اسکے لئے شہرت رکھتے ہین -

چوتھی عورت- امیر آدمیون کا دان پُن اُنکا ایک کھلونا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی تفریح طبع کا سامان کرتے ہین -

کھیدی- اگر قسمت کی دیوی لکشمی مجھ پر مہربان ہو جائے تو مین بتاؤن کہ مناسب طریقون سے کس طرح دان کیا جاتا ہے -

دوسری عورت- ہماری پرارتھنا ہے کہ ایشور تمھاری خواہش پوری کرے -

پہلی عورت- خیر اس کو اس کو بند کرو - مجھے رانی کے قدمون کی آہٹ معلوم ہو رہی ہے -

چوتھی عورت۔ (اونچی آواز سے) ہماری رانی رحم دلی کی دیوی ہین۔

تیسری عورت۔ لکشمی بھی اُنکے ہاتھ لگنے سے پوتر ہو گئی ہے۔

(رانی کلیانی داخل ہوتی ہے)

رانی۔ تم کونسی باتین کر رہی تھین۔

کھیدی۔ یہ آپ کی شہرت کی سرزمین پر بڑے زور سے ہل چلا رہی تھین۔ ہلوٹ دے رہی ہین۔ گڑائی کر رہی ہین۔ اور ہر ایک سبز چیز جسمین پھول لگے ہوئے ہین نکالکر باہر پھینک رہی ہین۔

کلیانی۔ گھر جانے سے پہلے سُن لو کہ اگر خیرات اور معافی امید کے ساتھ ساتھ چلتی تو دنیا کی پیدائش کے چند روز بعد ہی وہ لنگڑا کر گر پڑتی۔

(رانی کمرے سے چلی جاتی ہے)

چوتھی عورت۔ یہ تو جلی کٹی باتین ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ رانی نے چھپکر ہماری سب باتین سُن لی ہین۔

کھیدی۔ باتین سُننے کی اُنھین کیا ضرورت ہے۔ وہ خود کافی جہان دیدہ ہین اور جانتی ہین کہ وہ تعریف جو اُنکے سامنے آسمان سے سر ملاتی ہے اُنکی پیٹھ پیچھے زمین پر رینگنے لگتی ہے۔

چوتھی عورت۔ سچ پوچھو تو تمھین بھی اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہئے۔

تیسری عورت۔ خیر اگر تمھین اپنی زبان پر قابو رکھ سکو تو ہماری بکواس بے معنی ہو جائے۔

کھیدی۔ الامان۔ چلیے یہ تکلیف دہ کام ہو چکا۔ اب تم سب ٹھنڈے دل سے گھر جاؤ اور دان پُن لینے کی بیعزتی بھولنے کی کوشش کرو۔

(عورتین چلی جاتی ہین

کھیدی آوازین دیتی ہے۔ کینی۔ بینی۔ کاشی)

لڑکیان آجاتی ہین۔

کاشی۔ ہان دادی۔

کینی اور بینی۔ ہان چاچی۔

کھیدی۔ ادھر آؤ کچھ کھا لو آکر۔

لڑکیان۔ ہمین بھوک نہین ہے۔

کھیدی۔ کھانے کے لئے بھوک کی حاجت نہین بلکہ موقع ملنے کی ضرورت ہے۔اُس خانے مین تمھارے لئے دودھ اور مٹھائی رکھی ہے۔

کاشی۔ تم سارا دن چرتی ہی رہتی ہو۔آخر کھانے کی بھی کوئی حد ہے۔

کھیدی۔ لیکن مرے دلد چیزون کی حد تو اِس سے بھی جلد آجاتی ہے۔بینی وہ چاندی کی کنگھی جو تمھارے سر مین تھی کہان غائب ہو گئی۔

بینی۔ غریب کھیتو کی لڑکی۔

کھیدی۔ خیر مین سمجھ گئی۔ تمنے اُسکو دیدی۔اِس گھر کی آب وہوا ہی بگڑی ہوئی ہے۔یہان فیاضی کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔تمھاری جیسی لڑکی کے لئے یہ بہت ہی خطرناک مرض ہے۔ہماری رانی تو اپنا مال لٹانے مین اسلیئے لگی ہوئی ہے تاکہ وہ یہ ثابت کرسکے کہ اسکی دولت کبھی ختم ہونے والی نہین ہے۔لیکن اگر تم کسی کو کچھ چیز دان دیتی ہو تو تمھارے اثاثہ مین اسکی جگہ ہمیشہ کے لئے خالی ہو جاتی ہے۔یہی فرق ہے تم مین اور رانی مین۔اچھا اب جاؤ سو رہو جاکر۔

وہ چلی جاتی ہین

رانی کلیانی آتی ہے۔

کھیدی۔ رانی میری زندگی اب ایک عذاب ہو رہی ہے۔

رانی۔ لیکن تم اسے بڑی آسانی اور تن پروری سے گذار رہی ہو۔

کھیدی۔ آپ کے قدمون کی قسم مین سچ کہ رہی ہون۔گھر سے خبر ملی ہے کہ میری سب سے چھوٹی بُوآ کی حالت بہت خراب ہو۔اور وہ قریب المرگ ہے۔

رانی۔ خوب۔ابھی تو سال بھر بھی نہین گذرا کہ مین نے تمھاری اسی بُوآ کے مرتک سنکار کیلئے روپئے دیئے تھے۔

کھیدی۔ بُرا ہو آپ کے حافظے کا۔لیکن میرے ہی رشتہ دارون کے لئے آپ کا حافظہ ایسا تیز ہے۔

رانی۔ کیون!کیا مجھ سے مانگتے ہوئے تمھاری زبان رُک جاتی ہے؟کیا جھوٹ بولنا ہی ضرری ہے۔

کھیدی۔ درخواست کو معزز صورت دینے کیلئے جھوٹ بولنا لازمی ہو۔سچ بول کر مانگنا تو بہت بُرا

معلوم ہوگا اور کانون کو بھی بھلا نہ لگے گا۔

رانی۔ بھلا جب کبھی تم نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔ مین نے کبھی انکار بھی کیا ہے۔

کھیدی۔ اپنے ہتھیارون کی اُسوقت خبرگیری نہ کرنا جب اُنکی ضرورت نہ ہو۔ اُنکو ضرورت کے وقت گم ہوا پانے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ لیکن مجھے کہنا ہی پڑتا ہے کہ آپ بھی جھوٹی باتون پر یقین کرکے جھوٹ کو ترقی دے رہی ہین۔

رانی۔ خیر اس دفعہ تو جھوٹ ناکامیاب ہی رہا۔

کھیدی۔ تو مین بھی آیندہ دوسرے موقع کی بابت ناامید نہین ہون۔ اُسوقت میری چھوٹی ڈبو آ کا نام بھی میری زبان پر نہ آئیگا۔

(کلیانی ہنستی ہوئی چلی جاتی ہے۔)

کھیدی۔ ماتا لکشمی تو ضرور ہی اپنے گھوڑے اُلّو پر سوار ہوکر اس گھر مین آئی ہوگی۔ اگر اتفاق سے اُلّو میرے کندھے پر آ بیٹھے تو مین اُسے خوب ہی چوہون کا لذیذ گوشت کھلاؤن۔ حتیٰ کہ اُسکا پیٹ بھر جائے۔ اور وہ میرے ہی دروازہ پر پڑا رہ جائے۔

(دیوی لکشمی آتی ہے)

کھیدی۔ ایک اور ملاقاتی۔

لکشمی۔ اگر میرا آنا باعث کلفت ہو۔ تو مین اُلٹے پانوٗن لوٹ جانے کو تیار ہون۔

کھیدی۔ خیر جلدی کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ آپ کے سر پر تو اصلی تاج دکھائی دیتا ہے۔ لیکن وہ آپکے سر پر ایسا بھونڈا نہین معلوم ہوتا جیسا کہ وہ ایک اصلی رانی کے سر پر۔ بتائیے تو سہی کہ آپ کون ہین۔

لکشمی۔ مین لکشمی ہون۔

کھیدی۔ ناٹک کرنے والی لکشمی۔

لکشمی۔ نہین۔ آسمان کے دیوتاؤن کی پوجیہ دیوی لکشمی۔

کھیدی۔ آپ تو تھکی ہونگی۔ پھر ذرا دیر تشریف کیون نہ رکھئے۔ جانے کی ایسی کیا جلدی ہو۔ یہ تو مین اچھی طرح جانتی ہون کہ اُن لوگون کیسا بھتہ جو دل و دماغ کے مالک ہون آپکو کوئی ہمدردی

نہین ہوتی - شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ ہوشیار آدمی کو بھوکے مرنے کا کوئی خطرہ نہین رہتا ہے اور صرف خر دماغون ہی کو آپ کے مددگار کی ضرورت ہوتی ہے -

لکشمی جی - کیا تمھین شرم نہین آتی کہ تم اپنی مالک کو دھوکہ دیکر اپنا پیٹ پالتی ہو ؟

کھیدی - اسکی وجہ یہی ہے کہ آپ ہی اپنی پسند مین ایسی بے اُصول واقع ہوئی ہین کہ جو لوگ اپنے دل و دماغ رکھتے ہین اُنھین اُن لوگون کے سہارے جینا پڑتا ہے جنکے دامن روپئے سے بھرپور ہین -

لکشمی - مین اصلی دماغی قوت رکھنے والے آدمی کو کبھی بھی نفرت سے نہین دیکھتی - صرف مین اُلٹے سبھاؤ والے آدمیون کے پاس جانے سے پرہیز کرتی ہون -

کھیدی - جو عقل کہ سیدھے راستے پر چلتی ہے وہ تو بیوقوفی ہی کا ایک دوسرا نام ہے - لیکن اگر آپ مجھ پر مہربان ہونے کا وعدہ کرین تو مین نہایت سنجیدگی سے آپ کو یقین دلا سکتی ہون کہ اب سے میری کم لیاقتی آپ کا دل خوش رکھیگی - مین دوسرون کے لئے ایسا ناقابل برداشت بوجھ بنجاؤنگی اور اہل دماغ مجھ سے کوسون دُور بھاگ جائین گے -

لکشمی - کیا تم خیال کرتی ہو کہ تم کسی کو ایک پھوٹی کوڑی کا بھی دان دے سکوگی -

کھیدی - کیون نہین بڑی خوشی سے - جب خیرات کسی آدمی کی بڑھی ہوئی دولت کے کنارون پر ہی چرتی ہے - تب وہ نظارہ کی خوبصورتی کو بڑھاتی ہے - نیز عقلمندی سے دیا ہوا دان دنیوی حیثیت سے بھی فائدہ بخش ہوتا ہے - ذرا ہم دونون کے رتبے بدل دیجئے - پھر آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ رانی کس طرح سے دوسرون کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی قابلیت پیدا کرتی ہے دوسری طرف مین بھی ایسی بیوقوف بنونگی کہ ہر ایک قسم کے جھوٹ کو ہضم کرتی جاؤنگی اور میرا مزاج بھی روکھے پن مین جنگل مین رہنے والے تپسیون (مرتاضون) کو مات کریگا -

لکشمی جی - تمھاری پرارتھنا قبول کیجاتی ہے - مین تمھین رانی بنائے دیتی ہون - کسی کو کانون کان خبر نہ ہوگی کہ تم کبھی نوکرانی تھین - بشرطیکہ تم خواہ مخواہ لوگون کو یاد دلانے کی کوشش نکرو -

دوسرا ایکٹ

(رانی کھیدی)

کھیدی- کاشی کہان ہے۔

کاشی- مین یہین ہون۔

کھیدی- تمھارے چارون نوکر کہان ہین؟

کاشی- یہ بھی کیا زندگی ہے کہ دن رات نوکر کتون کی طرح میرے پیچھے لگے رہتے ہین۔

کھیدی- کیا ہاتھی کو اپنے دانتون کے بوجھ کی شکایت ہونی چاہیے؟ مالتی!

مالتی- حاضر مہارانی صاحبہ۔

کھیدی- اس لڑکی کو سمجھاؤ کہ دن رات نوکرون کا اسکے ساتھ ساتھ رہنا کیون ضروری ہے۔

مالتی- یاد رکھو کہ تم ایک رانی کی پوتی ہو۔ جس نواب کے گھر مین پہلے نوکر تھی وہان بیگم نے نیولون کا ایک جھول پال رکھا ہے۔ ہر ایک نیولے کے ساتھ چار نوکرانیان رہتی تھین اور سپاہی اُنکے علاوہ تھے۔

کھیدی- کاشی! کچھ سمجھی؟

ایک نوکر- ہماری ہمسایہ آپ سے شرف ملاقات کی خواستگار ہے۔

کھیدی- مالتی!

مالتی- جو حکم حضور۔

کھیدی- تمھاری بیگم کے گھر ملاقاتی کس طرح سلام کیا کرتے ہین۔

مالتی- اُنھین قدم قدم پر زمین بوس سلام کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ اور واپسی کے وقت اُلٹے پاؤن اسی طرح سلام کرتے ہوئے جانا پڑتا ہے۔

کھیدی- موتی سے کہدو کہ اسی طرح میرے پاس حاضر ہو۔

(مالتی موتی کو لاتی ہے)

مالتی- سر جھکاؤ اور فرش تک جھک کر ناک کے سرے تک اپنا ہاتھ لیجاؤ اور اسی طرح دو بار کرو۔ ذرا آہستہ آہستہ اتنی جلدی نہین۔ قدم باقاعدہ اُٹھاؤ

موتی - خدا کی پناہ - میری پیٹھ درد کرنے لگی -

مالتی - زمین سے تین دفعہ خاک اٹھا کر اسے اپنے ناک کے سرے پر لگاؤ -

موتی - بُرا ہو میرے جوڑ دن کا کمبخت درد کرنے لگے -

مالتی - دوبارہ اسی طرح جھکو -

موتی - ماتا رانی آج ایکادشی ہے - برت رکھنے اور دان دینے کا دن ہے -

مالتی - اگر تمھاری ماتا رانی کو ضرورت ہوگی تو وہ تھوڑن کو خود ہی یاد رکھ سکتی ہے -

موتی - خیر مجھے کچھ دان ملجائے تا کہ مین رانی کے گُن گاتی ہوئی واپس چلی جاؤن -

کھیدی - تمھاری درخواست کا پہلا حصہ تو مین نظرانداز کیئے دیتی ہون - دوسرا حصہ کمال شفقت سے منظور فرماتی ہون - تم ابھی میرے گُن گاتی ہوئی واپس جا سکتی ہو - مالتی !

مالتی - جو حکم - غریب پرور !

کھیدی - اس عورت کو قاعدہ کے ساتھ واپس جانے دو -

موتی - لیجیے مین جاتی ہون -

مالتی - اتنی آسانی سے نہین - اپنا سر جھکاؤ - فرش کی خاک کو ناک کے سرے پر اُٹھاؤ - دوبارہ اسی طرح کرو - ایک دفعہ پھر -

(موتی رخصت ہوتی ہے)

کھیدی - بینی ! تمھاری انگوٹھی جو تمھاری سب سے چھوٹی اُنگلی مین تھی کیا ہوگئی - کیا چوری گئی ؟

بینی - جی نہین - چوری نہین گئی -

کھیدی - پھر کیا کہین گم ہوگئی ؟

بینی - نہین -

کھیدی - تو کسی نے تم سے مانگ لی -

بینی - نہین -

کھیدی - تمھین ماننا پڑیگا - کہ ہر ایک چیز یا تو آدمی کے پاس رہتی ہے یا چرائی جاتی ہے - یا گم ہو جاتی ہے - یا ---

بلاوُن

بینی۔ مین نے اُسے دے ڈالا ہے۔

کمیدی۔ صاف لفظون مین کیون نہین کہتین کہ کسی نے تم سے ٹھگ لی ہے۔ لیکن کس نے؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔

بینی۔ مین نے اُسے مالکہ کو دے دی ہے۔ وہ ہمارے نوکرون مین سب سے زیادہ غریب ہے۔ اور اُسکے بچے بھوکون مر رہے ہین۔ میرے پاس اتنی انگوٹھیان ہین کہ مین ——— ۔۔

کمیدی۔ اسکی باتین سنو! یاد رکھو صرف متوسط الحال لوگ ہی خیرات دے کر شہرت حاصل کر سکتے ہین۔ لیکن دولتمندون کو اسکے صلے مین احسان فراموشی ہی ملتی ہے۔ اُن لوگون کے دان کی جنکے پاس بے شمار دولت ہے! کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ کیون مالتی؟

مالتی۔ جو حکم حضور!

کمیدی۔ مالکہ کو فوراً موقوف کر دینا چاہئے۔

مالتی۔ بہت اچھا مین اسے دھکے دیکر باہر نکال دونگی

کمیدی۔ لیکن انگوٹھی کا خیال رکھنا کہین اُسے ساتھ ہی نہ لیجائے۔ (گانے کی آواز باہر سے آرہی ہے) میرے محل سے باہر یہ کیسا گانا ہو رہا ہے!

ایک نوکر۔ برات کا جلوس نکل رہا ہے۔

کمیدی۔ کیا رانی کے محل کے مقابل برات کا جلوس! فرض کرو مین معترض ہون کون مجھے روک سکتا ہے؟ مالتی!

مالتی۔ جو حکم حضور!

کمیدی۔ نواب کے گھر مین ایسے موقعہ پر کیا ہوتا ہے۔

مالتی۔ دولہا کو قید خانے مین بھیجدیا جاتا ہے۔ اور تین دن تین راتین برابر بانسری بجانے والے اُسکے کانون پر سُرون کی آزمائش کرتے ہین۔ اگر وہ اس عذاب سے بچ جائے تو پھر پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

کمیدی۔ خوب! پہرے کے سپاہیون کو حکم دو کہ ہر ایک براتی کے دس دس جوتے لگا دین۔

پہلا نوکر۔ صرف دس ہی جوتے۔ حضور یہ تو پیار کرنا معلوم ہوگا۔

دوسرا نوکر۔ دلہن کو اپنی خوش نصیبی پر گھی کے چراغ جلانا چاہیے۔

تیسرا نوکر۔ ایشور کا شکر ہے کہ ہماری رانی مذاق پسند واقع ہوئی ہین۔

(ایک نوکرانی آتی ہے)

نوکرانی۔ مجھے پچھلے نو مہینون سے تنخواہ نہین ملی ہے۔ غلامی کرنا اور پھر بھی اُدھار لیکر کھانا۔ مجھے نہین بھاتا ہے۔ یا تو میری تنخواہ بیباق کردی جائے۔ یا مجھے گھر جانے کی اجازت ملے۔

کمیدی۔ تمھین تنخواہ دینے مین کوئی ہرج نہین ہے۔ مگر تمھین گھر جانے کی اجازت دینا کئی جھمیلون سے سے بچا لیگا۔ مالتی!

مالتی۔ جو حکم حضور!

کمیدی۔ تو کیا مشورہ دیتی ہے؟

مالتی۔ حضور اسپر سو روپیہ جرمانہ ہونا چاہیے۔

کمیدی۔ نہین یہ بڑی غریب ہے۔ اسلئے جو جرمانہ تمنے تجویز کیا ہے اسمین سے مین پچاس روپیہ اسکے لئے معاف کرتی ہون۔

پہلا نوکر۔ مہارانی آپ بڑی رحم دل ہین!

دوسرا نوکر۔ وہ کیسی خوش قسمت ہے مفت مین پچاس روپیے بچ گئے۔!

تیسرا نوکر۔ ہزار روپیہ جرمانہ تجویز کیجیے تو ساڑھے نو سو پچاس کی معافی ہوتی! آپ پچاس روپیہ کی معافی کیون سمجھتی ہین ساڑھے نو سو کی معافی کیجیے۔

چوتھا نوکر۔ اسقدر خیرات کا بار بہت ہی کم لوگ اُٹھا سکتے ہین!

کمیدی۔ تم مجھے اپنی رحمدلی پر شرمندہ کر رہی ہو۔ (نوکرانی سے) اب تم مقررہ طریقہ سے جا سکتی ہو رونا دھونا جو کچھ باقی رہا ہو اُسکو محل کے باہر جاکر خوب دل کھول کر رو دھو لینا۔

(مالتی نوکرانی کو اُلٹے پانون سلام کراتی ہوئی لیجاتی ہے)

(مالتی پھر واپس آتی ہے)

مالتی۔ رانی کلیانی در دولت پر حاضر ہے۔

کمیدی۔ کیا وہ اپنے ہاتھی پر چڑھکر آئی ہے؟

مالتی - نہین - پیادہ ہے اور گرد و غبار سے لت پت ہو رہی ہے -

کھیدی - کیا مجھے اُسے اندر آنے دینا چاہیے ؟

پہلا نوکر - آپ اِنھین مناسب فاصلہ پر بیٹھنے کا حکم دیجیے گا -

دوسرا نوکر - نہین اُسکو حضور کے پس پشت کھڑا کرنا چاہیے -

تیسرا نوکر - کیون نہ اُسکو یہ کہکر ٹال دیا جائے کہ حضور اسوقت تکان کے سبب آرام مین ہین -

کھیدی - مالتی !

مالتی - جو حکم حضور -

کھیدی - بتلاؤ کیا کرون ؟

مالتی - مین سمجھتی ہون کہ حضور کی کُرسی کے سوا باقی اور سب کرسیان اُٹھوا دی جائین -

کھیدی - تم بڑی ہوشیار ہو - میری ڈیڑھ سو باندیون کو دروازے سے باہر ایک صف مین کھڑی ہونے دو - شامتی - ! شاہی چتر میرے سر پر لگاؤ - مالتی !

مالتی - جو حکم حضور -

کھیدی - کیون - ٹھیک ہے نہ ؟

مالتی - کل انتظامات ایک تصویر خانہ کی طرح درست و مکمل معلوم ہوتے ہین -

کھیدی - اب رانی کلیانی کو میرے روبرو حاضر کرو -

(مالتی جاتی ہے اور کلیانی کے ساتھ واپس آتی ہے)

کلیانی - کہیئے مزاج بخیر -

کھیدی - میری خواہش تو خیریت سے ہی زندگی بسر کرنے کی ہے لیکن ساری دُنیا اِس بات کے درپے ہے کہ مجھے چین نصیب نہ ہو -

کلیانی - مین آپ سے تخلیہ مین باتین کرنا چاہتی ہون -

کھیدی - اس سے بڑھکر اور تخلیہ کیا ہو سکتا ہے ؟ یہ تو نوکر چاکر ہین - کیون نہ مالتی !

مالتی - بجا ارشاد - حضور -

کھیدی - کیا اِن کو باہر بھیجا جا سکتا ہے ؟

مالتی ۔ مجھے تو ایسا خیال کرتے ہوئے ایک غشی سی طاری ہوتی ہے !

کلیانی ۔ تب مجھے اپنا قصہ مختصراً بیان کر دینا چاہئے ۔ ہمارے پٹھان بادشاہ نے میری جاگیر مجھ سے چھین لی ہے ۔

کھیدی ۔ مذاق تو نہین کر رہی ہو ۔ وہ گانوں گوپال نگر ۔ کاسے گنج اور ۔

کلیانی ۔ وہ سب میرے ہاتھ سے نکل گئے ہین ۔

کھیدی ۔ افسوس ! لیکن کچھ نقد مال تو تمھارے پاس ہو ہی گا ؟

کلیانی ۔ اب ایک کوڑی باقی نہین بچی ۔

کھیدی ۔ کیا ! وہ زمرد کی مالا ۔ وہ عجیب وغریب موتی ۔ وہ جواہرات کی سات لڑوالی چین ۔

کلیانی ۔ اب کچھ باقی نہین رہا ۔

کھیدی ۔ شاستر بھی کہتے ہین ۔ کہ لکشمی کنول کے پھول پر پڑے ہوئے پانی کے قطرہ کی طرح چنچل ہے ۔ وہ تمھاری ہیرون کی جڑاؤ چھتری ۔ وہ سائبان والا تخت ! میرا خیال ؟ کہ وہ بھی اور چیزون کے ساتھ چلا گیا ہوگا ۔

کلیانی ۔ ہان ۔ اب کچھ باقی نہین رہا ۔

کھیدی ۔ یہ سخت عبرت انگیز واقعہ ہے اس سے سبق لینا چاہئے ۔ رشیون نے سچ کہا ہے کہ خوشحالی ایک خواب خوش آیند کی مانند ہے ۔ جو جاگنے پر آدمی کو اور بھی مردہ بنا دیتا ہے ۔ لیکن کیا اُنھون نے تمھارا محل تمھارے قبضے مین چھوڑا ہے ؟

کلیانی ۔ اب وہان سپاہی اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے ہین ۔

کھیدی ۔ یہ تو ایک پوری کہانی معلوم ہوتی ہے ۔ کل رانی ۔ اور آج بھکارنی ! ۔ کیون مالتی

مالتی ۔ بجا ارشاد ۔ حضور !

کھیدی ۔ کہو کیا کہتی ہو ۔

مالتی ۔ جو عرشِ برین پر چڑھ جاتے ہین وہ ضرور ہی ایکدن دھم سے زمین پر گرتے ہین

کلیانی ۔ اگر مجھے کچھ عرصہ کے لئے یہان پناہ ملجائے تو مین اپنی جاگیر اور مال و اسباب واپس لینے کی فکر کرون ۔

کمیدی - بدقسمتی سے میرا محل ان نوکرون سے بالکل بھرا ہوا ہے - کہین تل رکھنے کی جگہ نہین ہے - ہان اگر تمھارا جی چاہے تو مین اپنا کمرہ خالی کردون اور خود دیہات جاکر جیسے تیسے بنے زندگی بسر کرون -

پہلا نوکر - حضور یہ بالکل فضول ہے -

دوسرا نوکر - آپ کی جدائی کسی طرح گوارا نہین ہو سکتی - ہم سب اس غم مین مر ہی جائین گے -

کلیانی - مین تمھین کبھی اسقدر تکلیف نہین دے سکتی ہون ! اچھا مین اب رخصت ہوتی ہون -

کمیدی - آخر ایسی کیا جلدی ہے ؟ اگر تمھارے پاس کچھ جواہرات نیچے بچائے موجود ہون تو مجھے دیدو - مین ہمیشہ اُنھین سمبھال کر رکھونگی - اور تمھین انکے رکھ رکھاؤ کی کوئی زحمت نہ اٹھانا ہوگی -

کلیانی - مین کہہ چکی ہون کہ ایک کوڑی نہین بچی -

کمیدی - اُف بڑی دیر ہوگئی - اسقدر گفتگو کرنے سے میرے سر مین درد ہونے لگتا ہے - اور مین بے چین ہوجاتی ہون - اسوقت بھی کچھ درد سر معلوم ہو رہا ہے - (کلیانی چلی جاتی ہے) دیکھو احتیاط کے ساتھ میری کرسی - اور پانوٗن کے نیچے کا اسٹول سنبھالکر رکھ دینا - مالتی !

مالتی - جو حکم حضور -

کمیدی - تمھارا اس واقعہ کی بابت کیا خیال ہے -

مالتی - مجھے تو کوّے کو ہنس بنکر پھر کوّا بنتے ہوئے دیکھ کر ہنسی آتی ہے -

ایک نوکر - ایک عورت آپ سے شرف ملاقات کی خواستگار ہے - کیا مین اسے باہر نکال دون -

کمیدی - نہین اُسے میرے حضور حاضر کرو - مین آج بہت خوش ہون -

(عورت حاضر ہوتی ہے)

عورت - مین سخت مصیبت مین ہون -

کمیدی - آخر کوئی وجہ ہے کہ تم اپنی مصیبت کو دوسرون کے کندھون پر ڈال دو -

عورت - کل رات میرے گھر مین ڈاکہ پڑگیا -

کمیدی - پھر کیا تم مجھ سے ڈاکوٗن کا بدلہ لینا چاہتی ہو

عورت - نہین حضور - مین رحم کی خواستگار ہون -

کھیدی - خوب ! اپنے نقصان کیلئے تو رحم کی خواستگار ہو لیکن بھلا تمنے میرے اُس نقصان کا بھی خیال کیا ہے جو تم مجھسے دان لیکر مجھے پہونچانا چاہتی ہو

عورت - اگر آپ میری درخواست قبول نہین کر سکتی ہین تو مجھے کوئی ایسا ہی گھر بتا دیجئے جہان میری حاجت روائی ہو سکے -

کھیدی - تم کلیانی کے پاس چلی جاؤ - میرے نوکر یقین اُسکا گھر دکھلا دینگے -

عورت - اُسکے گھر سے مین خود واقف ہون اور اُسی کے پاس جاتی بھی ہون (اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہوئی) مین لکشمی ہون -

کھیدی - اگر تمکو یہان سے جانا ہی ہے تو مقررہ طریقہ سے واپس جاؤ - مالتی ! مالتی ! تارنی ! میری نوکرانیان کہان ہین ؟

(کلیانی آتی ہے)

کلیانی - پاگل تو نہین ہو گئی ہو - ابھی تک تو گھپ اندھیرا ہی ہے - اور تمنے سارے محلے کو سر پر اُٹھا لیا -

کھیدی - پرماتمن - ساری رات مجھے کیسے کیسے بُرے بُرے خواب دکھائی دیئے - اب اُنسے چھٹکارا پانا گویا نئی زندگی پانا ہے - ذرا ٹھہرئے - مجھے اپنے چرنون کی خاک اپنے سر مین لگانے دیجئے - آپ میری رانی ہین اور مین ہمیشہ کے لئے آپ کی داسی ہون -

پنڈت سری رام شرما بی اے، (آنرز)

مذہبی پیشواؤن نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ وہ ہر وقت خدا کا تذکرہ کرنے لگتے ہین، وہ اتنا نہین کرتے کہ وہ اپنے مریدین سے واقف ہونے تک صبر کرین، وہ اپنی جہالت کو آشکارا کرنے سے خوفزدہ ہوتے ہین، اور اسلیئے وہ ہر وقت عارف خدا کا بھیس بدلے رہتے ہین

ہندوستان ہفت اقلیم کا تاجا

ایشیا کے روحانی فاتح

یورپ مین سکندر اور نپولین دو فاتح تھے جنھون نے ایشیا مین اپنی فتوحات کا سکہ چلایا انگریزون نے اگر ایشیا پر قبضہ کیا تو فاتحانہ قابلیت کے اس معیار سے نہین جو سکندر و نپولین مین مانی جاتی ہے۔ نہ انکے کسی خاص شخص کے سر پر ان فتوحات کا سہرا باندھا جاسکتا ہے سکندر و نپولین کے مقابلہ مین اہل ایشیا چنگیز و تیمور و نادر و محمد فاتح کو پیش کرسکتے ہین جنمین دو نے یورپ کو بھی فتح کیا تھا۔

مگر یورپ مین روحانی فاتح کوئی نہین ہوا۔ ایسا فاتح جو ایشیا کے جمہوری دلون پر قبضہ کرسکتا البتہ ایشیا مین ایسے فاتح ہمیشہ ہوتے رہتے ہین جنکا اقتدار تمام یورپ کے عوام پر ہوتا ہے حضرت عیسیٰ ایشیائی تھے۔ اور یورپ و امریکہ کی تمام اقوام انکی حلقہ بگوش ہین۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی فتوحات روحانی اگرچہ یورپ کو ہمیشہ ناگوار رہین تاہم آج ان ملکون مین لاکھون آدمی انکے پیرو ہین۔

ہندوستان کے سری کرشن اور انکی گیتا کا قبضہ امریکہ اور یورپ کے دلون پر موجود ہے اگرچہ انگریز اپنی روحانی ناقابلیت کے سبب انکی چندان قدر نہین کرتے تاہم جرمنی اور امریکہ مین گیتا کے جھنڈے گڑے ہوئے ہین۔ مہاتما گوتم بدھ کا فلسفۂ روحانی تو یورپ مین حضرت عیسیٰ کی سے بھی بڑھکر مانا جاتا ہے۔ اور لاکھون آدمی بدھ کا تابعدار ہونے پر فخر کرتے ہین۔

سوامی ووِیکانند۔ سوامی رام تیرتھ۔ عبدالبہا عباس بابی۔ میرزا قادیانی کے خیالات کی مقبولیت یورپ و امریکہ مین ہوئی۔ بابی فرقہ تو بکثرت امریکہ مین پھیل گیا ہے۔ اور اہل اللہ کر سوامی صاحبان کے بھی لاکھون چیلے امریکہ مین موجود ہین۔

مہاتما گاندھی | اب آخر زمانہ مین ہمارا سن موہن داس گاندھی یورپ و امریکہ کا روحانی فاتح ہے اگرچہ انگریزون نے اسکے جسم کو پونہ کے قریب قید کر رکھا ہے لیکن اسکے روحانی خیالات یورپ و امریکہ خصوصاً برطانیہ کے جمہوریت پسند لوگون کو اپنا غلام بنا رہے ہین۔

انگریزون نے جب نپولین کو قید کرکے سینٹ ہلینا بھیجا اور اسکا جہاز انگلستان کے ساحلون کے قریب آیا تو جمہوریت پسند پبلک نے اسقدر پُر خروش خیر مقدم کیا کہ برٹش گورنمنٹ کو پریشان ہو کر انتظام پر غور کرنے پڑے کیونکہ نپولین کے جہاز کے گرد ہزارون کشتیان جمہوری انگریزون کی جمع ہو جاتی تھین اور گورنمنٹ کو خوف ہوتا تھا کہ وہ نپولین کو آزاد کرا لین گے۔

ایک روز جہاز کے ایک کم حیثیت نوکر سے نپولین نے کہا کہ آج شام کو تم میرے ساتھ کھانے مین شریک ہونا۔ اُسنے حسرت سے جواب دیا میرے پاس کپڑے نہین ہین اور انگریز افسر مجھکو کم حیثیت سمجھکر اپنے ساتھ نہ بیٹھنے دینگے کیونکہ انگریز کپڑون اور حیثیت کو دیکھا کرتے ہین۔ نپولین نے جواب دیا۔ اسمین تو انگریز افسرون کا نقصان ہے۔ خیر کچھ حرج نہین آج مین اپنے کمرہ مین کھانا کھاؤن گا تم وہان آجانا۔ مجھے تمھاری یہ بے حیثیتی بہت عزیز ہے۔ چنانچہ نپولین نے شام کو اُسے بلا کر اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ تمام جہاز کے ادنیٰ ملازم نپولین کے عاشق ہو گئے۔

مہاتما گاندھی کی قبولیت عام کا بھی یہی راز ہے۔ زور و قوت کا انجام شرم و ندامت ہے جیسا کہ آج انگریز نپولین کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا جب خیال کرتے ہین تو شرمندہ ہو جاتے ہین کیونکہ ہر آدمی کا ضمیر جمہوریت پسند ہوتا ہے۔ جب یہ زمانہ گزر جائیگا تو مہاتما گاندھی کے حالات بھی برٹش قوم کو شرمندہ کرین گے۔

مہاتما گاندھی ایشیا کے بہت بڑے فاتح ہین۔ اور انھون نے حریفون سے یہ کہلا دیا ہے کہ گاندھی مین حضرت عیسیٰ کے صفات موجود ہین۔

یہ ماننا پڑتا ہے کہ سیاسی اقتدار روحانی اقتدار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے مگر سیاسی اقتدار کی عمر کم ہوتی ہے اور روحانی اقتدار صدیون زندہ رہتا ہے۔ مہاتما گاندھی سیاسی اعتبار سے آجکل ایک معمولی قیدی ہین اور انکا روحانی اقتدار سیاست کی قوت سے مغلوب ہے

مگر سیاست کے بیرونی میدانون مین اُنکے عقائد فاتحانہ آگے بڑھ رہے ہین - اور کچھ عجب نہین اگر کسی دن انگلستان کے جمہوری میدان فتوحات سے مغلوب ہو جائین اور اقتدار پسند گورنمنٹ پر غالب آجائین -

بہرحال ایشیا کے روحانی فاتح یورپ و امریکہ پر ہمیشہ سے قابض ہین - اور ہر زمانہ مین ایک نہ ایک شخص ایسا پیدا ہوتا ہے جو از سر نو روحانی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے امریکہ نے ایڈسن پیدا کیا ہے جو ساری ایجادون کو پیٹنٹ کراتا ہے - مگر امریکہ نے ٹاسٹائی اور گاندھی پیدا نہین کیا جو روحانی خیالات کو فری رکھتا ہے -

ہم ایشیائی مادی چیزون کو خوب خریدتے ہین - مگر اس سے زیادہ روحانی اشیا کو خوب تقسیم کرتے ہین اور اُسکا معاوضہ نہین لیتے -

گاندھی اسکیم کا کچھ ہی حشر ہو لیکن اہمین کوئی شخص کلام نہین کر سکتا کہ گاندھی نے یورپ و امریکہ کو فتح کر لیا ہے - ایسا فتح کرنا کہ مال غنیمت کو ہاتھ نہین لگایا - ایک قطرہ خون کا نہین گرایا - اور کسی سلح کانفرنس کی ضرورت نہ پڑی -

گاندھی کی قید سے ہمارے دل کیسے ہی مغموم ہون مگر یہ واقعہ ہمکو تسلی دیتا رہتا ہے کہ چین و جاپان مصر و ایران عرب و ترکستان و روس ہی نہین بلکہ تمام یورپ و امریکہ گاندھی گاندھی کا کلمہ پڑھتا ہے تو کیا ہندوستان ہفت اقلیم کا تاجدار نہین بن گیا -

حسن نظامی

---

۵ - آزاد

آزادانہ خصلت کیلیے دماغی دلیری کی سخت ضرورت ہے - ہر شخص مین جو اپنے آپکو قابو مین رکھنا چاہے کافی جرأت ہونا چاہیے - یہ نہین کہ وہ دوسرون کی آواز اور سایہ بنکر رہے - اُسے اپنے ہی قولے اور خیالات سے کام لینا چاہیے - اپنی ہی رائے کا اظہار کرنا چاہیے اور اُنھین کے بموجب عمل کرنا چاہیے - کیونکہ جو لوگ خود کوئی رائے قائم کرنیکی جرأت نہین رکھتے وہ بزدل ہین - جو لوگ رائے قائم کرنا نہین چاہتے وہ کاہل ہین اور جو رائے قائم ہی نہین کر سکتے وہ بیوقوف ہین -

اسما منر

رینالڈز

انگریزی خوان طبقہ میں ایسے اصحاب معدودے چند ہونگے جو رینالڈز سے ناآشنا ہوں۔ یہ وہی رینالڈز ہے جسکی طلاقت لسانی نے ایک زمانہ میں تمام یورپ کو مسخر کر لیا تھا جسکے زور قلم سے انگلستان اور فرانس کے عیش پرست نواب کانپ اُٹھے تھے۔ جسکی سحر نگاری کی دھوم تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھی۔ جو اپنے زمانے کا نہ صرف ایک شہرۂ آفاق فسانہ نگار بلکہ ایک زبردست قوم پرست اور مشہور مدبر تھا۔!!

زندگی کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ روشن اور تاریک، رینالڈز برعکس دیگر مصنفین کے ہمیشہ تاریک رُخ پر خامہ فرسائی کرتا رہا۔ اُسنے دنیا کو انسانی عیوب اور ذمائم اس طرح کھول کھول کر دکھائے ہیں کہ اکثر اوقات اوس کا طرز تحریر بیحد شوخ بلکہ حیا سوز ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کی تصانیف کو مخرب اخلاق کہا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ دعویٰ کس حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس چیز کی نسبت وہ قلم اُٹھاتا ہے اُس کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ اور تقریباً اُس کے تمام ناولوں کے پلاٹ بیحد دلکش اور حیرت افزا ہیں۔

رینالڈز کا مسیحی نام جارج ولیم میکارتھر تھا۔ اُس کا باپ جارج رینالڈز افواج بحری میں پوسٹ کیپٹن کے عہدہ پہ سرفراز تھا۔ رینالڈز ۲۳ جولائی ۱۸۱۴ء کو بمقام سینڈوچ پیدا ہوا۔ ایش فورڈ کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد وہ رائل ملٹری کالج سینڈہرسٹ میں ۱۲ فروری ۱۸۳۰ء کو داخل ہوگیا۔ لیکن فوجی تعلیم اُسکے مذاق کے خلاف تھی۔ اس لیئے ۱۳ ستمبر ۱۸۳۰ء کو اُس نے کالج کو خیرباد کہکر یورپ کا سفر کیا۔ اس سفر میں اُسنے یورپین اور بالخصوص فرانسیسی علم ادب اور طرز معاشرت

مین اُسنے ایسی دسترس حاصل کی کہ اُسکا اثر اُس نے بحیثیت ناول نویس ادہ مہ ترجمہ ہو رہا۔ رینالڈز کا نظری رجحان ادب کی جانب تھا اور اُس کا سب سے پہلا ناول مسٹ یوتھ فل امپوسٹر دائرہ ترجمہ باپ کا قاتل) جذبات انگیز فسانہ نگاری کی اوّلین کوشش ہو۔ جو ۱۸۳۵ء مین شایع ہوکر مقبول خاص و عام ہوا اُس نے وکٹر ہگ اور دیگر مصنفین کی کتابون کا ترجمہ کرکے اپنے فرانسیسی اُستاد کو شاگردی کے جوہر دکھلائے۔ رینالڈز کو فرانسیسی ادب پر عبور حاصل تھا۔ اور فرانسیسی ادب اور ہم عصر مصنفین پر اُسکی تنقید ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے۔

۱۸۴۶ء مین رینالڈز "لندن جنرل" کا مدیر مقرر ہوا اور اُسی سال ۷۔ نومبر کو اُس نے ایک اور رسالہ موسومہ "رینالڈز میگزین" جاری کیا جسکا سرورق رینالڈز کی تصویر سے مزین ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے لیئے رینالڈز نے کثیر التعداد مسلسل قصے تحریر کیئے اسکی ہردلعزیزی اور مقبولیت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہو کہ یہ رسالہ بیس برس تک برابر جاری رہا۔ اور بالآخر خود رینالڈز نے دیگر امور کی کثرت سے مجبور ہوکر اُسکی اشاعت بند کردی۔ ۱۸۴۸ء سے اُس نے جذبات انگیز ناول لکھنا شروع کیئے جو باتصویر ہفتہ وار شایع ہوکر بکثرت فروخت ہوتے تھے۔ اور اُسکی مشہور ترین تصانیف "یعنی مسٹریز آف لندن" اور "مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن" ایک زمانہ تک ہفتہ وار شایع ہوتی رہین۔

۱۸۴۸ء سے رینالڈز نے میدان سیاسیات مین بھی قدم رکھ دیا تھا وہ کئی سال تک "دسپیچ" کے نکلنے "اخبار خارجی" کا مہتمم بھی رہا اُس نے اپنے مضامین مین جو اُس رسالے کے مضامین خصوصی ہوتے تھے کچھ ایسا لکھا ہو جس سے براعظم یورپ کی باغیانہ تحریکات سے کھلی ہوئی ہمدردی ٹپکتی ہے۔ ۱۸۴۸ء یا شروع ۱۸۴۸ء مین رینالڈز نے رسالے سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور پولیٹکل لیڈر بن بیٹھا۔ ۶۔ مارچ ۱۸۴۸ء کو ٹرافلگر اسکوائر مین ایک جلسہ منعقد ہونیوالا تھا جسکے انعقاد کی غرض وغایت یہ تھی کہ انکم ٹیکس کی منسوخی اور پیرس کے انقلاب پر موافقانہ رائین لی جائین۔ گورنمنٹ نے یہ جلسہ خلاف قانون قرار دیا اور عمال سلطنت نے جلسہ کے انعقاد کی ممانعت کردی۔ تاہم جلسہ منعقد ہوا اور حاضرین کی متفقہ آرا سے رینالڈز صدر بنایا گیا۔ افتتاحیہ تقریر کے بعد مذکورۂ بالا ریزولیوشن پیش ہوئے اور پاس کردیئے گئے۔ لوگون کے غول کے غول رینالڈز کے پہونچانے کے لیئے قیامگاہ تک آئے۔ جس کے

برآمدہ مین کھڑے ہو کر اُس نے پُرزور الفاظ مین اپنے جوشیلے معتقدین کو ایک مرتبہ پھر خطاب کیا۔ اب گویا رینالڈز قطعی طور پر فرقہ چارٹسٹ[1] کا حامی بنگیا۔ ۱۳ مارچ کو ایک اور اجتماع فرانسیسی باغیون سے اظہار ہمدردی کی غرض سے ہوا اور اُسمین بھی رینالڈز ہی کو صدر انجمن بنایا گیا۔ ۱۴ اپریل کو ڈربی کا نمایندہ بن کر مجلس شوریٰ اور تجاویز پیش کرنے مین اُسنے بہت کچھ سرگرمی ظاہر کی اور جلسہ کے دوسرے انعقاد پر اُسنے اپنی پُرجوش تقریر مین کہا کہ اب چارٹسٹ اور گورنمنٹ کے مابین کچھ بیت و لعل نہونا چاہیئے بلکہ جو کچھ کرنا ہو فوراً کر دیا جائے اور ملکۂ معظمہ کے حضور مین نیشنل میموریل رسائی کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے اُس نے یہ تحریک کی کہ اگر پارلیمنٹ ہماری عرضداشت کو نامنظور کردے تو ہمکو چاہیئے کہ ہم اپنی جماعت کو پارلیمنٹ اور اپنی اغراض کو ملکی قانون ہونیکا اعلان کر دین۔ ۱۸۴۸ء کے شروع موسم بہار مین رینالڈز نے شمالی انگلینڈ اور اسکاٹلینڈ مین بھی متعدد تقریرین کین چارٹسٹ سے اُس کا تعلق ۱۸۵۰ء تک رہا۔ بعد ازان اُس نے کنارہ کشی کر لی۔ وہ بہت آزاد خیال اور جمہوریت پسند مدبر تھا اور ملکی معاملات مین اُسکی رائے انتہا پسندون کی جانب ہوتی تھی

اُس کی عمر کے آخری سال بالتخصیص رسالہ نویسی ہی مین گزری اُسنے ایک اور رسالہ موسومہ "رینالڈز پولیٹکل انسٹرکٹر" نکالا اور تھوڑے ہی عرصہ مین اُسکی ہفتہ وار اشاعت تیس ہزار تک پہنچ گئی مگر ۱۸۵۰ء مین اُس نے اُسے بند کر دیا اور اُسکی جگہ ایک اور رسالہ موسومہ "رینالڈز ویکلی نیوز پیپر" جاری کیا جو پہلی مرتبہ ۴ پنیس فی پرچہ کے حساب سے ۵ مئی ۱۸۵۰ء یوم شنبہ کو شائع ہوا۔ یہ رسالہ قلیل عرصہ مین جمہوریت پسند طبقہ اور مزدوری پیشہ جماعت کا آرگن تسلیم کر لیا گیا۔ اس پرچے کو بہتر اور بہتر سے بہترین بنانے مین رینالڈز کی عمر کے آخری بیس برس گزر گئے اور صرف اسی رسالے کے کالمون کے ذریعہ سے پبلک تک اُسکی رسائی رہی۔ بالآخر ۱۷ جون ۱۸۷۹ء کو یہ مشہور مدبر و مصنف اپنی دارالاقامت واقع آیرن اسکوائر مین اس دنیائے دون سے رخصت ہوگیا۔ اُسکی تصانیف زیادہ تر مسلسل ہوتی تھین۔ اُردو مین اُس کی حسب ذیل کتابون کا ترجمہ ہوگیا ہے۔

---

[1] یہ ایک آزاد خیال اور جمہوریت پسند لوگون کی ایک منتخب جماعت تھی جو بغیر قوانین سلطنت اور بالخصوص آئین پارلیمنٹ مین اصلاحات اور تغیر و تبدل کا مطالبہ کرتی تھی ۱۲

انگریزی نام	اردو نام
(۱) مسٹریز آف لنڈن	فسانہ لندن
(۲) مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن	انگلستان کا پرستان
(۳) عمر پاشا	عمر پاشا
(۴) روز امبرٹ	روز امبرٹ
(۵) رابرٹ میکائر	قزاق
(۶) سیمسٹرس	
(۷) فاسٹ	دھوکا یا طلسمی فانوس
(۸) نیکرومینسر	ساحر یا جادوگر
(۹) میری پرائس	سرگزشت
(۱۰) کینن بری ہاؤس	راز و نیاز
(۱۱) لوزف آف دی حرم	حرم سرا
(۱۲) یوتھ فل امپوسٹر (پیری سانڈ)	باپ کا قاتل
(۱۳) سولجرس وائف	سپاہی کی دلہن
(۱۴) اسٹار آف منگریلیا	الہ دین دیلمی
(۱۵) مارگریٹ	مارگریٹ
(۱۶) ویگز و سیڈا	ویگز و سیڈا
(۱۷) پوپ جون	پوپ جون

محمد نسیم
تسکین قریشی سہسوانی

حال کی کتابین

پیغام آزادی

علمبرداران حریت کے پیشوائے اعظم لوکمانیہ تلک مہاراج کی بعض معرکۃ الآرا تقریرون کو اس کتاب مین جمع کرکے شایع کیا گیا ہے جسکے مؤلف و مترجم منشی رام رچھپال سنگھ صاحب شیدا جھرلسٹ اور شایع کنندہ لالہ جیت رائے پرتھوی راج ساہنی تاجران کتب لاہور ہین۔

چھوٹی تقطیع کے ۲۴۴ صفحات پر کتاب ختم ہوئی ہے۔ قیمت عہ

سرورق پر لوکمانیہ بال گنگادھر تلک کی آخری عمر کی ہاف ٹون تصویر بھی دی گئی ہے جسنے کتاب کی قدر و قیمت کو دوبالا کردیا ہے۔ آزادی ہند کی تاریخ مین لوکمانیہ تلک کا نام نامی ہمیشہ عزت کے ساتھ لیا جائیگا جو اس تحریک عظیم کے بانی تھے اور جنھون نے اپنے ہموطنون کو آزادی دلانے کی کوشش مین سخت تکلیفات برداشت کین اور اپنے لاثانی دل و دماغ کی بدولت ایسا مکمل نمونہ پیش کرگئے ہین جسکی تقلید اس ملک کے باشندون کو سیاسی نجات کی آخری منزل تک پہونچا سکتی ہے۔ اسمین شک نہین کہ ہر شخص کیلیے تلک ہونا محال ہے لیکن ہر شخص مرحوم کی حب الوطنی اور ایثار نفسی کی تقلید آسانی سے کرسکتا ہے۔ کتاب زیر تنقید مین ایک قابلانہ دیباچہ بھی درج ہے جسمین لوکمانیہ کے کیرکٹر یا ذاتی اوصاف پر عمدہ محاکمہ کیا گیا ہے۔ اسکے بعد لوکمانیہ کی تقریرین درج ہین اور سب کے آخر مین آپ کی مختصر سوانح عمری بھی درج کی گئی ہے۔ ساری کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے اور ہمکو امید ہے کہ اردو خوان پبلک اسکی واجبی قدر کرے گی۔

کلمات طیبات

اس کتاب مین حضرت علی علیہ السلام کے بعض اقوال مقدسہ کو مع ترجمہ شایع کیا گیا

ہے جو ادب واخلاق کی روح ہین - عربی مین اصل قول کو نقل کرنیکے بعد اُسکے نیچے عام فہم اُردو مین اُسکا ترجمہ درج ہے اور اسکے بالمقابل دوسرے صفحے پر انگریزی زبان مین ترجمہ دیا گیا ہے - ہر قول حکمت وفلسفہ کا گنجینہ ہے جسکے مطالعہ سے ہر قوم کے لوگ بصیرت حاصل کر سکتے ہین - کوئی شک نہین کہ اس قسم کی اعلی اخلاقی تعلیم کی خصوصاً زمانہ حال مین سخت ضرورت ہے - مبتدی ومنتہی دونون کو ان اقوال کا مطالعہ دنیاوی وروحانی فیوض اور سعادت دارین کا باعث ہے -

منشی شرف الدین احمد خان صاحب ہیڈ کلرک ہوم ڈپارٹمنٹ ریاست رامپور سے ایکروپیہ قیمت پر کتاب ہذا دستیاب ہوسکتی ہے جو پاکٹ سائز کے ۲۰۰ صفحات پر ختم ہوئی ہے -

خانہ داری

اُردو مین عورات کی تعلیم وتعلم کے لیے خاص طور پر کتابین لکھی گئی ہین اور لکھی جا رہی ہین جو عموماً مفید ثابت ہو رہی ہین - اسی قسم کی کتاب زیر بحث بھی ہے جسے محترمہ محمدی بیگم صاحبہ نے مرتب کیا ہے اور جسمین نوعمر عورتون کو خانہ داری کے متعلق مفید ہدایات درج کی گئی ہین - ۱۸+۲۲ تقطیع کے ۲۱۲ صفحات پر قیمت ۸/ دار الاشاعت لاہور سے طلب فرمائیے -

ثالث بالخیر

یہ ایک ترکی ناول کا ترجمہ ہے جسکے مصنف احمد حکمت اور مترجم سید سجاد حیدر بی اے (علیگ) ہین - ناول کا سین قسطنطنیہ مین ہے اور حسن وعشق کی نیرنگیان نہایت لطافت سے دکھائی گئی ہین - اسکے پڑھنے سے ترکون کے اخلاق ومعاشرت کا خاکہ نظر کے سامنے آجاتا ہے جو زیادہ تر یورپین تہذیب سے ملتا جلتا ہے - ناول اگرچہ مختصر ہے لیکن دلچسپی کے لحاظ سے کم نہین دار الاشاعت پنجاب لاہور سے ۸/ قیمت پر دستیاب ہوسکتا ہے -

اسکاوٹس کا گیت

ہم بھارت ماتا کی سیوا مین تن من دھن کو لگا دین گے
ہم کیسے جوان ہین بھارت کے یہ دنیا کو دکھلا دین گے

بھارت کی کرینگے غلامی ہم، ظالم کے نہین ہین حامی ہم
ہین امن و امان کے پیامی ہم، عالم سے نفاق مٹا دین گے

جب دنیا کو کچھ غم ہونگے، غمخوار جہان مین کم ہونگے
دکھ درد کے ساتھی ہم ہونگے، غم سارے جہان کا مٹا دین گے

امداد کی حاجت ہوگی گر، امداد کو جائین گے گھر گھر
تسکین اداسی مین دے کر ہم روتون کو بھی ہنسا دین گے

گر کام کوئی بھی راس نہو، اے لوگو! پھر بھی اُداس نہو
بے آس نہو، بے آس نہو، ہم بگڑے کام بنا دین گے

ہر دل مین کرین گے اپنا گھر، ہین ہم تو محبت کے پیکر
ہر کونے کونے مین جا کر، ہم پریم کے راگ سنا دین گے

دکھ مین بھی نہ رونے دینگے ہم، مایوس نہونے دین گے ہم
غفلت مین نہ سونے دینگے ہم، سوتون کو جا کے جگا دین گے

جب بیچ مین تمکو پائین گے، ہم بیچ بچانے آئین گے
پھر تمکو ہنسا کر جائین گے جب در پہ تمھارے صدا دین گے

ہم نفس کو اپنے مارین گے، ہم جوش دلون مین اُبھارین گے
جب جے بھارت کی پکارین گے اک شور جہان مین اٹھا دینگے

جب کوئی مسافر پائین گے، ہم اُسکے ناز اُٹھائین گے
سب گھر کے چین بھلائین گے، پردیس کو دیس بنا دین گے

کشتی جو بھنور مین پائین گے، طوفان کا جوش مٹا دین گے
ہم ڈوبین گے مر جائین گے، پر بیڑا پار لگا دین گے

ہم میرٹھ والون مین آکر، سیوا کا شوق دیا گھر گھر
کیا شکر ادا ہو اے افسر ہم ہتا جی کو دعا دین گے

حامد اللہ افسر

لہ مسٹر موہن سنگھ مہتا ایم، اے، ایل ایل بی سیوا سمتی اسکاوٹس الہ آباد سے مراد ہے۔

قاز

اے قاز!! او نغمۂ مجسم!!! او لحن سراپا!! مدت ہوئی کہ مین نے تجھکو دیکھا تھا، موسم سرما کی ایک خاموش رات مین، ماہتاب نورانی کی سنہری کرنون مین، تارون کی چھاؤن مین اڑتے ہوئے، گاتے ہوئے اور ساری دنیا کو طلسم تاثیر بناتے ہوئے، ہان!ہان!! مین نے تجھکو دیکھا، جبکہ تو اڑتی ہوئی آئی، تیری سہیلیان تیرے ساتھ تھین تو گاتی تھی اور وہ آواز ملاتی تھین۔ آہ! وہ آواز! وہ نغمۂ پیہم، وہ موسیقیٔ روح نواز!! کیا مین اسکو بھول گیا۔ نہین!! کیا مین اسکو فراموش کرسکتا ہون؟ ہرگز نہین!!!

تیری آواز مین "درد" تھا، وہ دل مین چبھ گیا وہ کلیجے مین اتر گیا اور آواز تو تیرے ساتھ چلی گئی۔ مگر وہ "درد" دل مین کھٹک کر رہ گیا۔ اور اسنے وہ احساس پیدا کیا جسکی لذت سے میرا دل ناآشنا تھا۔ اف کیسا ناآشنا!!!

اب یہی درد میرے دل کا سرمایہ قرار ہے یہی درد میری رفتار شاعری کا "مرکز خصوصی" ہے۔

تسکین دل حزین

(۱)
رونق افزائے جہان ہے جلوۂ حسن قمر — ذرہ ذرہ نور سے معمور آتا ہے نظر
چاندنی چھٹکی ہوئی ہے ہر در و دیوار پر — سچ بتا اے قاز تو اسوقت جاتی ہو کہان؟

(۲)
وہ! یہ ہنگام شب نیرنگ تسخیر سکوت — ساری دنیا بنگئی ہے ایک تعمیر سکوت
سربسر ہر چیز ہے مخمور تاثیر سکوت — ایک تو ہے صرف مصروف خرام دلستان

(۳)
بانو صحرا مین، انسان ہین مکانون مین خموش — نخل نخلستان مین گل ہین گلستانون مین خموش
مچھلیان دریا مین چڑیان آشیانون مین خموش — تو مگر ہے جادہ پیمائے فضائے آسمان

آگے آگے تو ہے، پیچھے ہمنوا ہین بیشمار (۴) اُڑتی جاتی ہین بصد تزئین قطار اندر قطار
تیرے منھ سے اسطرف آواز نکلی ایک بار اور اُدھر چیخون سے اُنکی گونج اُٹھا سارا جہان

کچھ عجب عالم ہے تیرے شہپر پرواز کا (۵) تو ہے یا تارا کوئی چرخ ستم پرواز کا
رنگ اُڑ جاتا ہے تجھکو دیکھکر شہباز کا تجھ سے شاید ایک دو ہاتھ اونچا ہوگا آسمان

سچ بتا تو اے حریفِ شوخیِ ذوقِ نظر!! (۶) چھاؤن مین تارونکی آخر کیون ہے سرگرم سفر
اُڑ کی آتی ہے کہان سے؟ اور جائیگی کدھر؟ تیرا رستہ کونسا ہے؟ تیری منزل ہے کہان؟

یہ سکوتِ شب مین ہر دم زمزمہ ریزی تری (۷) یہ صدا خیزی تری، یہ شور انگیزی تری
پوچھے مجھسے کوئی آواز کی تیزی تری آہ میرے دل مین یہ چبھتی ہے مانندِ سنان

اُڑنیوالی! سچ تو یہ ہے تو کسی کے غم مین ہے (۸) ایک دردِ خاص تیرے نغمۂ پیہم مین ہے
تیری چشمِ اشک افشان کی نمی شبنم مین ہے تیری آہِ آتشین ہے پردہ دارِ کہکشان!!!

تو بھی میرے ہی طرح سے آشیان برباد ہے (۹) تیرا دل بھی میرے ہی دل کی طرح ناشاد ہے
میرے مانند آہ تجھکو بھی کسی کی یاد ہے فرق اتنا ہے کہ مین ساکت ہون تو محوِ فغان!

اک ذرا دم بھر ٹھہر جا اے انیسِ دلنواز (۱۰) تجھسے کہنا ہے مجھے اپنے دلِ محزون کا راز
شاید ایسا ہو کہ تو بنجائے میری چارہ ساز تیرے ہاتھون شاید آسان ہون مری دشواریان

وہ ملے تجھکو تو کہدینا ارے فطرت پرست (۱۱) تا بکے صبر اے سراپا آرا ملک بند و بست
اب تو تسکین کو پلا دے جامِ صہبائے الست ہان دکھا دے روزنِ دل سے جمالِ بے نشان

محمد یٰسین تسکین (قریشی)

از انوپ شہر



بابو موتی لال گھوش مرحوم

چل دیا ملکِ عدم کو گھوش سا اہلِ کمال
موت کا آ ہی گیا افسوس، وقتِ ناگزیر

زندگی بھر جو رہا یکسر فدائے حریت
حیف بنجائے وہی دامِ قضا کا یوں اسیر!

تھا شبابِ قوم کا جس پر بہت کچھ انحصار
قوم کی صف سے بالآخر اُٹھ گیا وہ مردِ پیر

اے کہ تجھکو بیگمان ہر دلعزیزی تھی نصیب
اے کہ تیرا معتقد تھا ہر صغیر و ہر کبیر

تھا دلِ بیگانہ تک میں جاگزیں تیرا وقار
اہلیت کا تھا جبلت میں بھرا دیا خمیر

سادگی و صبر و استقلال و سنجیدہ روی
کتنے ہی اوصاف میں تھا آپ تو اپنی نظیر

قالبِ بیحس کو بھی کر دیتا تھا بامستِ کیف
تھا اگر سحر آفریں تیرا بیانِ دلپذیر

کسقدر چبھتا ہوا انداز تھا تحریر کا
بسکہ ہر ہر لفظ اُتر جاتا تھا دل میں بنکے تیر

نکتہ چیں تھا تو اسی سرکار کا جسمیں کہیں
جذبۂ احساسِ واجب کا نہیں عشرِ عشیر

کس تحمل سے اُٹھایا تو نے اے پاکیزہ نفس!
خدمتِ اہلِ وطن میں رنج و نقصانِ کثیر

جبکہ ہر دم قوم کو ہو مشورہ کی احتیاج
اے بچھڑے قوم سے یوں اُسکا اِک یکتا مشیر

رہبریِ قوم کی جب ہو ضرورت اسقدر
حیف ہے ہو جُدا مرحوم سا روشن ضمیر

اُٹھتے جاتے ہیں محبانِ وطن یوں ہی دریغ!
ہند کا کیا حال ہونے کو ہے اے ربِّ قدیر؟

ہیں ترقی پہ حکومت کی بھی خودمختاریاں
ملک میں ہر سو بپا ہے ایک شورِ دار و گیر

کرچکی ہے قوم اب آزاد ہو جانے کا قصد
سہ رہی ہے سختی بیحد بامیدِ اخیر

ہاں مدد کرے خدا ہم بیکسوں کی کیونکہ ہے
سب سے بڑھکر صرف تو ہی بیکسوں کا دستگیر!

اقبال ورما سحر

ادا

کیا ادا لفظون مین ہو - تیری ادا پیاری ادا!
خوبیان تیری بیان مجھ سے ہون کیا پیاری ادا

دلپذیر و دلفریب و دلکشا و دلفزا
دل پسند و دلنواز و دلفروز و دلربا

کس غضب کی داغ نے کھینچی تری تصویر ہی
شک نہین اسمین کہ سچی اُسکی یہ تحریر ہے

"سر سے پا تک اک ادا مستانہ ہر چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی"

اے سراپا ناز! تجھپر جان سے صدقے نیاز
مایۂ شوخی ہے تو - مجموعۂ انداز و ناز

تو ہمہ تن نازیا ہے مستِ جامِ دلبری
ہے بپا ایک اک ادا سے تیری سو آفتگری

اِک ادا اُسکی ہے - جو شانہ پہ کھولے زلف ہی
ہے اِک انداز اُسکا - آنکھین جسکی ہین ہمرنگ مے

ہان ذرا اُس صید حسن و عشق سے پوچھے کوئی
"وہ ادا ہی کونسی اُس شوخ کی جو بھا گئی؟"

کیا غضب اُس سونیوالے سیم تن کی ہی ادا
نیم باز آنکھین ہین سوتے وقت جسکی دلربا

اِک ادا وہ ہے کہ آغوشِ مسرت مین کوئی
شوخیان کرتا کبھی ہے اور مچلتا ہے کبھی

اک ادا وہ ہے جب اصلا ناز کا پردہ نہو
خود کہے وہ جان جان "لے جان جان کچھ تو کہو؟"

کس قیامت کی ادا ہے - قصۂ غم جب سُنا
کہدیا عاشق سے "جا - وحشت کے صحرا کو بسا"

پوچھی جب تاثیر آہِ نیم شب تو یہ کہا
"مین نے دیکھی ہے بہت معلوم ہے یہ ماجرا"

نرگسی چشم آہوے رم خوردہ جیسی دلنشین
کیا دکھاتی ہے ادا - ایسی نگاہِ شرمگین

ہے بہت دلچسپ ادا جو وقت خواب ناز ہی
نیم باز آنکھون کے ڈورون کا غضب انداز ہی

ہی سکوت انگیز خاموشی مین بھی طرفہ ادا
ہے حلاوت زیر لب مین بھی ادائے جانفزا

ہی غضب کالی بلا رخسار پر زلف سیاہ
اس بلا مین ہی ادا ایسی کہ خالق کی پناہ!

آنکھین ہی آنکھون مین جب پیمانِ الفت بندھ گیا
اِک ادا حسرت فزا تھی - اِک ادا حسرت ربا

بدر الزمان بدر کلکتہ

حضرت نظر کو پرسا

دنیا فانی ہے۔ ہر چیز بگڑنے کے لیے بنتی ہے، اور ہر ذی روح مرنے کیلیے پیدا ہوتا ہے، لیکن جب ہجوم آلام سے کام پڑتا ہے جب مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹ جاتا ہے۔ جب کوئی خاص عزیز ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جاتا ہے اور صبر و سکون کا پیمانہ چھلک جاتا ہے تو از یاد غم سے یہ کلیہ بھی فراموش ہو جاتا ہے کہ دنیا مین ہر شخص مرنے کیلیے پیدا ہوا ہے۔ سچ ہے کہ وہ عزیز ہستیان جنکا وجود ہمارے لیے سرمایۂ زندگی ہوتا ہے، جب ہمسے بچھڑ جاتی ہین تو زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔

آجکل ہمارے مکرم دوست جناب نظر اپنی اکلوتی دختر عزیز کے غم مین شکستہ خاطر ہین۔ آپ اپنے عنایت نامے مین اس صدمۂ جانکاہ کا ذکر فرماتے ہوے لکھتے ہین کہ "دنیا کاٹنے کھاتی ہے"۔ ہم جناب نظر کے اس رنج مین شریک ہین، اور اگر امکان ہوتا تو ہم موصوف کے رنج و غم کے دور کرنے مین کوئی امکانی کوشش نہ اٹھا رکھتے، مگر "غم راہ نہین کہ ساتھ دیجیے"۔ تاہم ہماری یہ دعا ہے کہ خدا جناب نظر کا اضطراب دور کرکے دلکو سکون بخشے اور مرحومہ کو اپنے دامن رحمت مین جگہ دے۔
(اڈیٹر)

مرگ دختر سے پریشان ہین نظر
جور افلاک سے نالان ہین نظر

ہے یہ نظارہ بہت یاس انگیز
صورت ابر جو گریان ہین نظر

سیکڑون قلب حزین پر ہین داغ
کسقدر سوختہ سامان ہین نظر

غم نواسون کا ہوا پھر تازہ
دیکھیے چاک گریبان ہین نظر

اُسپہ بیماری داماد کا رنج!
دور سے چرخ کے حیران ہین نظر

دل ہے اب عالم فانی سے اُچاٹ
کشتۂ گردش دوران ہین نظر

رنج مین انکے منور ہو شریک
تیرے اُستاد سخندان ہین نظر

[illegible]

خط کتابت

جنابمن، زمانہ ستمبر نمبر مین صـ۴۷ پر میری ایک کتاب کا ذکر ان الفاظ مین ہے -
"ہمارے صوبہ کے ایک نوجوان گریجویٹ کی ایک مشہور اور قابل قدر تصنیف کے خلاف بہت سے اسلامی اخبارات مین صدائے احتجاج بلند ہوئی" اور جاہلانہ غضبناکی کے عالم مین ایک اخبار نے لکھا تھا کہ مصنف موصوف نے کئی کرور بار اس کتاب مین کفر بکا ہے"

یہ چند سطرین متعدد غلطیون اور غلط بیانیون سے لبریز ہین جنکی تصحیح ضروری ہے -

(۱) فلسفہ اجتماع" کے متعلق "بہت سے اسلامی اخبارات" کے شورش کرنے کا علم مجھے نہین، ممکن ہے مضمون نگار کو ہو - میرے علم مین صرف دکن کے دو اخبارون نے یہ شورش برپا کی تھی، اور اسکی بنا بھی مذہبی نہین بلکہ سیاسی تھی -

(۲) "بہت سے اسلامی اخبارات" نے اسکی مخالفت کے بجائے اسپر مدحیہ ریویو لکھے تھے، اور جب یہ شورش شروع ہوئی" تو اُسکے جوابات بھی لکھے -

(۳) مصنف پر کئی کرور کفرون کے ارتکاب کا الزام "ایک اخبار" نے نہین بلکہ ایک مولوی صاحب نے لگایا تھا جو (خدا انکی مغفرت کرے) تکفیر مین خاص طور پر مشہور تھے - متعدد مستند علمار کی تحریرین اُنکے فتوے کے خلاف مصنف کی عدم تکفیر مین شایع ہوئین جنمین مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندوی، اور شمس العلمار مولانا عبد المجید فرنگی محلی اور مولانا شیر علی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہین -

عبد الماجد
مصنف فلسفۂ جذبات

اکبر مرحوم کے چند خطوط

احسن مارہروی کے نام

۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء مین حضرت لسان العصر ایک دو دن کے لیے اتفاقیہ رونق افروز مارہرہ ہوے تھے۔ اُس وقت سے احقر و اکبر مین تعارف ظاہری کے بعد خلوص باطنی و معنوی قائم ہوا اور پھر سلسلہ خط و کتابت اکثر جاری رہا۔ افسوس کہ جناب ممدوح کے اکثر والا نامجات ایسے نذر غفلت ہوگئے کہ اب اُنکا پتہ بھی نہین ملتا۔ ممکن ہے کہ تلاش کے بعد کچھ خطوط اور مل جائین۔ اسوقت چند تحریرین دستیاب ہوئی ہین جنکو ذخائر اہل زمانہ کیلیے پیش کرتا ہون۔ ان نوازش نامون سے مرحوم کی وسیع الاخلاقی۔ خورد نوازی۔ بالغ نظری قوت فیصلہ غرضکہ بہت سی مفید باتون کا سراغ چلے گا۔ اگر اسی طرح وہ تمام حضرات جنکو اُنسے خط و کتابت کا موقع ملا ہے ایسے خطوط شایع کرتے رہین تو یقیناً ایک اچھا ادبی۔ علمی۔ اور اخلاقی سرمایہ جمع ہوجائے گا۔

راقم۔ احسن مارہروی

خط نمبر ۱

میرے پیارے دوست۔ مین معذوری کے سبب سے نہ دیوان کیلیے انتخاب کرسکا۔ نہ نظر ثانی ہوئی۔ عشرت سلمہ نے اصرار سے بہ صرف کثیر چھپوایا اور اوسکے مصارف کیلیے یہ التزام کرنا پڑا کہ احباب بھی اسمین شریک ہون۔ عشرت نے ایک شخص کو مہتمم مقرر کردیا ہے۔ مین کچھ نگرانی نہین کرسکتا نہ مراسلت۔ چونکہ بہ قیمت کی اجازت تھی مین نے عنایت نامہ منشی عظمت علی کو بھجوا دیا ہے وہ ویلیو روانہ کرینگے۔ مین خیال کرتا ہون کہ بعض اشعار خارج شدہ درج ہوگئے ہین

عشرت بھی اخیر مین چلے گئے تھے - نا فہمون نے کام کیا - بہرکیف امید ہے کہ عیوب سے چشم پوشی فرمایئے ہنر کی داد دیجیے شرکت چندہ سے آپ کی ذمہ داری کم نہین ہوئی - اڈیشن انشا اللہ دسمبر مین ہوگا -

اکبر الہ آباد ۱۰ ۳/۹ ء

خط نمبر ۲

پیارے عنایت فرما - باوجود اُسکے جو مین نے لکھا تھا آپ سے قیمت لینا گوارا نہ ہوا - حسب حساب عشرت کو اپنی طرف سے مطمئن کرکے زرقیمت آپکا واپس ہے - اور قدردانی کی شکرگزاری مزید برآن - کتاب کو ایک پرائویٹ تحفۂ محقر سمجھیے -

آپکا نیاز مند اکبر ۱۹ ۹/۴ ء الہ آباد

خط نمبر ۳

مکرم من - نامۂ محبت کا نہایت شکرگزار ہوا - بغیر عینک نوشت وخواند سے معذور ہون اور عینک ہنوز تجویز نہین ہوئی - مرکز نگاہ قائم ہونے کے لیے ڈاکٹر نے دو مہینے کی میعاد مقرر کی تھی - ۲۷ - فروری کو اسی غرض سے پھر کلکتہ جانیوالا ہون - آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے خدا کرے کوئی موقع ملے - سب دوستون اور عزیزون کی خدمت مین سلام وشوق -

نیاز مند اکبر حسین بقلم عظمت علی - الہ آباد عشرت منزل ۲۰ء

خط نمبر ۴

مکرمی جناب شاہ صاحب - آپ نے مثل سنی ہوگی "بر گرش گیرتا بہ تپ راضی شود" آپنے اصلاح سخن ماہ اگست مین حضرت رنجور کا آرٹکل تمباکو کے املا پر ملاحظہ فرمایا ہوگا - انھون نے تو دڑبا ہی پھونک دیا اور کہدیا کہ صرف ملفوظ کو صورت مکتوب مین آنا چاہیے عرب کے اتباع مین پنبہ - دنبہ - شنبہ وغیرہ لکھنا شروع کیا - اب ایرانی اپنی غلطی پر متنبہ ہو ہین اور آمدہ - تمباک لکھنا شروع کردیا ہے لہذا ہملوگ کیون لکیر کے فقیر بنے رہین چلئے فراغت ہوئی شمیہ لکھیے جائز بلکہ صحیح متصور ہوگا - کیا آپ یہ بے اصولی پسند فرماتے ہین مین تو خیال کرتا ہون کوئی بہی خواہ اُردو نہ پسند کرے گا - یہ تو مخالفین اُردو کا عین منشا ہے کہ فیہ - املا شکست ہو جائے - آگے چلکر اسی دلیل سے بدر دین اور ساہب الی ہٰذا لکھ سکین گے

پرانی لکیر کے فقیر کیون رہین یہ نیچریون نے بھی مذہب کی نسبت یہی کہا ہے ۔مولوی رنجور صاحب
کا استدلال بالکل غلط ہے بلکہ بلاثبوت و بلا دلیل اُنھون نے جسارت و جیرز کی ہے ۔ اب آپ کی
تحریر کی قدر ہوتی ہے یعنی آپنے یہ لکھا تھا کہ فارسی پہلو سے ہم تنباکو قائم رکھیں گے اور ہندی
پہلو سے تمباکو ۔ آپنے فارسی کی عزت اور قاعدے کی پابندی قائم رکھی ہے ۔مین نہین جانتا
حضرت رنجور کو املا مین رفارمر کی کیون ضرورت ہوئی اور کس استحقاق سے ۔جو لوگ تمباکو لکھتے
ہین ہرگز اُنکا یہ مطلب نہین ہے کہ فارسی املا کے اصول کو غلط او منسوخ سمجھین بلکہ انھون نے
اسکو ہندی لٹریچر کا لفظ تصور کیا ہے ۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ حضرت رنجور تانبے سے تنبا کو ملاتے
ہین اور یہ نہین دیکھتے کہ تانبے مین ن موجود اور قائم ہے تو تنباکو مین کیون نہو کیا ہم تانبے کو
تاما لکھ سکتے ہین اور کیا یہ اُردو صحیح ہوگی اور اگر تامے سے نسبت دین تو تماکو ہوگا ۔ ب کہان
سے آئے گی ۔ آپنے جو اپنی تحریر مین اقساط ملحوظ رکھے تھے یقیناً اُسکا سبب یہ ہے کہ آپ ماہر فن
ہین فارسی لٹریچر پیش نظر ہے اور عمدہ شاعر ہین ۔مولوی رنجور صاحب کا معاملہ تو وہی ہے کہ
شعر مرا بمدرسہ کہ برد ۔ مین تو کوئی صاحب رسالہ نہین ہون ل چاہتا ہی کہ ازخود بلا استفسار کچھ لکھون ۔
نہ وہ حلاوتِ زندگانی باقی ہے نہ وہ سوسائٹی ۔ لیکن خوش ہونگا کہ آپ کچھ ریمارک کرین یا کچھ
مفصل ۔ بشرطیکہ آپ کو رنجور سے اختلاف ہو ۔ تذمی تو بہت ہین لیکن آپ اُن چند اشخاص مین
سے ہین جنکو عملی توجہ ہے اور جنکے قلم مین زور ہے اور طالب العلمانہ مذاق رکھتے ہین ۔ مین بھی
ہر وقت سیکھنے کو تیار ہون کیونکہ نامعلوم بہ نسبت معلوم کے بہت زیادہ ہے ۔ اپنی خیریت سے
بھی مطلع فرمایئے ۔ نیازمند اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۶ء

خط نمبر ۵

مکرمی ۔ علالت اور دیگر ترددات کے سبب سے عنایت نامے کا جواب ہنوز نہ لکھ سکا تھا
یاد آوری کا ممنون ہوا ۔ آپ الہ آباد تشریف لائے تھے اور غریب خانے پر قدم رنجہ بھی فرمایا تھا
افسوس کہ مین باہر جارہا تھا محروم رہا اور آپنے تشریف آوری کا وعدہ پورا نہ کیا حسرت رہ گئی

---

۱ اس مضمون کا سلسلہ کئی مہینون تک جاری رہا افسوس کہ وہ سب خطوط اس وقت مل نہ سکے ۔ رسالہ اصلاح سخن لاہور مین
شمس العلما رنجور عظیم آبادی کی تحریر دیکھکر یہ خط لکھا گیا اسکے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا ۔ دیکھیے کس انداز سے اختلاف کیا ۔

آپ کا ذوق تحقیق زبان اور آپ کا عالمانہ اور شاعرانہ مذاق نہایت قابل قدر ہے مطبع کا بل ہنوز غیر موذی ہے۔ گھر سے دوا نہیں کیا جاتا۔ مولوی محمد نوح صاحب نے بھی ویلیو منگایا ہے اب جیسا ارشاد ہو۔ معلوم نہیں آپ کا پرچہ جاری ہے یا نہیں اسمیں ذکر تو کر دیجیے کہ حصہ دوم طیار ہے قیمت ۸؍ بس سر دست یہی کافی ہوگا۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء۔ الہ آباد۔

خط نمبر ۶

مکرمی۔ آپ کی قدر افزائی اور اس سے زیادہ خلوص عنایت ومحبت کا شکر گزار ہوں۔ خلاف قاعدۂ مقررہ ہے لیکن کتاب ہدیۃً پیش کرتا ہوں ولانے کو ارادہ کیا کہ ویلیو بھیجوں۔ ہاں اشاعت کا خیال ہے لیکن کچھ زحمت ضروری نہیں۔ بنظر اصلاح ملاحظہ ہو۔ ایک آدھ جگہ غلط العام لفظ داخل ہوگئے ہیں۔ مثلاً قریب المرگ۔ ال بیشک خلاف قاعدہ ہے لیکن جزو زبان ہوگیا ہے۔ ڈوٹ خواہوں نے پریشان کر رکھا ہے گوشہ عزلت وقناعت میں بھی جان نہیں بچتی عجیب زمانہ ہے۔ خدا ہلوگوں پر رحم کرے۔ فساد واختلاف کی بناؤں کا نام ترقی رکھا گیا ہے۔ رسید کتاب سے مطلع فرمایئے اور اپنی خیریت مزاج سے۔ اکبر حسین الہ آباد۔ ۶ نومبر ۱۹۱۲ء

خط نمبر ۷

مکرمی۔ میں اسی سبب سے آپ کی بہت وقعت کرتا ہوں کہ آپ کا مذاق طالب العلمانہ ہے آپ اردو زبان کے خیر طلب ہیں اور کتنے ہی اعتراض آپ پر ہوں بُرا نہیں مانتے۔ اور آپ کے اعتراضات اگر صحیح نہ ثابت ہوں یا تسلیم نہ کیے جائیں جب بھی آپ کی خوشدلی قائم رہتی ہے اور آیندہ اظہار رائے میں آپ کو تامل نہیں ہوتا۔ میں نے اس بات کی مدح نوح صاحب سے بھی کی ہے اور اکثر ذکر کیا ہے۔ اور اگر کوئی انجمن اردو زبان کے لیے قائم ہو تو آپ کو اسکے اعلیٰ ارکان میں تجویز کرنے کو طیار ہوں کیونکہ جس صفت کا میں نے ذکر کیا وہ کم پائی جاتی ہے۔ شاید مجھ میں وہ صفت مفقود ہے یعنی کم سے کم یہ کہ مباحثہ سے بچتا ہوں

لہ حضرت اکبر نے اپنی تحریر میں لفظ گزار ذال معجمہ سے لکھا ہے اور یہ انکی مشرقی تعلیم کا اثر ہے۔ ورنہ درحقیقت کاف فارسی کے ساتھ ذال معجمہ کا جوڑ ٹھیک نہیں۔ مرزا غالب وغیرہ اسکے متعلق بہت کچھ لکھ گئے ہیں بالآخر زمانے تو ترمیم شدہ املا پر

آپ کا خیریت نامہ پہونچا جو خدشہ آپ کو گزرا در حقیقت اسکی ذمہ داری آپ پر نہین علم عروض کے اکثر مدونون کی کوتاہ قلمی ہے کبھی ملیے گا اور آپ کا جی چاہے گا تو کچھ تفصیل اسکی کرونگا فن عروض شعرا کی طبع موزون کا (جو ایک نیچرل چیز ہے) تابع ہے۔ شعرا کی طبع موزون اسکی تابع نہین ہے پہلے شعر کہے گئے ہین بعد اسکے عروض کی تدوین ہوئی ہے۔ اس مختصر مارک سے زیادہ گنجایش کارڈ مین نہین ہے۔

خط نمبر ۸

مکرمی دام مجدکم۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت دریافت نہین ہوئی۔ میری مصیبت کا حال تو اخبارون سے معلوم ہوا ہوگا۔ ہاشم مرحوم ۱۴ سال کی عمر مین دنیا سے اُٹھ گیا تھوڑا سا دنیاوی تعلق اُسی کے دم سے تھا وہ جاتا رہا زندگی بار ہے لیکن کیا کرون۔ آج اتفاقاً ڈاک بھی سامنے آگئی اور آپکا نام نامی نظر آیا دل مین آپکی یاد تازہ ہوگئی۔ لہذا بہ دریافت خیریت نیاز نامہ لکھتا ہون اگر کچھ اشعار تازہ ہون تو عنایت فرمایئے لیکن حسرت و عبرت کے ہون۔

نیازمند۔ اکبر۔ الہ آباد۔ یکم فروری ۱۹۱۶ء

خط نمبر ۹

برادرم سلمہ اللہ تعالی۔ اچھا نہ تھا جواب نہ لکھ سکا اب بھی علیل ہون ضعف آلام ترددات کیا کہون کیا گزرتی ہے سخن سے بھی بیگانگی ہوتی جاتی ہے۔ زمانہ اور ہے اور پھر یہ بھی کہ میرا زمانہ ہو چکا۔ مین تو آپکو موجودہ شعرا مین ممتاز سمجھتا ہون۔ آپ زبان کے حامی ہین اور دعوی شاعری کے مستحق۔ اگرچہ طرح اچھی نہ تھی لیکن آپکے رنگ کی جھلک اشعار مین ہے "مین قید رہونگا تو وہ آزاد رہیگی"[1]۔ اس خیال کی داد دیتا ہون زیادہ تر اس بات کی کہ کتنے تھوڑے لفظ مصرع اولی کے لیے تھے آپنے استادانہ طور پر اظہار خیال کرہی دیا مرحبا ؎ اسرار عاشقان را باید زبان دیگر ✤ دردا کہ نیست پیدا در شہر ہمزبانے ✤ (جامی) مین کیا کہون کہ حاضر ہو سکونگا۔ زندگی بار ہے دل پریشان ہے بہ کیف زندہ رہا تو دیکھا جائیگا

دعا گو اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۶ جون ۱۹۱۵ء

---

[1] پورا شعر ہے ؎ گھٹ کر نہ طبیعت مری صیاد رہیگی ✤ مین قید رہونگا تو وہ آزاد رہے گی ✤ غزل ایک مشاعرہ مارہرہ مین کہی گئی تھی جسمین حضرت مضطر خیر آبادی بھی شریک ہوئے تھے (احسن)

ہماری سوشل خامیان اور خام خیالیان

ستمبر ۱۹۲۲ء کے رسالۂ زمانہ مین "ہماری سوشل خامیان" کے عنوان سے ایک دلچسپ اور قابل غور مضمون شایع ہوا ہے۔ صاحب مضمون کا دردمند دل زمانے کی موجودہ تحریک آزادی سے مکمل طور پر مستفید ہونے کیلیے بیقرار ہے اور اپنے تئین اُن تمام نقائص سے پاک کرنے کا خواہشمند جو اُنکے خیال مین حصول آزادی کیلیے سد راہ مین۔ دنیا مین ہر جگہ حکومت بیگانہ سے آزاد ہونے کی خواہش موجزن ہی مگر آنجناب اسکو کافی نہین سمجھتے اور یقین رکھتے ہین کہ دیگر تمام قیود جنکا دور کرنا انسان کے اپنے بس مین ہے نابود کرنیکے بعد حکومت بیگانہ سے آزادی اور ڈیماکریسی یعنی جمہوریت کی مکمل اور مفید صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس یقین کا آپ کے دل پر اسقدر تصرف ہے کہ ہر قسم کی پابندیان جو مختلف اقوام نے اپنے اوپر عاید کر رکھی ہین آپ کو نازیبا معلوم ہوتی ہین اور قید کی قسم سے شاید قید حیات کے سوا اور کوئی پابندی نہین جسکا نابود ہونا آپکا منتہاے آرزو نہو۔ ابتدا مین آپ کا روے سخن تمام اقوام کی جانب ہے مگر تفصیل کے وقت صرف اہل اسلام کی قیود اور پابندیون کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مضمون مسلمان ہین۔

مسٹر یاز اور ست فرماتے ہین کہ یورپ اور امریکا کی جمہوریت دولت پرستی اور مادیت کی وجہ سے حقیقی ڈیماکریسی ہونے سے دور ہے اور وہان کہنے کو جمہور کی حکومت اور حقیقت مین دولت کی حکومت ہے۔ بیشک یہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا سودخواری کے مرض کا جسکی ممانعت اسلام کا مایۂ ناز ہے۔ سودخواری کی منحوس خواہش تمام ملک کی دولت کو چند پیسون کے لالچ سے چند مرکزون یعنی بینکون مین جمع کر دیتی ہے اور تمام آبادی کی کمائی چند عیار دولتمندون کے قبضہ مین آجاتی ہے جس سے تجارت کے اتنے بڑے بڑے کارخانے جاری کیے جاتے ہین جنکا مقابلہ انفرادی کوششون سے ناممکن ہوتا ہے۔ مفلسون کی تعداد بیشمار ہوجاتی ہے اور دولت

نہایت محدود جماعت کے تصرف مین آجاتی ہے۔ انھین کو پولیٹکل اقتدار نصیب ہوتا ہے اور وہی عوام کے نام سے تمام شاہی اختیارات پر قابض ہوتے ہین مسٹر یانہ ایسی حکومت کو بجا طور پر ناقص کہتے ہین اور اپنی قوم کو اس سے اعلی او رمکمل ڈیماکریسی حاصل کرنیکی ترغیب دیتے ہوے انکی خامیاں گنواتے ہین۔ اس ضمن مین اسلامیون کے جن بیجا تعصبات کا ذکر کرتے ہین انکی قباحت اور انکو دور کرنے کی کوشش برمحل ہے مگر دشواری یہ ہے کہ آنجناب اس کوشش مین بہت دور نکل گئے ہین اور نقائص کو وسعت دیتے ہوے مذہبی پابندی اور احکام مذہب کی بجا آوری کو بھی بڑی دور تک نقائص مین داخل کرنے کا میلان رکھتے ہین

مذہب کو خیرباد کہنے کی خواہش قابل تعجب نہین۔ ہر زمانے مین چند ہستیان ضرور ایسی ہوا کرتی ہین جنکو مذہب مین کوئی خوبی نظر نہین آتی۔ اور چونکہ مذہب عقل کی پیدائش نہین جذبۂ فطری کا نتیجہ ہے اسلیے محض عقل پر بنیاد رکھنے والون اور جذبۂ فطرت سے بے بہرہ رہنے والون پر کوئی کوشش کارگر نہین ہوسکتی اور دوسری جانب فطری کشش رکھنے والون پر عقلی بحث وتکرار کا جادو ہرچند خاموش کردینے کا اثر رکھتا ہو دل مین جگہ پانے کے قابل نہین ہوتا۔ اسلیے نہ ایسی ہستیون کو اُنکے راستہ سے روگردان کرنا ممکن ہوتا ہے نہ اُنکے وجود سے حامیان مذہب کو نقصان پہونچ سکتا ہے۔ مگر ہمارے مضمون نگار کا مسلک جداگانہ ہے وہ بفضل خدا روحانیت سے بالکل بیزار نہین ہین اور تسلیم کرتے ہین کہ

"یورپ نے مادیت کے سامنے سر تسلیم خم کرکے روحانیت کو ٹھکرایا نتیجہ دولت پرستی کی صورت مین ظاہر ہوا۔ ہمنے روحانیت کو اپنا قبلۂ عمل ٹھہرایا نتیجہ مذہب پرستی۔ اجداد پرستی اور قدامت پرستی ہوا"

"زہر دشمن کے ہاتھ سے کھایا نہین جاتا، مہربان طبیعت ہی زہر دے تو آدمی کھا سکتا ہے اور زہر و نوشدارو کی تمیز بھی دوا ساز ہی کرسکتا ہے ناواقف نہ نوشدارو کو پہچانتا ہے نہ زہر کو" مذہب کی طرف سے بدگمانی پیدا کرنے مین کامیاب ہوسکتے ہین تو وہی لوگ جو روحانیت سے شناسا ہونیکے مدعی ہون اور مذہب کی طرف سے اپیل بھی ہوسکتی ہے تو اُنھین لوگون سے جو روحانیت سے منکر نہون ہمارے مہربان کے مذکورہ بالا فقرے نے اُکسایا کہ آپ سے اور آپکے

ہمخیالوں سے اپنے مدعا کا ذکر کیا جائے۔ ممکن ہے کہ شنوائی ہو۔

یورپ کی جمہوریت روحانیت کو ٹھکرانے سے ناکام رہی اور مذہب پرستی کی وجہ سے ہمارے ناکام رہنے کا یقین ہے تو راہ راست دکھانے والوں کو چاہیئے تھا کہ پہلے کوئی رستہ دکھاتے جو روحانیت اور مادیت کے بین بین ہو اور جسقدر روحانیت قائم رہنی چاہیئے اور جسقدر مادیت میں ترقی کرنا ضرور ہو اسکی تحدید و تعریف کی جاتی۔ پھر اس معیار تک پہونچنے کیلیے جن شروط و لوازم کی ضرورت ہے اور جس پرہیز و اجتناب کی حاجت۔ اسکا ذکر ہوتا اور ثابت کیا جاتا کہ معیار مقررہ اسی تدبیر و احتیاط سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ صرف چند نقائص کا ذکر ہوا ہے جنکو دور کرنا آنجناب کے نزدیک آزادی حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

اول تو جن نقائص کو دور کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے اکثر و بیشتر وہی ہیں جنکو یورپ والوں نے متروک قرار دیا ہے اور جنکو ترک کرنے سے وہ روحانیت سے عاری اور مادیت پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اگر ہم بھی اسی مسلک کو جاری رکھیں اور کوئی حد ٹھہر جانے کی مقرر نہ کریں تو نتیجہ وہی پیدا ہوگا جسکو امریکا اور یورپ میں تجربہ سے ناکام سمجھا گیا ہے۔

دوئم جس اصل الاصول پر کاربند ہونے کی قباحت ہم میں دیکھی گئی ہے اسکی جڑ مع کئی طرح کے برگ و بار کے خود یورپ و امریکا میں قائم ہے۔ اگر ہم خاک پائے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرمہ چشم سمجھنے اور آنحضرت کو رسول مانکر آپ کی اطاعت کو باعث رضائے خداوندی سمجھنے کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہاں کے لوگ مسیح ناصری (علیہ السلام) کو خود خدائے قدیر و خبیر جانتے اور انکے غلاموں تک کو (یعنی پاپایان روم اور مقدس پادریوں کو) تقسیم بہشت و دوزخ کا مختار عام سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اقوال پیغمبر کو حرز جان بنانیکے علاوہ خود قرآن شریف کے اپنے اصلی حالت میں موجود رکھنے کا جرم کرتے ہیں اور اس بارہ میں ہماری انفرادی کوششیں برسرکار ہیں تو وہاں الہامی کتاب کو عظیم الشان قومی اور شاہی سرمایوں سے قائم رکھنے اور اشاعت دینے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جب درخت مذہب کے سر بفلک اور بار آور ہونیکے باوجود انکی ترقی نے روحانیت کو ٹھکرا دیا تو اگر ہم اپنے نسبتہً نوخیز پودے کو جڑ سے اکھیڑ ڈالنے کی نصیحت مشفقانہ پر عمل کریں اور رسول کریم کا نام بھول جائیں۔ قرآن کریم کو دریا برد کر دیں تو کیا

ضمانت ہے اس امر کی کہ ہم روحانیت کو جسقدر مطلوب ہے قائم رکھ سکین گے اور اپنے ناصح مشفق کی خواہش کے مطابق روح اور مادہ کی سموئی ہوئی ترقی حاصل کرینگے۔

یہ اُصولی فروگذاشتین ہین جنکے بغیر مضمون نامکمل رہگیا ہے اب ہم اُن قیود کو دیکھتے ہین جنکو مذہب اور بالخصوص اسلام کا ثمر سمجھا گیا ہے اور جو مسلمانون مین اسلیے موجود ہین کہ

"قرآن شریف کے اپنی اصلی حالت مین موجود ہونے سے اس سلمان کے واسطے جو گذشتہ و موجودہ کو منسلک کرے کوئی ایسا چور دروازہ نہین جس سے وہ مذہب کو ہاتھ مین لیکر اسمین ضروری تغیرات بھی پیدا کردے"

ہمین غور کرنے کی اجازت دی جائے کہ آیا مفروضہ قباحتین اسلام نے پیدا کی ہین اور کیا قرآن و حدیث کا احترام قائم رکھتے ہوے ان قباحتون کو اگر وہ واقع مین سد راہ ہین تو دور کرنے کی کوئی سبیل نظر نہین آتی ؟

مفروضہ قیود اور پابندیون مین غور کرتے وقت سب سے زیادہ وہ مشہور عالم اور دیرینہ طعنہ کا کانٹا کھٹکتا ہے جسکو ہمارے مہربان تاریخ اسلام کے "تاریک ابواب" سے نامزد کرتے ہین "جو خون کی تحریر سے لکھے جا چکے ہین" اور اگر اسلام خطۂ دنیا مین موجود نہوتا تو حروف زرین اوراق نورانی مین لکھے ہوئے ہوتے" یعنی مذہب کے نام سے کشت و خون ہوتے رہے ہین اور مذہب کی آڑ مین تازہ انکشافون اور صداقتون سے انکار کیا جاتا رہا ہے اور اسکے خلاف اگر اسلام قیامت تک کے واسطے بھیجا جاتا تو اسمین صاف تصریح ہونی چاہیے تھی کہ جس صداقت کا انکشاف ہو اُسکے آگے سر تسلیم خم کرو" ہم دیکھتے ہین کہ ایک طرف تلوار اُٹھانے کے صحیح اور ضروری موقعون کو اور کفر و الحاد کی بجا اور مناسب تردید کو اسلام کے مہربانون نے غلط فہمی سے یا دانستہ طعن و انکار کا نشانہ بنا رکھا ہے اور جبراً مسلمان بنانے اور مسلمانون پر کفر کا فتوی دینے کا الزام اس بلند آہنگی سے قائم کیا جاتا رہا ہے کہ گل کے خندۂ پیہم سے بلبل کو بھی اپنے فریاد و بکا کے بے اثر ہونے کا شبہہ پیدا ہونے لگا ہے۔ دوسری طرف اسمین بھی شک نہین کہ اکثر اوقات خود غرض اور ناپاک طبیعتون نے جہاد کے نام سے ملک گیری کے ہوس کو پورا کرنے اور مذہب کے نام سے نزاع و عناد کی آگ بھڑکانے مین دریغ نہین کیا مگر کیا کوئی انصاف پسند فرض مذہب

کی واقعی اور سچی تعلیم مین ناواجب کشت و خون اور بیجا نزاع و فساد کا نشان دکھا سکتا ہے؟
اور کیا بہانہ جو اور عیار طبیعتون کی کارستانی سے بارگاہ عدالت مین راستی اور صداقت کے
علمبرداروں پر فرد جرم لگائی جا سکتی ہے۔ دنیا مین جسقدر مقدمات دائر ہوتے ہین جسقدر دنگے
اور فساد برپا ہوتے ہین۔ جسقدر آبرو ریزی اور خونخواری کے مناظر دکھائی دیتے ہین سب کا
ارتکاب صداقت کے نام سے ہوتا ہے۔ اور ہر فتنہ انگیز حتیٰ کہ راہ زن اور نہلسٹ اور
انارکسٹ بھی اپنے تئین صداقت کا عاشق اور راستباز قرار دیکر مخالف کے ظلم و ستم کی فریاد کرتا
ہے تو کیا اس الزام سے کہ صداقت کی آڑ مین اسقدر نزاع و فساد اور جنگ و جدال دنیا
کے اندر موجود ہے کوئی دانشمند یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ صداقت کی پابندی ہمیشہ تاریخ عالم
مین تاریک ابواب خون کی تحریر سے لکھنے کی عادی ہے۔ صداقت کو ترک کر دینا چاہیے
تاکہ حروف زرین اوراق نورانی مین لکھے جائین؟

مسٹر پارا کی طرح اس تباہی و بربادی کا منظر دیکھنے کے لیے ہمین بھی اوراق تاریخ اُلٹنے
کی ضرورت نہین ۱۹۱۴ء کی چار سالہ جنگ عظیم (جسکے شرارے آج تک خاموش نہین ہوئے)
کشت و خون اور تباہی و بربادی مین غالباً دنیا کی تمام گذشتہ خونریزیون کے مجموعے سے بھی
فائق ہوگی مگر یہ جنگ برطانی وزیر اعظم (اسکوتھ) کے الفاظ مین اُصول کی جنگ تھی لیکن
قیصر جرمنی اسکو صداقت کی منادی کہتے ہین۔ کیا ہمارے مہربانون کا شفقت خیز دل ان
خونریزیون سے متاثر ہو کر اُصول صداقت کی پابندی کو ترک کر دینے کا وعظ کر سکتا ہے؟
اگر سچائی کے نام پر جھگڑنے والون کے جھگڑے اور اُصول کے لیے وہی پیدا کرنیوالون کے
معرکے صداقت اور اُصول کو مجرم قرار نہین دے سکتے تو خدا را کوئی بتائے کہ مذہب نے صداقت
اور اُصول سے زیادہ کیا قصور کیا ہے کہ اسکے نام سے پیدا ہونیوالے جھگڑون کا الزام دھرکر
مذہبی قیود کو ترک کرنے کی تلقین کیجاتی ہے اور مذہبی کتابون کے اصل صورت مین موجود ہونیکا
قصور سمجھا جاتا ہے۔ مذہب کے ساتھ صداقت اور اُصول کے برابر انصاف کیون نہین
کیا جاتا۔ صداقت اور اُصول کو واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو مذہب کی سچی
تعلیم کے موجود ہونے کا شکر کیون نہین کیا جاتا جسمین صاف احکام موجود ہین کہ دین مین

کوئی جبر نہیں (قرآن سورہ بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴) تم انسے لڑو جو تمسے لڑتے ہین مگر تعدی نہ کرو خدا تعدی کرنیوالون کو پسند نہین کرتا تمکو جہاد کا حکم اسلیے دیا جاتا ہے کہ مذہب کیلیے تعدی کرنیوالون اور فتنہ انگیزون کا ہاتھ کوتاہ ہو اور دین کو محض خدا کے لیے اختیار کرنے کا رستہ کھلے (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴ انفال پارہ ۹ تا ع ۵) تمکو کوئی ستائے اور انتقام لینا چاہو تو اسی قدر انتقام لو جتنی تکلیف پائی ہو اور اگر صبر کرو اور انتقام کو چھوڑ دو تو اور بھی اچھا ہے (سورہ نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶) خدا جسے چاہے حکمت دیدے جسکو حکمت دی گئی اسے بہت ہی بڑی نعمت ملی (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۷) حکمت کی بات گویا مسلمان کا اپنا گمشدہ مال ہے جہان پائے فوراً تصرف مین لائے (قول پیغمبر بروایت ترمذی و ابن ماجہ)

مذہب کی یہ تعلیم ہے۔ کیا کوئی فلسفہ اخلاق (جو اجارہ داران تہذیب نے دریافت کیا ہے) اور کیا کوئی آئین حکومت (جو علمبرداران حکمت نے ایجاد کیا ہو) بہبود بنی نوع کا قانون اس سے بہتر دکھا سکتا ہے؟ جب بارگاہ مذہب سے یہ احکام نافذ ہو چکے ہین اور صفحہ دہر پر ثبت ہین تو اسکے خلاف عمل کرنیوالون کا الزام مذہب پر کیونکر عائد ہو سکتا ہے اور کیون مذہب سے بیگانہ ہونے کو اسکا ذمہ وار نہین ٹھہرایا جاتا۔ مذہب کے دائمی ہونے کا معیار ہمارے آزاد خیال مضمون نگار نے یہی قرار دیا تھا کہ اسمین ہر صداقت کے آگے سر تسلیم خم کرنیکا حکم ہو۔ اس معیار کا ذکر ہمکو اسی دفتر مین ملتا ہے جسکی نسبت آپ کا ارشاد ہے کہ

مذہبی حیثیت سے جیسی زیادہ یہ کتابین (کتب حدیث) قابل قدر تصور کی جاتی ہین دنیا کی ترقی کے لیے وہ ایسی ہی مضرت رسان ہین،،

ان کتابون کی مضرت گنوانے کا ثواب اس زمانے کے بہت سے ریفارمرون نے کمایا ہے جو نازک مزاجی سے اہل اسلام کی عدیم المثال قواعد سقم و صحت کو سمجھنے کا دماغ نہین رکھتے۔ ہمارے دوست اس بحث کی جانب آئے نہین تو طول شب فراق کا قصہ چھیڑنے کی ضرورت ہمین بھی نہیں۔ وہ صداقت کے عاشق ہین مگر صداقت کی تلاش نہ قرآن مین کرتے ہین نہ حدیث مین۔ انکے مہذب اور پاک ہاتھ ان دفترون کو چھونا نہین چاہتے اسلیے سننا پڑا کہ جس اصول کو سب سے مفید سمجھکر امریکا اور یورپ مین تلاش کیا جاتا ہے اُسکا خوشنما چہرہ اس

طومار مین بھی نقش ہے -

قریباً یہی کیفیت ہے اُس اعتراض کی جو تعلیم اطفال کے متعلق کہا گیا ہے کہ سب سے
پہلے قرآن پڑھایا جاتا ہے جسکو وہ نہین سمجھ سکتے مگر کہا جاتا ہے کہ اسکی تعظیم کرو - اسکی طرف
پاؤن نہ پھیلاؤ - نیچے رکھا ہو تو بلند جگہ پر نہ بیٹھو بیشک قرآن کی نسبت ایسی ہدایت کیجاتی
ہے اور بیشک اگر قرآن قابل ترک ہے تو بچون کے ہاتھ مین بھی نہ دینا چاہیے لیکن یہ عذر کہ
قرآن کو بچے سمجھ نہین سکتے اور تعظیم کے خوگر بنائے جاتے ہین سمجھ مین نہ آیا اگر بچے قرآن کو نہین سمجھ سکتے
تو خدا اسپنسر جیسے داناؤن کے نزدیک بھی **اَن نوایبل** (ناقابل فہمید) ہے اور دنیا مین عظمت
وجلال کے اندر کوئی ہستی اسکے برابر سمجھی نہین جاتی - اگر باوجود نہ سمجھنے کے قابل تعظیم ماننا غلط
ہے تو کیا وجود باری کے عقیدہ کو بھی ترک کر دینا چاہیے؟ اگر جواب اثبات مین ہے اور ترقی
کے لیے خدا کو چھوڑ دینے کی ضرورت ہے تو روحانیت کا کونسا ذرہ ہوگا جو منکر خدا ہونیکے بعد
باقی رہجائیگا اہل فرنگ نے خدا کو ماننے کے باوجود روحانیت کو ٹھکرا دیا تو ہم خدا سے بیگانہ ہوکر
کس قسم کی روحانیت قائم رکھ سکین گے - جبکہ روحانیت کے معنی ہی ہم جیسون کے ذہن مین کسی
پاک و برتر ہستی سے تعلق رکھنے کے ہین اگر روحانیت یہ نہین تو اسکی تعریف و تحدید ہونی چاہیے
دوسرے مذہب کے صریح احکام مین بچپن مین بغیر سمجھے بوجھے قرآن پڑھانا داخل بھی نہین بچون
کے لیے جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی قدر ہے کہ سات برس کی عمر مین نماز پڑھاؤ اور دہ سالہ ہوکر نماز نہ پڑھین
تو سزا دو - اگر بچون کو طفلی مین قرآن پڑھانا خلاف مصلحت ہو تو اسکے لیے بھی مذہب ہی سے اپیل
ہو سکتی ہے مذہب کو ترک کرنے کی ضرورت نہین مگر اسمین شک نہین کہ ہم جیسے پرانی لکیر پیٹنے والون
کو پسند نہین کہ الفاظ قرآنیہ سے زبان کو متبرک بنانیکے بغیر انگریزی یا اردو مین طوطے مینا کی کہانیان
رٹوائی جائین اور خدا و رسول کا نام زبان پر آنے سے پہلے اسباق الاشیا مین بلی اور کتے کے حالات
یاد کروائے جائین - بیشک بچے کے اندر ہر محسوس چیز کی نسبت سوال کرنے کا میلان ہوتا ہے مگر اس
میلان پر قرآن پڑھنے کے اثنا مین قفل کب لگایا جاتا ہے - "ستارے کیا ہین - چاند کیا ہے" بیشک
بچون کے مشہور سوال ہین مگر اسکے جواب مین چاند اور ستارون کی بناوٹ اور نظام شمسی کی ساخت
و ترکیب پر لکچر کب دیا جاتا ہے اور کوئی فلسفی بچون کے سامنے علم ہیئت کے دقائق کھولنے لگے

تو اسے نادان بچہ کہنے مین تامل کسکو ہوگا۔ بچون کے سوال کا یہی مختصر جواب ہوتا ہے کہ یہ (خدا نہ سہی) نیچر کا بنایا ہوا چراغ ہے اور وہ نیچر کے بکھیرے ہوے موتی۔ یہی جواب قرآن کی نسبت دیا جا سکتا ہے کہ یہ بھلا اور برا رستہ بتانے والی کتاب ہے۔ اسمین اللہ کا نام آتا ہے جسنے دنیا کو پیدا کیا۔ یہ محمدؐ پر اترا ہے جو دنیا کو ہدایت دینے کے لیے آئے تھے۔ دو ڈھائی سال جو اسطرح صرف ہوتے ہین ہمارے مہربان کو طبعی منافرت کی وجہ سے عمر نوح معلوم ہوتے ہین مگر حقیقت مین ایسا بار گران نہین جو بقول انکے جذبات کے مادّہ کو فوت کردے۔ جو تعلیم ہمکو دیجاتی ہے اسمین قرآن کے بعد داخل ہونے والے بچے دوسرون کی نسبت نالائق ثابت نہین ہوتے اور اگر کچھ ہرج سمجھا بھی جائے تو تقسیم اوقات کے مطابق کچھ وقت اس کام کیلیے اور کچھ دیگر مضامین کے لیے دیا جا سکتا ہے ہماری ہندوستانی تعلیم مین بدقسمتی سے نقائص کا طوفان بپا ہے جو بچون کے دل و دماغ اور تمام اعضا کو نقصان عظیم پہونچا کر انکو ذہن۔ صحت قوت اور قدرت کی ہر نعمت سے محروم کردیتے ہین ان سب کو چھوڑ کر اپنے مذہبی اور قومی لٹریچر کے تلفظ سے مانوس کرنے پر اسقدر عتاب ہے جبکہ محض انگریزی تلفظ سکھلانے کے لیے سات سمندر پار سے یورپین لیڈی بلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے خدا اور رسول کے نام سے خدا واسطے کا بیر نہین تو کیا ہے۔ ہم طلبائے کالج کو دیکھتے ہین جو بچپن مین قرآن نہین پڑھتے اور تعلیم مین عربی زبان لیتے ہین وہ ترجمہ رٹ لیتے ہین مگر عربی الفاظ کا صحیح تلفظ نہین جانتے قرآن کو چھوڑنے کی نصیحت (مذہب جائے یا رہے) قومیت کی روح کو ضرور فنا کرنیوالی ہے اور اس زمانے مین جبکہ ہر طرف قومیت کی پکار ہے یہ خیال مسلمانون کے لیے زہر قاتل سے کم نہین۔

ہمارا صبح کے وقت دعا و استغفار کرنا بھی خلاف تہذیب سمجھا گیا ہے۔ اس الزام کے صحیح ہونے مین کلام نہین۔ خود قرآن نے صبح کو استغفار کرنے کی ترغیب دی ہے مگر اسکا یہ نتیجہ غلط ہے کہ توبہ کرنے سے گذشتہ گناہ معاف ہوجانے کی امید آیندہ اور زیادہ گناہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور جسوقت ہم زبان سے دعا مانگتے ہین اسوقت بھی دل مین آیندہ سیہ کاریون کے منصوبے سوچا کرتے ہین یہ نہین کہہ سکتے کہ ایسا کوئی نہین کرتا۔ ممکن ہے ہم گنہگارون کی زبان پر یا صمد ہو اور دل مین یا صنم ہو۔ مگر مذہب کا یہ حکم نہین۔ وہ گناہون کو ترک کرنے کی بار بار تاکید کرتا ہے اور توبۃ النصوح کی ہدایات کرتا ہے یعنی ایسی توبہ کرو جسکے بعد گناہون کی طرف عود نہو۔

اور ارشاد ہے کہ گناہ سے دل پر سیاہ داغ پڑجاتا ہے اگر سچی توبہ ہو تو دل مصفا ہوجاتا ہے اگر گناہ زیادہ ہو تو داغ بڑھتا جاتا ہے حتی کہ دل پر مُہر لگ جاتی ہے (قرآن سورہ تحریم پارہ ۲۸ ع ۱۹ اور حدیث رسول بروایت امام احمد و ترمذی ابن ماجہ) جب واقعی علم یہ ہے تو توبہ کرنے والون کے آلودۂ گناہ ہونے پر انکو مذہب کا حکم یاد دلانے کی ضرورت ہے نہ مذہب سے روگردان ہو کر توبہ سے نفرت اور گناہون پر اصرار کرنے کی۔ بقول انکے ایسے اعمال ''آزادی ضمیر کو فوت کرنے کا،، باعث ہین۔ اسمین شک نہین کہ آدمی وبد کا خیال نہ رکھے اور اپنی برائیون پر پشیمان نہو تو اسکے آزاد ہونے مین کلام کیا ہے مگر ہمکو ابھی تک یہ معلوم نہین ہوسکا کہ آپ کا مدعا شریف حصول آزادی ہے یا مطلق العنانی کیونکہ مذہب و ملت رسم ورواج سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنا آزادی نہین بلکہ مطلق العنانی ہے اور یہ روش ہرگز پسندیدہ نہین کہی جاسکتی۔

ہماری قیود مذہبی مین رویت ہلال کے لیے دو آدمیون کی شہادت پر بھی اعتراض ہی اور کہا گیا ہے کہ علمائے ہیئت علمی قاعدون سے رویت ہلال کا صحیح وقت بتا سکتے ہین مگر مذہب کی قید عالمانہ قاعدون سے کام لینے کی اجازت نہین دیتی۔ اسکی نسبت گذارش یہ ہے کہ علما ہیئت کے قول مین غلطی اور کذب کا احتمال ہے لیکن مشاہدہ کبھی غلط نہین ہوسکتا اسکے علاوہ دیہاتی آبادی اور جاہل طبقہ مین سوائے عینی شہادت کے اور کیا انتظام ہوسکتا ہے اب اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جائے کہ جہان علمائے ہیئت کا فتوی حاصل ہوسکے وہان عالمانہ رائے پر فیصلہ ہو اور دیگر حصون مین شہادت پر تو قباحت یہ پیدا ہوگی کہ ماہرین علم کی تشناخت ماہرین علم ہی کرسکتے ہین۔ جاہل ایک طرف جو پڑھے لکھے اس فن سے واقف نہون وہ بھی مہارت کا صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہین۔ اگر ایک دفعہ عالمانہ رائے پر انحصار رکھنے کا دروازہ کھل جائیگا تو ہر جگہ نام کے جوتشی اور نجومی رائے زنی کو تیار ہوجائین گے اور ایک جگہ صحیح فیصلہ پر عمل ہوگا تو دس جگہ غلط فتوے جاری ہونگے۔ ہمین مذہبی تعلیم کے مطابق رمضان کے بعد بھی ایک دن کا روزہ منظور ہے لیکن رمضان کے اندر عید منانا منظور نہین پس آسان اور سلیم تر راستہ یہی ہے کہ علم ہیئت کا مدرسہ کھولنے اور ہر ماہ یونیورسٹی کی سند دیکھنے کے بجائے اپنے جاہل مگر ایماندار بھائیون کے عینی دو شہادتون کو معتبر سمجھین اور یقین کو چھوڑ کر شبہ کے جنجال مین نہ پھنسین۔ صاحبو دینی

احکام کو علمی دقیقہ سنجی پر منحصر رکھنے کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ ہندو بھائیون کی تمام عبادتین اور مذہبی رسمین ثوابت وسیارگان کی حرکت پر منحصر ہین جسکو پنڈتون کے سوا کوئی نہین سمجھتا اس محتاجی نے برہمنون کے اختیارات جسقدر وسیع کر دیے ہین اسکی فریاد مین تمام ہندو قوم یک زبان ہے۔ علم کی قدر نہ کرنے کا الزام ہماری سر آنکھون پر مگر اسلام نے نماز روزہ و افطار وغیرہ کے اوقات وہ بتائے ہین جنکے متعین کرنے مین عالم وجاہل کی تمیز نہین۔ آزادی چاہنے والے دینی کامون کے واسطے ہمکو علمائے دنیا طلب کے پھندے مین نہ پھسائین اور ملا کے بجائے نیم ملاؤن کے ہاتھ سے خطرہ ایمان مین نہ ڈالین۔

یہ سب سرسری اعتراض تھے جو مضمون کو زوردار بنانے کے لیے عائد کیے گئے تھے ورنہ صاحب مضمون کی اصلی کوشش آزادی نسوان پر زور دینے کی ہے مگر اس بارہ مین بھی مذہب کو بدنام کیے بغیر جو کہنا چاہیے کہا جا سکتا ہے۔ پردہ کی مختلف قسمین ہین۔ مسلمان شرفا کی عورتین گاڑی اور ڈولی کے بغیر کہین نہین جاتین۔ ادنیٰ طبقہ مین برقع اور چادر کا رواج ہے۔ بعض قومین گھونگھٹ کو کافی سمجھتی ہین یا بالکل بے حجاب رہتی ہین۔ ہندو عورتین برہنہ رو یا گھونگھٹ کے ساتھ عام جلسون اور مردانہ محفلون مین شریک ہو سکتی ہین۔ مگر ایک امر مشترک سب مین ہے کہ مردون کے ساتھ بے تکلف اختلاط غالباً ایشیا کی کسی قوم مین نہین۔ پردہ نہ ہو جب بھی عام محفلون مین عورتون کی نشست جدا ہوتی ہے اور عورت غیر مرد کے ساتھ سیر تماشے اور ناچ رنگ مین شریک نہین ہو سکتی۔ یہ معاشرت غالباً ایشیا والون کی فطرت مین داخل ہے اور جو لوگ بیحجابی کے مداح ہین وہ بھی عملاً یورپ کی بیحجابی اور آزادی کو پسند نہین کرتے۔ اپنے ساتھ بازار لیجانیوالے پیدا ہو گئے ہین لیکن غیر کے ہاتھ مین ہاتھ دیکر خود الگ ہو جانے کی جرات کسی مین دیکھی نہین گئی۔ بلکہ یورپ مین بھی جہان پردہ کی دھجیان آزادی اڑ گئی ہین اسقدر احتیاط باقی ہے کہ مرد مردون کے سامنے برہنہ ہو کر نہا سکتا ہے اور عورت عورتون کے سامنے۔ مگر مرد اور عورت ایک دوسرے کے سامنے جسم کا کوئی حصہ برہنہ نہین کر سکتے حتیٰ کہ پاؤن مین جراب نہ ہو تو لیڈی کے سامنے جانا عیب ہے غرض ایک طرح کا حجاب عورت اور مرد کے مابین ہر جگہ موجود ہے اور غالباً تقاضائے فطرت بھی یہی ہے۔

اب مذہب اسلام کو دیکھیے تو اسمین خانہ نشینی کا حکم صرف رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تک محدود تھا مگر وہ بھی غیر مردون کے ساتھ کلام کرسکتی تھین اور اغیار انکے در دولت پر حاضر ہوکر مذہبی معلومات حاصل کرسکتے تھے - باقی عورتون کے لیے قرآن کا حکم صاف ہے کہ باہر نکلتے ہوے چادرون سے اپنی زیب وزینت کو چھپا لیا کرین اور جسم کا صرف وہی حصہ ظاہر ہونے دین جو ضروری ہے (سورہ نور پارہ ۱۸ ع ۱۰ احزاب پارہ ۲۲ ع ۶) ضروری حصہ جسکو ظاہر کرنے کی اجازت ہے تمام مفسرین فقہا اور محدثین کے نزدیک چہرہ اور ہاتھ پاؤن ہین - اس بنا پر جو عورتین اغیار کے گھرون مین نوکریان کرتی ہین - بازارون مین سودا خریدنے جاتی ہین اور غیرون سے کشادہ روبات کرتی ہین شرعاً گنہگار نہین ہین - شرفا مین اس سے زیادہ پابندی خاندان نبوت کی تقلید سے پیدا ہوگئی ہے اور بقاء عصمت کے خیال سے بہتر سمجھی جاتی ہے مگر ضرورت کے وقت اقتضاے حال کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے - صحابہ کرام کی بیبیان لڑائیون مین شامل ہوتی تھین اور لڑنے والون کی خبر گیری اور زخمیون کی تیمارداری کرتی تھین، اب بھی زمانے کی سچی ضرورتین عورتون کی جس خدمت کا تقاضا کرین انہین مذہبی ممانعت سدراہ نہوگی - ہان مدارس مین لڑکون اور لڑکیون کا یکجا تعلیم اور پریکٹس مین شریک ہونا اور بال مین غیرون کے دوش بدوش ناچنا نہ ضروری معلوم ہوتا ہے نہ اتنی آزادی کو ایشیائی اور بالخصوص اسلامی طبیعتین برداشت کرسکتی ہین - اب غور کرنیوالے دیکھین کہ اس بارہ مین مذہب کے ظل حمایت مین آکر بحث کو زوردار بنا سکتے ہین یا مذہبی سرپرستی سے آزاد ہوکر -

غرض قرآن شریف کے اپنی اصلی حالت مین موجود ہونے سے "گذشتہ سے موجودہ کی طرف آنے کیلیے جن پہاڑون کی بلندی سے ڈرایا گیا تھا ہمنے دیکھا کہ اسمین چور دروازہ" کی ضرورت نہین عبور کے لیے شاہ راہ اور درے موجود ہین - ہان ملکی خصائص کی طرح قومی خصائص کا تفاوت ممکن نہین کہ پایا نہ جائے - آزادی کے دھن مین ایشیا کو یورپ اور مسلمانون کو عیسائی بنانا ناممکن ہے - سچی ضرورت اور تقاضاے وقت جو کچھ بھی ہو اسکے لیے مذہب کو قائم رکھتے ہوے سبیل کا پیدا ہونے کا یقین واثق ہے اور مذہب کی طرف سے ایسے موقعون پر کوئی مزاحمت نہ ہوگی -

مذہب مین ایک اُس تعلق سے بحث ہوتی ہے جو بندہ کو خدا کے ساتھ ہے اور ایک اُس تعلق سے جو بندہ کو بندہ کے ساتھ یا عام مخلوق کے ساتھ ہے بندہ اور خدا کا تعلق عقائد و عبادات کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے جو ہر شخص کی ذات خاص سے متعلق ہے۔ ہم مکہ مدینہ مین رہین یا لندن اور پیرس مین خدا کے ساتھ لو لگانے سے ہمارے ملکی معاملات مین کوئی تفاوت پیدا نہین ہوتا۔ ہان اعتراض کا رستہ ہر عقیدہ کے لیے کشادہ ہے۔ وہ مشغلہ بیشک جاری رہے ہمارے مہربان کُن کہنے سے دنیا کے پیدا ہونے کو غلط بتاتے ہین اور سائنس کی حمایت لیکر ہر کام کے لیے ہزارہا سال صرف ہونے کا اعتراض کرتے ہین۔ ایسے اعتراضون کو دینوی ترقی اور اصلاح سے کیا واسطہ۔ دینوی جد وجہد اس عقیدہ کا آدمی بھی اسی طرح کرتا ہے جسطرح تکوین و تخلیق کا منکر۔ اور قرآنی تعلیم کو دیکھئے تو یہ اعتراض وارد بھی نہین ہوتا وہ خدا کی بے انتہا قدرت کو کُن سے ظاہر کرتا ہے تو دنیا کی پیدائش چھ دن مین بتاتا ہے اور دن صرف چوبیس گھنٹہ کا نہین مانتا۔ خدا کا دن ہزار سال کا ہوتا ہے بلکہ قیامت خیز انقلابون کیلیے پچاس ہزار سال کا (سورہ حج پارہ ۱۷ ع ۶ سورہ سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱ سورہ معارج پارہ ۲۹ ع ۱) اسکے ساتھ یہ بھی خیال کرلیجئے کہ زبان عرب مین تعداد ہزار سے زیادہ نہین۔ ہزار کہنے سے صرف دس سو کا خیال نہین آتا بے انتہا کثرت کا خیال بھی اس لفظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

اچھا تو خدا اور بندہ کے تعلق مین ہر شخص کو آزاد چھوڑنیکے بعد بندہ کا اور مخلوق کا تعلق باقی رہجاتا ہے جسمین مذہب اور ضرورت وقت کے ٹکرانے کا احتمال ہے۔ اسلام نے انسان کو تمام مخلوقات پر متصرف کامل مانا ہے۔ مفرت بخش اور پست و بالا کونسی چیز ہے جسکی ضرورت پیش آنے اور کام لینے کی سبیل معلوم ہونیکے بعد اسپر تصرف کرنے سے مذہب سد راہ ہوتا ہے یا انسان کا انسان کے ساتھ تعلق قانون کی مد مین آجاتا ہے اور قانون کو اسلام نے اپنے ہاتھ مین لیا ہے جس سے آزادی کی ہوا کھانیوالے بدکتے ہین مگر اُسمین لچک یون پیدا ہوتی ہے کہ باستثنائے قلیل تمام حقوق کو حاصل کرنے کا اختیار صاحب استحقاق کو دیا گیا ہے اور اس اختیار کو یہان تک وسعت دی ہے کہ قانون والے حیران ہوجاتے ہین۔ قانون نے قتل کی سزا گورنمنٹ کے ہاتھ مین دی ہے اور مقتول کے وارث قصاص کے سوا کوئی اور سلوک کرنا چاہین تو

شنوائی نہین ہوتی - وارثان مقتول کو اختیار دینے مین انھین قباحت نظر آتی ہے کہ روپیہ کا لالچ یا اور اغراض واردات قتل کو زیادہ کر دینگے - مگر قتل اس انتظام سے بھی کم نہین ہوا - بلکہ قتل کی اوسط مہذب ممالک مین دیگر انتظام سے زیادہ ثابت ہوتی ہے - دوسری جانب اس عمل سے اور قاتل کو پھانسی پر چڑھانے سے اسکے بیوی بچون کو جو تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے واضعین قانون اسکا تدارک کرنے سے عاجز ہین - اور ایک جان جو ضایع ہوگئی اسکے ساتھ ایک اور جان کو اپنے ہاتھ سے نابود کرنے اور سوسائٹی مین ایک کے بجاے دو کا نقصان کر دینے کا کوئی معاوضہ قانون نے معلوم نہین کیا اور سزا کے بعد دونون خاندانون مین جو عداوت پختہ ہو جاتی ہے اسکے دور تک پہونچنے والے نتایج کا بھی کوئی علاج تجویز نہین ہوا - اسکے خلاف اختیار ورثاے مقتول کے ہاتھ مین ہو اور کسی وقت تمام قوم آزاد ہوکر اپنے مقتولون کا انتقام لینے کی کوئی اور صورت تجویز کر دے جس سے قاتل زندہ رہکر آیندہ کیلیے عبرت حاصل کرے اور اسکی محنت کا معاوضہ اسکے عیال کو ملتا رہے تو ایسا قانون جو مذہب اسلام کی رہنمائی سے بنایا جائیگا دنیا کے لیے رحمت ہوگا جبکہ موجودہ عقلاے عالم کا بنایا ہوا قانون بربادی کو بڑھا دینے کے سوا کوئی خوبی نہین رکھتا -

صاحب مضمون پابندی مذہب کے زمانے کو عہد زرین اور سب سے بہتر زمانہ نہین مانتے اور انکے خیال مین عہد زرین آیندہ آنیوالا ہے جبکہ انسان قوت عقل و تدبیر سے ہر طرح کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کر سکے گا - یہ خیال جہان تک عقل اور عاقلانہ کاروبار سے تعلق رکھتا ہے بیشک صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انسان نے وحشت سے تہذیب کی جانب ترقی کی ہے جسقدر عقل جلا پاتی جاتی ہے اسی قدر قدرت کے خزانے کھلتے جاتے ہین اور سامان آسائش مہیا ہوتا جاتا ہے اور ایسے وقت کا آنا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ عقلا کو بغیر انگلی ہلاے ہر طرح کی جسمانی راحت مہیا ہو - مگر عقل کی جہان تک ترقی ہو چکی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تہذیب کے ساتھ نفس پروری اور خود غرضی کا مادہ ترقی کرتا جاتا ہے یہ ضرور ہے کہ نظر کے وسیع ہو جانیسے بعض ذاتی فائدون کا انحصار دوسرون کے شریک ہونے اور ایک جماعت یا قوم کے مل کر کام کرنے پر معلوم ہوتا ہے اسکے لیے جو کوشش کی جاتی ہے اُسے رفاہ عام اور بہبود خلائق کے نام

سے نام زد کر دیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت مین جذبہ وہی خود غرضی اور نفس پروری کا ہوتا ہے چنانچہ بہبود خلائق کا دعویٰ کرتے کرتے جہان اپنی ذات۔ یا اپنی جماعت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے وہان بے محابا دوسرون کو نقصان پہونچا کر اور گلا کاٹ کر اپنے فایدہ کا رستہ نکال لیا جاتا ہے اور قوت عقل اس سے زیادہ کچھ بھی نہین کر سکتی کیونکہ عقلی نطنہ موجودہ زندگی تک محدود ہے اور جب موجودہ زندگی معرض خطر مین ہو تو اور کونسی ترغیب ہو سکتی ہے جو اسکو اعلیٰ ترجذبات کے لیے اُبھارے۔ ہان جسمانی چیزین دور تک نظر آنے لگتی ہین اس لیے جہان قدیم زمانہ کا وحشی انسان محض اپنے ہمسایون سے جنگلی پھل چھین کر کھا لیا کرتا تھا وہان اب یورپ والے ایشیا اور افریقہ تک کو ہضم کر رہے ہین اور کمزور انسانون کے مُنھ سے لقمہ چھین لیتے ہین۔ انکو جان سے مارنے کی کوششین اسلیے نہین کرتے کہ ابھی تک انکے محتاج ہین اور انکی کمائی ہوئی پیداوار کے محتاج ہین۔ اگر کبھی فرنگستان کی مشینین ہندوستان مین غلہ پیدا کرنے کا کام کرنے لگین اور ہوائی جہاز یہان کا مال ایک دم مین وہان تک پہونچانے لگے تو کالے رنگ کے جاہل آبادی کا وجود خسارہ تہذیب کا داغ سمجھا جانے لگے گا اور ایروپلین کی ایک زہریلی گیس ملک کو ان ناپاک ہستیون سے خالی کرنے کی ڈیوٹی نہایت خوبی سے پوری کر دے گی۔ وہ وقت مہذب آبادی کے لیے بیشک عہد زرین ہوگا مگر جاہل و مفلس طبقہ کے لیے وہ وقت قیامت سے کم نہوگا لیکن اسوقت تک اگر مریخ و مشتری تک جانے کا رستہ کھل گیا اور خوش قسمتی سے وہان کی آبادی جاہل ثابت ہوئی تو تمام قوت اُدھر صرف ہونے لگے گی۔ دنیا کی اور کمزور قومین مہذب وحشیون کی ظلم سے بچ جائینگی ورنہ مہذب قومون کا مختصر گروہ غیر مہذب اور کمزور قومون کو پیسکر ایک دن کوس لمن الملک بجائیگا اور زمین کی تمام نعمتون کا واحد اجارہ دار ہوگا۔

عقلی عہد زرین جسپر صاحب مضمون "ایمان" رکھتے ہین اس انجام تک پہونچتا نظر آتا ہے لیکن مذہب کے نزدیک پیغمبرون کے وقت مین عہد زرین ختم نہین ہوا۔ شروع ہوا ہے اور صرف چند انسانون کو بنی نوع کے بھائی ہونے کی تعلیم دی گئی ہے اور چونکہ بیشتر آبادی اسوقت بھی خود غرض تھی اسلیے امن و امان قائم نہین ہو سکا اور بے غرضون کو خود غرضون سے مقابلہ کرنا

ضرورت پیش آتی رہی۔ مذہب کا عہد زرین اسوقت آئیگا جبکہ چھلکے کی جگہ مذہب کا مغز ہر شخص کے دل مین اثر کر جائیگا اور تمام انسان اپنے تئین بظاہر فانی اور بباطن جاودانی سمجھکر اس زندگی کو اپنی حیات مستعار کے لیے نہین دوسرون کی حالت کو خوشگوار بنانے کے لیے قربان کرنے پر فخر کرینگے اور معاوضہ کیلیے ابدالآباد کی زندگی پر یقین واثق رکھین گے اگر ایسا وقت کبھی آگیا تو سچا عہد زرین یقیناً وہی ہوگا جسمین نہ جذبۂ قومیت کو دخل ہوگا جسپر آج کامیاب قومین فخر کرتی ہین نہ حب الوطن کا نشان ہوگا جسکے پردہ مین اغیار پر ظلم کرنا جائز سمجھا جاتا ہے۔ وہ عام بنی نوع کے محبت کا جذبہ ہوگا جس سے گورا کالے پر جان قربان کریگا اور عالم جاہل پر رحم کھائیگا اور ہمارے مہربان کو تعجب کے ساتھ یقین کرنا پڑے گا کہ یہ ثمر نہال مذہب کا ہے نہ خارزار تہذیب کا۔

مذہب اسلام کی تعلیم مطابق فطرت ہے وہ بتاتا ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی طرح نزاع وفساد اور باہمی اختلاف مین مبتلا رہین گے اور جنپر خدا کا فضل ہوگا وہ صلاحیت کو اختیار کرتے جائینگے (پارہ ۱۲ ع ۱۰) مگر خدا کے شکر گزار بندے اور سلامت روی اختیار کرنیوالے ہمیشہ کم ہوا کرین گے (سبا پارہ ۲۲ ع ۸) پس مبارک ہین وہ لوگ جو شہر آشوب دہر مین امن و امان کی منادی کرین۔ اور مذہب کے زیر حمایت آیندہ زیست کا یقین دلاکر موجودہ کو بہبود خلائق مین صرف کرنے کی ترغیب دیتے رہین۔

مضمون مذکور میرے خیال مین واضح نہین تھا اسلیے جواب مین بھی عام قواعد کلیہ پر اکتفا کیا گیا۔ اگر روحانیت کی نوعیت معین کردی جاتی تو پختگی کے ساتھ غور ہو سکتا کہ اسکے محاسن و نقائص کا توازن کیا ہے۔ صاحب مضمون ہما السدہاب کو ناکام بتاتے ہین اسلیے کہ انھون نے اسلام کو سرے سے خیرباد کہدیا۔ اور سرسید کو بھی ناکام کہتے ہین اسلیے کہ "وہ اسلام کو ہاتھ سے دیئے ہوئے بغیر ماضی کو حال و مستقبل کے موافق بنانے کی کوشش کرتے تھے" جب اسلام کو خیرباد کہنے والے اور اسلام کو ہاتھ سے نہ دینے والے دونون ناکام ہے تو معلوم نہین کامیابی کی شکل آنجناب کے ذہن مین کیا ہے۔ اگر کبھی اسپر روشنی ڈالی گئی تو دوبارہ غور کرنے مین کوتاہی نہو گی۔

محمود علی (از لپور ضلع پنجاب)

مُناجات کی ضرورت*

مارچ ۱۹۲۲ء کے زمانہ مین "مناجات"، کے عنوان سے جو مضمون پنڈت دھرم نرائن ایم اے کا شایع ہوا ہے اُسکو اُن خیالات کا مرقع کہنا بیجا نہوگا جو موجودہ سرکاری درسگاہون کی خالص مادی تعلیم کے ذریعہ ہمارے طلبا ءکے دماغون مین برابر پیدا ہوتے رہتے ہین۔ اس مضمون مین قابل مضمون نگار نے خدا کی ہستی سے کنایۃً منکر ہوتے ہوئے اور ڈارون و ہیکل کے مسائل ارتقار کا سہارا لیکر روح کو جسم کے ساتھ فنا ہوجانیوالی بتلاتے ہوئے، مُناجات کو محض ایک بے سود عمل قرار دیا ہے۔ مضمون نگار صاحب کی راے مین دنیاوی کامیابی کا دارومدار صرف ذاتی افعال کے حُسن و قبح پر ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسانی اعمال کی نیکی و بدی کا انحصار کہان تک عبادت پر ہے؟ اسکے لیے دو باتون کا ہونا لازمی ہے، ایک تو خدا کی ہستی اور دوسرے روح کا ثبات۔ کیونکہ اگر روح کو فانی مان لیا جائے تو اُس صورت مین اس امر کی ضرورت باقی نہین رہتی کہ مسلسل روحانی ترقی کے لیے (جو کہ عبادت کا مقصود ہے) کسی خاص اور وسیع طریقہ پر کوئی مستقل کوشش کیجاے بلکہ اسطرح یقین کرتے ہوے ایک ایسی لاپروائی کا پیدا ہوجانا بالکل قدرتی ہے جسکی بنا پر اعمال کو محض بہبود عامہ کے لحاظ سے صرف اُنکی ظاہری خوبیون تک

* مضمون ہذا کی ترتیب مین، بالخصوص یوروپین مشاہیر کے اقتباسات کے متعلق، مجھکو مضامین ذیل سے بہت کچھ مدد ملی ہے پس اُسکا اعتراف ضروری خیال کرتا ہون۔

(۱) مضامین نوشتہ مسٹر جے۔ آر۔ دلے جرنلسٹ العصر (۲) مضامین پنڈت دھرمیند ناتھ تیرتھ مجموعہ آریہ متر (۳) مضامین پنڈت آنند دیو انکا مطبوعہ مریادا (۴) مجموعہ مضامین پنڈت گورو دت ودیارتھی ایم۔ اے مرحوم (۵) مجموعہ مضامین پروفیسر رام دیو جی بی۔ اے۔ تحریر۔

محدود رکھنا کافی دوامی خیال کیا جائیگا - لیکن قلب انسانی مین اس بات کی ایک زبردست خواہش ہوتی ہے کہ وہ فی الواقع نیک ہے اور اس کوشش مین اسکو ایک ایسی خالص شانتی ملتی ہے جسکا سوسائٹی سے کچھ بھی تعلق نہین - انسانون کے علاوہ بعض اوقات دیگر جاندارون مین بھی (انکے روحانی ارتقا کی تدریج کے مطابق) ایسی خواہشات کا ہونا پایا جاتا ہے - اس قسم کی خواہش کا قدرتاً ہونا بقاے روح کے مسئلہ کو علانیہ یا پوشیدہ طور پر ایک امر مسلمہ ہونا ظاہر کرتا ہے -

ہیکل نے اپنی RIDDLE OF UNIVERSE نامی کتاب مین روح کے وجود کے متعلق لکھا ہے کہ WHAT WE CALL THE SOUL IS IN MY OPINION NATURAL PHENOME یعنی جسکو ہم روح کہتے ہین وہ میری راے مین مادی صفات کا ظہور ہے" لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مادی اجزا خود ہی بیجان ہین (کیونکہ نشانات زندگی کسی حالت مین بھی پوشیدہ نہین رہ سکتے) تو پھر یہ بات کسی طرح سمجھ مین نہین آتی کہ انمین کیونکر ایک بیقاعدہ خلق تعمیر و ترتیب کا "نیز اسی روش پر آیندہ سلسلہ جاری رکھنے کا رجحان پیدا ہو سکتا ہے یا انکے اتصال سے (جسکا خود بخود ہونا ہی غیر ممکن ہے) کیونکر آثار زندگی ظاہر ہو سکتے ہین ؟ ہکسلے نے اپنے مشہور لکچر (زندگی کی مادی بنیاد) مین بیجان سے جاندار کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن علوم طبیعات مین استاد زمانہ مانے جانیوالے ڈاکٹر الفریڈ رسل واس نے اپنی نئی کتاب WORLD OF LIFE کے اول ہی باب مین ہکسلے کے مذکورۂ بالا اصول کی مع الثبوت تردید کی ہے - مشاہیر عالم لارڈ کیلون (LORD CALVIN) اور سر آلیور لاج (SIR OLIVER LODGE) کی بھی یہی راے ہے کہ ارتقا کے بموجب بیجان اشیا سے جاندار چیزون کا پیدا ہونا تسلیم نہین کیا جا سکتا ہے -

ماہر کیمسٹری مسٹر (SHEN STONE) نے ۱۹۰۶ء مین اس امر کے متعلق کہ کیا بیجان مادہ سے جاندار کا ظہور ہو سکتا ہے کہا تھا ALL THAT WE ARE JUSTIFIED IN SAYING IS THIS THAT WE HAVE NO SOLID GROUND FOR BELIEVING THAT LIVING MATTER HAS BEEN PRODUCED FROM NON LIVING MATTER IN THE LABORATORY UP TO THIS ...

یعنی ہمارے پاس یہ یقین کرنے کے لیے کوئی مضبوط بنیاد نہین ہے کہ اسوقت تک کیمیا خانہ مین بیجان مادہ سے جاندار مادہ خلق کیا گیا۔

پروفیسر آل مین قوت خیال کو مادی دائرہ سے علیحدہ دکھلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تخیل اور مادہ سے جو جو قدرتی باتین ظاہر ہوتی ہین اُنسے اِن دونون مین کسی قسم کی مشابہت یا نسبت کا ہونا نہین ظاہر ہوتا۔ پروفیسر ٹنڈل نے اپنے بلفاسٹ والی تقریر مین کہا تھا کہ

I SEEIN THE MATTER..........PROMISE & POTENCY OF ALL TERRESTRIAL LIFE

یعنی مجھکو مادہ مین کل دنیاوی زندگی کی قابلیت اور اُمید نظر آتی ہے، حالانکہ اسی وقت موصوف نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ ماہرین علم کیمیا ابتک بیجان سے جاندار کے ظہور کا تجربہ شدہ ثبوت نہین دے سکے۔ لیکن ۲۳-سال بعد مشہور یورپین سائنٹسٹ ولیم کرکس نے روسی پیٹ نظام پر تقریر کرتے ہوئے ٹنڈل کے اُصول کی تردید کی اور اُسکو ایک دم اُلٹ کر یون بیان کیا

IN LIFE IS ~~THE~~ PROMISE AND POTENCY OF ALL FORMS OF MATTER

یعنی مجھکو زندگی کے مجسمہ مین کل مادی صورتون کے ظہور کی قدرت وصلاحیت دکھائی دیتی ہے۔

یہی اُصول ویدانت کا بھی ہے۔ ہمارے خیال مین سطور بالا سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی ہو کہ روح ایک بالکل جُدا گانہ ہستی ہے اور اسکو بیجان مادہ سے کوئی تعلق نہین۔

ہمنے اس مضمون کے آغاز مین بقاے روح کے متعلق بھی ثبوت پیش کرنے کی جُرأت کی ہو مُناجات کی صورت دکھلانے کے لیے یہ امر بھی لابدی ہے کہ بقاے مسئلہ پر کچھ مزید روشنی ڈالیجائے مختصر اً اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ جب روح کو ایک جدا گانہ ہستی مان لیا گیا تو اُس صورت مین اُسکے لیے بقاے دوام لازمی ہے کیونکہ جسطرح نیستی سے ہستی کا ہونا غیر ممکن ہے اسی طرح کوئی شے ہست ہوکر نیست نہین ہوسکتی یہ مسئلہ قریب قریب اب سائنس کا مستند اُصول بنگیا ہے کیونکہ مسٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ایچ میرس سکرٹری سائکل ریسرچ سوسائٹی نے اپنی کتاب

HUMAN PERSONALITY & ITS SURVIVAL OF BODILY DEATH

مین اور ایک دوسرے سائنٹسٹ LAMBDUSO نے اپنی AFTER DEATH WHAT نامی کتاب مین اسی مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔ شہرۂ آفاق ماہر طبیعیات سر الیور لاج نے بھی ۱۳ ؁ء کی ایک تقریر کے دوران مین روح کو جسمی موت کے بعد قائم رہنے والا بیان کیا تھا۔ پس ہمکو یہ مان لینا ہوگا کہ روح ایک ہمیشہ قائم رہنے والی علحدہ ہستی ہے کیونکہ معقول دلائل و جدید علمی انکشافات کے ہوتے ہوئے بقول مضمون نگار صاحب محض ہیکل کے ان الفاظ کی "یہ عقیدہ کہ روح انسانی لافانی ہے سائنس کے مستند اصولون کے بالکل منافی ہے" پیروی کرنا درست نہین معلوم ہوتا۔

اب قبل اسکے کہ ہم مناجات کے متعلق کچھ عرض کرین ہمارے لیے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ بیجان مادہ اور روح سے علحدہ خدا کی بھی ایک ہمہ دان ہستی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ مادہ مین جان نہین پس وہ خود بخود کچھ بھی نہین کر سکتا۔ روح اگرچہ جاندار ہے لیکن اسکے عقلی وعملی وسائل بہت کچھ محدود ہین اور خواہ وہ کتنی ہی ترقی کر جائے پھر بھی اسکے فطری وسائل مین اتنی وسعت نہین ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ہی وقت مین سارے نظام ہستی پر حاوی ہو سکے۔ کائنات کے وجود و قیام دنیا مین ایک باقاعدہ ترتیب کا شب و روز جاری رہنا کسی تیسری علم کل اور محیط کل طاقت کا پتہ دیتا ہے اور ایسی طاقت کا مرکز خدا کی ذات ہے مسئلہ ارتقا کے محقق ڈارون اور اُنکے زبردست مقلد ہربرٹ اسپنسر نے روح اور خدا کو UNKNOW'I ABLE (جاننے کے ناقابل) لکھکر اپنے دریافت کے احاطہ سے الگ کر دیا تھا بلکہ موخر الذکر نے تو ایک UN KNOWN ABSOLUTE (ناقابل علم ذات مطلق) کا ہونا تسلیم بھی کیا ہے لیکن اسنسے بڑھکر سائنسدانون کے سرتاج ڈاکٹر الفریڈ رسل والس نے (جنکا قول ماہرین طبیعیات کے نزدیک مستند مانا جاتا ہے اور جو مسئلہ ارتقا کی دریافت مین ڈارون کے برابر کے حصہ دار سمجھے جاتے ہین) خدا کی ہستی کا استقرار بالکل صاف طریقہ پر کر دیا۔ موصوف نے اپنی تصنیف NATURAL SELECTION (انتخاب طبعی) مین بتلایا ہے کہ بغیر خدا کی حکمت وقدرت کے انسان صرف علم ارتقا کے ذریعہ پیدا نہین ہوا ہے۔ موصوف بھی نظام عالم مین خدا کا ہاتھ دیکھتے ہین چنانچہ قدرتی صناعیون پر غور کرتے ہوئے وہ یون لکھتے ہین۔

محمد عبد الرحمٰن

I ARGUE THAT THEY NECESSARILY IMPLY FIRST A CREA-

TIVE POWER WHICH SO CONSTITUTED MATTER IS TO REND-

ER THESE MARVELS POSSIBLE NEXT A DIRECTIVE MIND, WHICH

IS DEMANDED AT EVRY STEP OF WHAT WE TERM GROWTH

یعنی مین کہونگا کہ اُن (نمونہ جات قدرت) سے پہلے تو یقیناً ایک پیدا کرنیوالی طاقت کا مفہوم ہوتا ہے جسنے مادہ کی ساخت اسطرح پر کی کہ اُس سے ان عجائبات (عالم) کا بننا ممکن ہوا اور دوسرے ایک پُر حکمت دماغ کا جسکی ضرورت اُس حالت کے ہر درجہ کیلیے ہے جسکو ہم ارتقاء کہتے ہین۔ لارڈ سالسبری سابق وزیر اعظم برطانیہ (جنسے ہربرٹ اسپنسر کے ساتھ مسئلہ ارتقا پر عرصہ تک بحث ہوتی رہی) نے بھی اپنی ایک تقریر مین یہی کہا تھا کہ "کائنات کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ موجوداتِ عالم کو ایک زندہ ہستی نے خاص غرض سے بنایا ہے اور ساری خلقت اُسی خالق کے بیمثل قدرت و حکمت کی محتاج ہے" مشہور ماہر طبیعات و ریاضیات لارڈ کیلون مرحوم سابق پروفیسر نیچرل فلاسفی گلاسگو یونیورسٹی کے نزدیک بھی سائنس خدا کی ہستی کو تسلیم کرتا ہے SCIENCE POSITIVELY AFFIRMS THE EXISTENCE OF GOD مرحوم نے ۱۹۰۳ء مین اپنے ایک تقریر کے دوران مین کہا تھا کہ "سائنس خدا کی ہستی کا یقین و اعتبار کامل کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے ہمکو اُسپر ایمان لانے کیلیے مجبور کرتا ہے۔ ہماری ہستی کا موجد و محافظ بیجان مادّہ نہین بلکہ وہ قوت ہے جس سے کائنات وجود پذیر ہوتی ہے۔ نظام عالم کی ترکیب و ترتیب خدا کو آشکارا کرتی ہے۔۔۔ زندہ اقسام مین ہونیوالی تبدیلیان بھی خدائی قانون کے بموجب ہوا کرتی ہین۔۔۔ سائنس مذہب کا دشمن نہین بلکہ معاون ہے" علماء طبیعات کے سرتاج سر آلیور لاج سابق پروفیسر مدرستہ العلوم برمنگھم بھی نظام عالم کے مظاہر سے خدا کی ہستی کے قائل ہین نیز اپنی کتاب LIFE & MATTER مین لکھتے ہین کہ دُنیا کو قوانین قدرت کے موافق ماننا اور ان قوانین کے بنانیوالی طاقت کا ماننا ایک دوسرے کے مطابق نہین۔ سربرآوردہ ماہرین سائنس سر آئزک نیوٹن کا بھی خدا کی ہستی پر اعتقاد تھا۔ اب ہمکو اسکے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی

حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا سے روز بروز دہریت کا فقدان ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور علماے روزگار جسقدر زیادہ غور و خوض سے کام لیتے ہین اُسی قدر انکو خدا کی قدرت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ آج مشہور ماہر طبیعات پروفیسر باٹملی (BOTTOMLY) فرماتے ہین HOW CAN WE KNOW MATTER?-BY ITS ATTRIBUTES, BY ITS MANIFESTATION. HOW DO WE KNOW THERE IS A GOD? BY HIS ATTRIBUTES مطلب یہ ہے کہ (سوال) ہم مادہ کو کسطرح جانتے ہین؟ (جواب) اُسکی خصوصیات HIS MANIFESTATIONS اور مظاہر سے۔ (سوال) ہم کیسے جانتے ہین کہ خدا ہے؟ (جواب) اُسکے صفات و انکشافات سے۔ اس سلسلہ مین ہم WILLIAM RAN SAY کی اُن باتون کو بھی درج کر دینا ضروری سمجھتے ہین جو موصوف نے اُنیسوین اور بیسوین صدی کا فرق دکھلاتے ہوے کہی ہین۔ فرماتے ہین۔

WE FEEL OURSELVES MORE IMMEDIATELY IN THE PRESENCE OF GOD, WE KNOW THAT GOD IS SPRIT & NOT MATTER WE HAVE LEARNED THAT IT IS FOOL WHO SAY THERE IS NO GOD

"یعنی ہم اپنے آپ کو خدا کے قریب تر پاتے ہین کہ خدا زندہ ہستی ہے مادہ نہین۔ ہم جان گئے ہین کہ وہ لوگ بیوقوف ہین جو کہتے ہین کہ خدا نہین ہے۔"

مضمون ہذا مین یہان تک ہمنے مختصر دلائل اور یورپ مین محققین کے متعدد اقوال سے یہ دکھلا دیا کہ مادی اجزا محض بیجان ہین اور پس اُنکے اتصال سے ایمبا یا دیگر جانداروں کا وجود پذیر ہونا کسی طرح بھی ممکن نہین۔ دوسرے یہ کہ روح جداگانہ زندہ ہستی ہے اور ہستی ہونے کی وجہ سے اُسکو بقاے دوام حاصل ہے اور تیسرے یہ کہ ان دونون یعنی مادہ اور روح کی ہستیون سے بالاترین ایک تیسری عالم کل ہستی خدا کی ذات ہے جسکی قدرت سے خلقت کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اگرچہ ہماری مستند مذہبی کتب اِن باتون کے ثبوت کے متعلق بیشمار دلائل معمور ہین لیکن واقعی بات یہ ہے کہ ہماری حالت ایک ایسی مفتوح قوم کی ہے جسکے دماغ مین

بھی غلامی کا ناقص اثر سرائت کر گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا دل کسی معاملہ کے تعلق سے بھی
اُن باتون کو جلد تر قبول کر لیتا ہے جو فاتح قوم یا اُسی کے قریبی اقوام کے دماغون سے نکل کر
ہمارے سامنے آتی ہین۔ یہی وجہ ہے کہ ہمنے یہان اپنے مقصد کیلیے محض یورپین مشاہیر کے آراء
کا اقتباس کافی خیال کیا ہے۔ لیکن ہمارے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ آج مغرب بھی خود ہی ہمسے
روحانیت کے بارہ مین مناسب ہدایات پانے کا آرزومند ہو کر گویا ہمارے رشیون کی تحقیقاتی
قابلیت کا اعتراف کر رہا ہے۔ سر آلیور لاج اعلان کرتے ہین THEY (PEOPLE OF EAST) CAN INSTRUCT US IN THINGS RELATING TO THE SOUL & MADITATION THEY ENTER IN TO THE SILENCE AND MEDITATE A GREAT DEAL MORE THAN WE DO AND THE UNION OF EAST AND WEST WHICH IS COMING ABOUT, IS GREATLY TOBE HOPED FOR

یعنی اہل مشرق اُن باتون کے متعلق ہمکو سبق دے سکتے ہین جو روح اور مراقبہ
سے نسبت رکھتی ہین۔ وہ لوگ تنہائی مین جا کر دھیان مین محو ہو جانیکے ہمسے کہین زیادہ بڑھکر عادی
ہین۔ مشرق و مغرب کا وہ اتحاد بہت زیادہ مطلوب ہے جو کہ عنقریب واقع ہونے والا ہے،،

مضمون ہذا مین یہ دکھلانے کی گنجائش نہین کہ مشرقی ممالک مین صرف ہندوستان ہی
ایسا ملک ہے جو سر آلیور لاج کے الفاظ مین بتلائی ہوئی مغرب کے پاک آرزو کو پورا کر سکتا ہے
پس ہم فی الحال صرف اسی خیال سے مطمئن ہو جانے کی کوشش کرین گے کہ ہمارے ملک کا
بھی مشرق ہی سے الحاق ہے۔ یہان یہ بھی بتلانا بموقع نہو گا کہ آجکل مغرب خود کو مشرق سے
روحانیت کے سبق لینے کا اہل بھی بنا رہا ہے۔ بیسوین صدی کے آغاز مین ہیکل کے UNIONISM
مادی وحدانیت کے مسئلہ جسکے مطابق مادہ ہی کو سب کچھ مانا گیا ہے) کو ناقابل تسلیم خیال
کر کے ارتقا کے بعید از قیاس مسائل کے خلاف غور کیا جانے لگا اور اس بات کا احساس
ہونے لگا کہ ہربرٹ اسپنسر کے مطابق عمل ارتقا کو محض دیدنی اشیا تک محدود رکھنا بہتر ہے
یہان تک کہ عمل مذکورہ کو وسیع تر بنا کر اُسکے ذریعہ دماغی اور جماعتی ترقیون کا دکھلایا جانا

بھی درست نہین ۔گویا اسطرح آتما (روح) اور پرماتما (خدا) کی ثبات کا اقرار یا تو علانیہ یا (اُنکو UNKNOWABLE یعنی ناقابل علم کے احاطہ مین داخل کرکے) مذبذب طریقہ پر کیا جا رہا ہے ۔

خدا اور روح کی ہستی ثابت کرنیکے بعد اب ہمکو یہ دکھلانا ہے کہ مناجات کیون ضروری ہے ۔ روح ہمیشہ سُکھ اور شانتی کی متمنی رہتی ہے ۔ انکے حصول کیلیے اعمال کا نیک ہونا لازمی ہے اور اعمال کی نیکی کا انحصار ہے ، عقل کی پاکیزگی پر ۔ حیوانات مطلق بھی اگرچہ ذی روح ہین مگر قدرت کی جانب سے اُنہین اُس قوت ممیزہ کو بہت ہی کم ودیعت کیا گیا ہے جس سے کام لیتے ہوئے وہ آیندہ اعمال کی نسبت سے سُکھ اور شانتی کی سبیل کرسکین ۔ ایسی قوت صرف انسانون کو عطا کی گئی ہے ۔ انسان کو دنیا مین تین ہستیان ملتی ہین یعنی مادّہ روح اور خدا جنکے وجود سے وہ منحرف نہین ہوسکتا ، اگرچہ اُنمین سے کسی کا اثر قبول کرلینا محض اُسکی مرضی اور انتخاب پر منحصر ہے ۔ اب اگر انسان صرف مادّہ سے اپنا تعلق رکھے جو کہ بیجان ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ماسکۂ احساس مین نسبتاً کمی واقع ہونے کی وجہ سے عقل انسانی مین بتدریج زوال آتا جائیگا جس سے بالآخر اعمال کا مطلوبہ معیار قائم نہین رہ سکے گا ۔ دیگر ارواح سے بھی انسان کے مذکورۂ بالا مقصد برآری نہین ہوسکے گی ۔ کیونکہ روح خواہ کتنی ہی ترقی کرجائے پھر بھی عالم کل نہونے کی وجہ سے اُسمین اکثر خامیون کا موجود ہونا ایک امر یقینی ہے ۔ مکمل گیان والی صرف خدا کی ذات ہے جسکے سہارے سارا انتظام ہستی ایک ہی طریقہ پر برابر کام کر رہا ہے ، عالم کل ہونا ہی خدا کی کامل پاکیزگی کی دلیل ہے کیونکہ خطاؤن کا سبب صرف ناکمل گیان ہے ۔ پس اُسی ذات پاک کی قُربت سے فہم انسانی مین وہ پاکیزگی آسکتی ہے جسکا پاک اثر انسان کے سارے اعمال پر ہوتا ہے ۔ جب یہی قربت ارادتاً کی جاتی ہے تو اُسی کو مُناجات یا عبادت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جسکا مقصد ہے خدائی صفات کو ذہن نشین کرنا اور ممکنات کی حد تک اُنھین صفات کو اپنی ذات مین لانے کی کوشش کرنا ۔ مُناجات کا مقصود ، قوانین قدرت مین تبدیلی چاہنا نہین ہے اور نہ ایسا ہونا ممکن ہی ہے بلکہ اگر مُناجات کسی خاص غرض

سے بھی کیجاتی ہے تو قانون قدرت کا اقرار، مناجات کنندہ کے مقصد برآری کیلیے
اسکو اسی قانون کے موافق عمل پیرا ہونے کی یاد دلاتا ہے یا اسکی غرض کی بیقاعدگی کو
ظاہر کردیتا ہے۔ بہرحال عام طور کی مناجات کا مقصود مستقبل مین ہونے والے انسانی
اعمال کی اصلاح ہے اور روح کو مطلوبہ سکھ اور شانتی ملنے کیلئے بھی اصلاح ایک امر مشروط
ہے۔ پس خدا کی عبادت کرنا انسان کا فرض اولی ثابت ہوتا ہے اور پھر چونکہ انسان عالم کل
نہین ہے پس اسمین "بھول" یعنی نسیان کا مادہ فطرتاً موجود ہے۔ اس بات کو دھیان مین رکھتے ہوئے
یہ امر بھی لازمی ہے کہ معبود حقیقی کی عبادت ایک باقاعدہ طریقہ پر بار بار اور ہمیشہ کی جائے
کہ روح کی تدریجی ترقی مین فطری خامیون کے سبب کسی طرح رکاوٹ پیدا ہو جانے کا احتمال
نہو خدا کوئی بیجان ہستی نہین اور اسکی پاکیزگی اسکے عدل مجسم ہونے کا ایک بین ثبوت ہے پس
وہ مناجات کی طرف التفات بھی ضرور کرتا ہو۔ یہ التفات اس صورت مین آشکارا ہوتا ہے
کہ صفائے باطن کے ظہور کے ساتھ ہی مناجات کرنیوالے کے نیک ارادون مین پختگی آتی
ہے اور ان ارادون کے مطابق کام کرنے کی نسبت سے اسکی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جو
اسکو مسرت حقیقی کے معراج پر تیزی کے ساتھ لیجاتی ہے۔ کارنل یونیورسٹی کے پریسیڈنٹ
ڈاکٹر وھائٹ WHITE نے ساری سوشل مکاریون اور برائیون کا ہونا چند ایسے
عوارض کے سبب مانا ہے جو سوسائٹی کو لاحق ہو رہے ہین۔ آپ کی تشخیص مین پہلا عارضہ
سچائی کی جانب سے لاپرواہی کا برتا جاتا ہے۔ دوسرا عارضہ وہ شک ہے جسکی بنا پر اس امر
سے انکار کیا جاتا ہے کہ دنیا مین کوئی ایسی قدیر و فیاض طاقت بھی ہے جسکے بغیر سچائی کا ملنا
ناممکن ہے۔ تیسرا عارضہ (دہریت) ہی جسکی وجہ سے اس ہستی پر اعتقاد نہین ہے جو کل دہرمون
کا سہارا ہے۔ اور چوتھا عارضہ مادہ پرستی بتلایا گیا ہے جس سے مراد مادی عشرت و دولت
پر ہونے والا وہ عقیدہ ہے جو انسان کے دل سے ملکی محبت کو بالکل زائل کر دیتا ہے پس
ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ عقل سلیم سے کام لیتے ہوے ہم خود اس وبا کی چھوت سے بچین
اور بیمار سوسائٹی کی شفایابی مین بھی مدد دین۔ یہی انسانی زندگی کا مقتضیٰ ہے اور انسانی
فضیلت کا معیار ہے۔

اقبال ورما سحر

حیاتی

فارسی شاعرون مین اس تخلص کے تین شاعر زیادہ مشہور ہین اور تینون کا زمانہ، وطن، اور مولد ومنشا تقریباً ایک ہے اگر انکے حالات جداگانہ قلمبند کیے جائین تو خالی از لطف نہوگا۔

حیاتی گیلانی۔ ابتداءً تجارت کرتے تھے اور اکثر بسلسلہ تجارت کاشان مین آمد و رفت رہتی تھی۔ چونکہ مذاق سخن مناسب طبیعت تھا اور اسطرف فطرتاً بہت مائل تھے۔ زمانہ قیام مین وہان کے مشاعرون مین دلچسپی سے شریک ہوتے اور اکثر اپنے حریف شعر سے سبقت لیجاتے تھے۔ ایک بار گیلان مین ملی شاعر نے بحالت مستی حیاتی پر تلوار کا وار کیا۔ تقدیر کے اچھے تھے، زخم اوچھا پڑا چند روز کے بعد اچھے ہوگئے۔ لیکن تھے عالی ظرف سمجھے کہ نشہ انسان کو فاتر العقل بنا دیتا ہے، باوجود قدرت انتقام اُس سے کچھ تعرض نہ کیا اور کاشان کی راہ لی، پھر وہان سے ہندوستان کا رخ کیا جہان کی کشش اچھے اچھے صاحب کمالون کو اپنی طرف جذب کر رہی تھی اور لوگ قدردانی کی اُمید مین چارون طرف سے اُمڈے چلے آتے تھے حکیم ابوالفتح گیلانی کی سرکار مین رسوخ حاصل کیا اور اس توسط سے دربار اکبری تک رسائی ہوئی اقبال یاور تھا یوماً فیوماً اعتبار و اعتماد مین اضافہ ہوتا گیا، زندگی باطمینان بسر ہونے لگی۔ آخر عمر مین خانخانان کا دامن دولت ہاتھ آیا جسکی دولتخواہی مین انکی بقیہ زندگی تمام ہوگئی۔ پھر خانخانان کی قدرافزائیان بھی دیکھنے کے قابل ہین کہ ملا حیاتی کو خزانہ مین لاکر کھڑا کردیا کہ جتنی اشرفیان لے جاسکین لیجائین۔ حیاتی کا دورہ حیات ۱۰۲۸ھ مین ختم ہوگیا۔ انکی شاعری کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوسکتا ہے۔

ازبسکہ رفو زدیم وشد چاک　　　این سینہ ہمہ بدوختن رفت

سبحان اللہ کیا نازک خیالی ہے۔ جذبہ عشق کی جنون انگیز کیفیت اور اُسکے پُر لطف

انہماک کا اظہار اس سے بہتر پیرایہ مین دشوار ہے ؎

تراہرگز گریبانے نشد چاک　　　چہ دانی لذت دیوانگی را

چون ہیچکس بدانش اصلی نبرد راہ　　　بیدا نشئے بعلم فلاطون برابر است

اس شعر مین بتایا گیا ہے کہ علم کا بڑا مقصد ہے معرفت الٰہی اور یہ کسی کو میسر نہین ۔ جب مقصد ہی مفقود الحصول ہے تو امتیازی مراتب لایعنی ہین جیسے افلاطون ویسے ایک عامی جاہل

چو رسد رقیب خندان کشدم طپیدن دل　　　کہ مبادا دیدہ باشد نظر عنایت از تو

حیاتی کاشی | پہلے سقائی تخلص کرتے تھے منطق مین بڑا توغل تھا حتی کہ اس علم مین کوئی اُنکا ہمسر نہ تھا بعض ملاحدہ کی صحبت سے گمراہ ہو گئے تھے ۔ ایک صراف بچہ کے عشق مین اُسکے ساتھ کاشان سے قزوین گئے اور وہان ایک مدت تک اپنے ہم مشربون مین بسر کی ۔ کچھ لوگون نے اس گروہ کو مع اُنکی چند کتابون کے شاہ طہماسپ صفوی کے حضور مین پیش کر دیا، شاہ نے سب کو خاطر خواہ سزا دی، حیاتی بھی دو سال کی سخت قید اُٹھا کر شیراز چلے گئے اور ایک ورس وہان گذار کر ۹۸۶ھ مین پھر کاشان کا رخ کیا، یہان پہونچکر صدق دل سے توبہ کی اور حسب سابق دین نبوی اختیار کیا

تھوڑے دن وطن مین قیام کرنیکے بعد دکن کی طرف متوجہ ہوے، احمد نگر مین طرح اقامت ڈالی کسی مقرب بارگاہ نے جہانگیر بادشاہ سے تعریف کر دی ۔ دربار سے طلبی کا پروانہ آیا اور حیاتی نے بامتثال امر شرف باریابی حاصل کیا ۔ پھر کیا تھا تقدیر جاگ اُٹھی بادشاہ کی عنایات سے مالا مال ہو گئے ۔ ۱۰۱۹ھ مین مثنوی امیر خسرو مسمی بہ تغلق نامہ کی طرف توجہ مبذول ہوئی ۔ اس کتاب کا ایک صحت مفقود تھا ۔ شعراے دربار کو ایما ہوا کہ نظم کر کے کتاب کی تکمیل کرین ۔ ہر ایک نے بقدر استعداد اپنی اپنی نظم پیش کی مگر ان سب مین حیاتی کی نظم بہت پسند آئی ۔ اسکے صلہ مین حیاتی کو انکے وزن کے برابر زر سرخ و سفید عنایت ہوا جو اندازاً چھ ہزار اشرفی سے کم نہ تھا ۔ انکی شاعری عاشقانہ جذبات سے لبریز اور شیرین کلامی کی جان ہے ؎

می نمایم شاد خود را اگرچہ می میرم زجور　　　تا نیاید رحم در خاطر جفا کار مرا

کیا پاکیزہ تخئیل، اور کس صفائی سے ادا کی گئی ہے۔ اسی سے ملتا جلتا بلکہ یہی مضمون مرزا غالب نے اپنے شعر مین ظاہر کیا ہے مگر کیا لطیف پیرایہ ہے ؎

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضاے جفا شکوۂ بیداد نہین

حیاتی بخاری | یہ بخارا کے رہنے والے اور اپنے ہم تخلص حیاتیون سے جو توران، ہرات، اور خجند کے باشندے تھے شعریت مین فائق و افضل ہین۔ انکے دیوان مین چار ہزار شعر ہین۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ قادر الکلام اور نغز گو شاعر ہین۔ انکے اشعار مین تصوف کا خاص رنگ ہے۔ ایک قطعہ مین کیا خوب کہا ہے ؎

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ　　خلقے بتو مشغول و تو غائب ز میانہ
ہر کس بزبانے صفت حمد تو گوید　　عاشق بسرود غم و مطرب بہ ترانہ
حاجی بره کعبہ و من طالب دیدار　　او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

گیسو بریدہ شد فزون مہرش من گمراہ را　　گم کردہ رہ داند بلے قدر شب کوتاہ را

خاک ہست اشکم اگر باخون بیامیزد بریخ　　گویم بچشم خویشتن تا پاک سازد راہ را

ہنوزم دست بر سر باشد از شوق مے لعلت　　اگر بعد از اجل دوران زخاک من سبو سازد

(ماخوذ)　　ابو الولا محمد زکریا مائل نیوتنوی

جو مجھ دی عشق مین تقصیر ہو گئی　　اب مین خطا کرون بھی تو ایسی خطا نہو
انکو بھی ترک رسم عدو کا خیال تھا　　اب ضد یہ آپڑی ہے کہ اسکا کہا نہو

جیوپٹر

جیوپٹر اگرچہ آسمان پر صرف ایک نقطۂ نور بنکر جلوہ افروز ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت ۱۲۳۰ دنیائیں اسکی وسعت کے برابر ہونگی۔ ہرچند کہ یہ نقطہ ماہتاب کے مقابل مین محض بے حقیقت ہے لیکن ماہرین علم کا یقین ہے کہ جیوپٹر چار ماہتابون پر حکمران ہے جنمین ایک ہمارے ماہتاب سے کہین وسیع تر ہے۔

جیوپٹر کا باوجود اس عظیم الشان جسامت کے اپنے محور پر بسرعت تمام حرکت کرنا اور اسی کے ساتھ ساتھ آفتاب کے گرد چکر لگانا اور بعدہٗ اپنی کشش سے اپنے چار ماہتابون کو زیر نگین رکھنا اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہونچاتا ہے کہ وہ اپنے ماتحت تارون کا مسلّمہ سردار ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جیوپٹر کی مخلوق (اگر وہ عالم وجود مین ہے) اس دنیا کے رہنے والون سے عقل وخرد، قد وقامت مین ضرور فائق تر ہوگی۔ جیوپٹر بذات خود تحقیقات کیلیے عمدہ میدان ہے، اور بالخصوص اسکے چار ماہتابون کا نظام ترتیب، انکا طلوع ہونا اور انکا غروب ہونا انکا آباد ہونا یا غیر آباد ہونا ایک محقق کیلیے نہایت دلچسپ مسئلہ ہے۔

اس امر کو ذہن مین رکھتے ہوئے کہ کائنات مین کوئی شے بیکار نہین پیدا کی گئی ہے یہ خیال ہوتا ہے کہ جیوپٹر کی وسعت ضرور آباد ہوگی، اور وہان مکانات۔ محلات ہونگے، اور وہان بھی زراعت اور تجارت کا بازار گرم ہوگا۔ ہم صرف جسامت ہی کو معیار آبادی نہین قائم کر سکتے۔ کیونکہ آفتاب باوجود اپنی رفیع الشان وسعت کے بالکل غیر آباد ہے۔ وہان کے حالات حیات کے لیے بدرجہ اتم مہلک ہین۔ علاوہ ازین جیوپٹر کی بلاخیز رفتار (کیونکہ وہ ایک سکنڈ ۰۰ میل طے کرلیتا ہے) بھی ضامن حیات نہین کہی جا سکتی۔ بہت سے شہاب ثاقب اور دُمدار ستارے اپنی رفتار مین ضرب المثل ہین لیکن وہان کوئی آثار حیات نہین۔۔

ولفنس کا مشہور و معروف مقولہ ہے: "سطح جیوپٹر ضرور آباد ہے، اور وہان انسان قد و قامت مین بہت بلند و بالا ہوتے ہین۔ وہان انسان کی بلندی ۱۴ فٹ ہوگی" ولفنس نے اس کی تصدیق مین ایک مدلل و مشرح تقریر کی ہے اور علم ہندسہ کے ذریعہ سے بھی اپنے قول کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن دور حاضرہ کے اہل الرائے اسکو قابل وثوق نہین تصور کرتے کیونکہ ایک بالکل دوسری دنیا کے حالات کے متعلق اس دنیا کے ماحول کی مناسبت سے نتائج نکالنا ایک صریحی غلطی ہے۔ اپنے دائرہ علم سے آگے نکلکر انسان بہ تقاضائے فطرت طائر خیال کی بلند پروازیون پر اعتبار کر لیتا ہے چنانچہ بعض صاحبان کا یقین ہے کہ جیوپٹر کی مخلوق پر بال سے مزین ہے، اور بعض کا گمان غالب ہے کہ وہ طبعی قاص ہین۔ غرض ایسے ایسے تخیل بجائے سود مند ہونیکے ترقی علم مین سد راہ بنجاتے ہین۔

یہ ضرور قرین قیاس ہے کہ جیوپٹر کی دنیا نباتات (اگر ہے) تو اس دنیا کے برگ و بار سے ضرور مختلف ہوگی۔ یہ خیال محتاج ثبوت نہین کہ نباتات کا نشو و نما زمین کی کشش پر منحصر ہے۔ اگر اس کشش مین یکلخت کوئی غیر معمولی تفرقہ پڑ جائے تو عالم نباتات مین ضرور ایک تلاطم برپا ہو جائیگا پس اس دنیا کا کوئی درخت یا پودا سرزمین جیوپٹر مین سرسبز نہین ہوسکتا جہان کہ کشش ڈھائی گنی زیادہ ہے۔ اسکے علاوہ جیوپٹر اپنی آفتابی گردش بارہ سال مین ختم کرتا ہے۔ چنانچہ وہان کا ایک ماہ ہمارے سال کے برابر ہوا۔ اور چونکہ اسکا محور سطح گردش پر قریب قریب ایک مکمل زاویہ قائمہ بناتا ہے اسلیے اس انوکھی سرزمین مین تبادلہ موسم یقیناً ناممکن ہے۔ علاوہ ازین کل جیوپٹر مین دن و رات برابر ہوتے ہونگے اور آفتاب کی شعاعین ہمیشہ سیدھی پڑتی ہونگی جسکے باعث روشنی اور گرمی مین ضرور اضافہ ہوتا ہوگا۔ یہ ترتیب فیاض فطرت نے صرف اسلیے جائز رکھی کہ جیوپٹر بوجہ بعید ہونے آفتاب سے نسبتاً کم حدت حاصل کرتا تھا۔

بادی النظر مین خیال ہوتا ہے کہ جیوپٹر کے چار چاند شب کی آسمانی حسن و خوبی کو بالکل برباد کر دیتے ہونگے۔ ہمارے آسمان پر صرف ایک ماہتاب جلوہ آرا ہوتا ہے جسکی پوری روشنی اکثر درخشان ستارون کو جھلملا دیتی ہے۔ اور جس دنیا کے فضائے بسیط مین چار چاند لگے ہون وہان اکثر ستارے رات کو بھی پوشیدہ رہتے ہونگے؟ جیوپٹر کا ایک ماہتاب ہمارے ماہتاب سے

کچھ بڑا ہے۔ دو آدھے ہین اور چوتھا صرف چوتھائی۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ماہتاب آفتاب کی روشنی کا محتاج ہے۔ اور وہان چونکہ بوجہ فصل آفتاب کی روشنی بہت کم ہے اسلیے یہ چارچاند بھی جھلملاتے رہتے ہین۔ فی الواقع اُنکی مجموعی روشنی بھی ہمارے ماہتاب کی روشنی سے بہت کم ہے۔

اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہے کہ سرزمین جیوپٹر ایک ابدی برفستان ہوگی۔ وہ کرۂ زمہریہ ہوگی جہان وجود حیات ناممکن ہے، بعض مبصرین کی راے اسکے بالکل برعکس ہے۔ اُنکا یقین ہے کہ جیوپٹر ایک وسیع آتشکدہ ہے، ایک روشن اور جلتا ہوا کرۂ ارض ہے، جہان سے دھوان اور اُبلتا ہوا رقیق مادّہ فضا مین بلند ہوتا ہے۔ زبردست دوربینون سے صاف ظاہر ہے کہ جیوپٹر ہمیشہ گہرے اور سیاہ بادلون سے ڈھکا رہتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سطح جیوپٹر کئی طبقات مین منقسم ہے جو اپنی صورت وسعت اور ہیت کو ہمیشہ بدلتے رہتے ہین۔ عرصۂ دراز تک اس مسئلہ کی عقدہ کشائی نہو سکی لیکن آفتاب کی موجودہ حالت پر نظر ڈالتے ہوے اور زمین کے گذشتہ افسانہ کو یاد کرتے ہوے کہ وہ بھی کسی زمانہ مین گیس کی صورت مین روشن تھی ہم یہ دعوی پیش کر سکتے ہین کہ جیوپٹر خود آفتاب کی طرح روشن ہے جسکا رقیق مادّہ اُبلتا ہے اور بڑے بڑے مہیب بادل فضاے بسیط مین محیط رہتے ہین اور سرزمین جیوپٹر انسانی قدم سے ابتک پاک ہے۔ یہ کہنا خلاف عقل نہوگا کہ وہ چار چاند آباد دنیا مین ہین جسکو جیوپٹر روشنی اور گرمی سے مالامال کرنے مین اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ یہ ہے حقیقت نظام شمسی کے اُس روشن رکن کی جسکی پرستش کے لیے قدیم قومون نے ایک خاکی گنبد بنایا تھا جسمین ایک بغایت دلفریب مورت نصب کی تھی جسکا بدن آدمی کا تھا، منھ کرگس کا اور جسکے تاج پر مرغ اور اژدہے کا چہرہ بنایا تھا۔ اس مورت کے داہنے ہاتھ مین عمامہ تھا اور بائین مین آفتابہ۔ صابئین اسی رت کو اپنا معبود جانکر صبح و مسا بر اُسکی پرستش مین اظہار گرمجوشی کرتے تھے۔

قدیم یونانی کوہ اولمپس کو جیوپٹر کی جلوہ گاہ قرار دیتے تھے جہان وہ اُترکر اپنے احکامات نافذ کرتا تھا۔ اور جہان سے اکثر اُسکا غصہ آگ بنکر نکلتا تھا اور بصدہا آبادیون کو برباد کر دیتا تھا یونانیون کی تقلید مین اہل روما بھی جیوپٹر کو اپنا سب سے زبردست اور سب سے عزیز

سجدہ ماننے تھے۔ چنانچہ شہنشاہ ٹارٹین نے اُسکا مقام کوہ کیپٹولائن کی رفیع الشان چوٹی پر تعمیر کرایا تھا!!! اہل روما جیوپیٹر کے بیحد عقیدتمند تھے، اسکی اجازت کے بغیر کسی مہم پر جانا انکے یہاں سنگین جرم تھا۔ اور مہم سے واپس آکر اُسکی درگاہ مین سجدہ کرنا اولین فرض خیال کرتے تھے وہ اس نورانی کرہ کو اپنا محافظ حقیقی جانکر اپنی التجائین پیش کرتے تھے اور رحم و انصاف کے اُمیدوار رہتے تھے۔

تماشائی

گرمی ناقابل برداشت اور سفر معمولاً خوشگوار تھا اگرچہ گاڑی ملبی تین گھنٹے لیٹ پہونچی ناپ کرنیوالے نے "ڈے سائڈ" کا نصف غیر مکمل چھوڑ دیا، اور خرابی یہ ہوئی کہ اسنے مسودات بھی واپس نہ کیے، مین نے سورن سے کہدیا تھا کہ وہ مجھے فی الفور بھیجدینا، لیکن خوف ہے کہ مجھے وہ لندن پہونچنے سے قبل نہ ملین گے۔

سوالات کیلیے مین محسوس کر رہا ہون کہ مین یورپ مین زیادہ قیام نہ کرونگا، مین اُس حالت مین نہین ہون کہ دُنیا کا مقابلہ کرسکون اور اُنکے جوابات خاطرخواہ دے سکون مین اپنے لڑکپن کے اُس زمانہ کو واپس لینا چاہتا ہون جب مین مفید فائدہ مندی کے وزن سے آزاد تھا، یعنی مین از سر نو آغوش مادر مین پیدا ہونا چاہتا ہون، یہ سیکھنے مین پوری عمر صرف ہوجاتی ہے کہ حیات کی غیر مصنوعی سادگی خود حیات ہی ہے۔ لیکن اب اس خیال سے لطف اندوز ہونے کا وقت اور موقع کہان؟ اُن دیوارون کو منہدم کرنیکے واسطے جو ایک شخص پورے ساز و سامان سے تیار کرتا ہے غیر معمولی ہمت درکار ہے، اس عمارت کی بھی ضرورت ہے، اور اسکے منہدم کرنیکی بھی، حیات ایک قیدخانہ ہوجاتی ہے اگر وہ اپنے وقت سے متجاوز ہوجائے، مجھے شک ہے کہ آیا میری روح کے بازو مکمل ہوگئے ہین؟ لیکن وہ آزادی کے واسطے بیقرار ضرور ہے۔

سکوت حاصل کرنے کی سعی کرنا، اور اپنی ذات کے متعلق غور کرنے اور اُسکے مفید بنانے کے واسطے وقت نکالتے رہنا۔ (ترجمۂ ٹیگور)

تنقید کتب

مطبوعات ہندی پستک ایجنسی کلکتہ

ہندی پستک ایجنسی کو وجود مین آئے ہوے زیادہ عرصہ نہین گذرا مگر اسی مختصر زمانہ مین اُسنے ہندی مطابع مین خاص شہرت اور وقار پیدا کر لیا ہے - منشی پریم چند کی اکثر ہندی تصانیف اسی مطبع سے شایع ہوئی ہین - اسکے علاوہ اور کتنی ہی مفید کتابون کی اشاعت کا فخر اُسے حاصل ہوا ہے - اسوقت قومی تعلیم کا بہت چرچا ہے - محکمۂ تعلیم کی کتابون مین خاص خامیان نظر آتی ہین - مگر ابھی تک قوم کی جانب سے اُن کتابون کی جگہ پر کوئی ایسی کتاب یا نصاب نہین شایع ہوا جسمین سرکاری کتب کے نقائص کو دور کرکے ایسے سبق رکھے جاتے جنسے قومی اور ملکی جذبات کا نشو ونما ہو - اسلیے یہ موجب مسرت ہے کہ ہندی پستک ایجنسی نے ہندی نصاب شایع کرکے اس کمی کے دور کرنے کی کوشش کی ہے - اس نصاب مین چھ کتابین ہین - چھ سال کا کورس پورا کرنیکے بعد ہندی لکھنے اور پڑھنے کی کافی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے - بابو رام داس صاحب گوڑ ایم اے سابق پروفیسر ہندو یونیورسٹی نے جنکی علمی لیاقت مسلمہ ہے ان کتابون کو مرتب کیا ہے - ان کتابون مین ادبی تاریخی - جغرافی، علمی، اخلاقی، ہر قسم کے مفید انتخابات کیے گئے ہین - کاغذ، ٹائپ اور چھپائی وغیرہ کا خاص اہتمام کیا گیا ہے اور قیمت نہایت مناسب رکھی گئی ہے - کہا جاتا ہے کہ یہ سب کتابین لاگت کے دامون پر شایع کی گئی ہین کیونکہ انسے نفع مقصود نہین ہے - صرف قومی ضرورت کی تکمیل ملحوظ ہے - ایڈیٹر صاحب نے حتی الامکان اسکا بھی لحاظ رکھا ہے کہ ہندی کے ساتھ طلبا کو اُردو کے روزمرہ الفاظ کا ایک کارآمد ذخیرہ حاصل ہوجائے اور اس کوشش مین وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین - ان سب کتابون کی خصوصیت وہ اسباق ہین جنسے

حب وطن کو تقویت ہو۔ نظم کے حصہ مین قدیم و جدید ہر دو رنگ کے انتخاب کیے گئے ہین۔ ان کتابون کے پڑھنے سے محض ادبی فوائد نہ حاصل ہونگے بلکہ علمی اور تاریخی معلومات کا دائرہ بھی وسیع ہوگا۔ ایسے سبق کتابون مین التزاماً دیے گئے ہین۔ اگر کوئی نقص ہے تو یہ کہ تدریج کا کافی لحاظ نہین رکھا گیا ہے۔ بعض اسباق جو چوتھے حصے مین ہین چھٹے حصے کے لائق ہین۔ علیٰ ہذا چھٹوین حصے کے بعض اسباق چوتھے حصے مین درج ہونے چاہیے تھے

سور ساگر

پروفیسر بینی پرشاد ایم اے پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی نے ہندی کے مشہور و مایۂ ناز شاعر سورداس کی شاعری کا ایک خوبصورت و نصیحت بخش مجموعہ شایع کر کے ہندی ادب پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔ سورداس ہندی شاعرون مین بہت ممتاز ہین اور انکی شاعری کو ایشور بھگتی سے خاص مناسبت ہے۔ انکی شاعری سے ہر شخص کو مسرت حاصل ہوتی ہے آپکی شاعری نوجوانون کے لیے نہایت سادہ ہے اور بڑون کیلیے ان الفاظ مین کوٹ کوٹ کر معنی پنہان ہین۔ آپنے قریب ایک لاکھ بھجن تصنیف کیے تھے مگر اب دستیاب نہین ہوتے ہین

پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہین کہ "بدقسمتی سے انکی زندگی کے حالات کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہین لگتا۔ ہومر۔ شیکسپیر۔ بالمیک، کالیداس اور دیگر مشہور شعرا کی طرح انکی شاعری بھی اُن کی انسانی زندگی کا روشن فوٹو ہے۔ اور باقی تاریکی مین چھپا ہوا ہے" مختصر حالات لکھنے کے بعد سورداس کی شاعری کا مختصراً انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب اُن لوگون کے لیے نہایت مفید ہے جو سورساگر جیسی ضخیم کتاب کا مطالعہ کرنے کیلئے وقت نہین نکال سکتے۔

یہ کتاب نہایت تحقیق و تجسس کے بعد لکھی گئی ہے اور چھوٹے سائز کے ساڑھے چار سو صفحہ پر شایع ہوئی ہے جلد اور چھپائی نہایت خوبصورت ہے۔ قیمت ۲/۸ مقرر ہے۔ انڈین پریس الہ آباد سے مل سکتی ہے۔

قطرات اشک

اس عنوان سے مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی کے چند مضامین ایک کتاب مین شایع کیے گئے ہین۔ مولوی صاحب کو مستورات کی زبان لکھنے کا خاص شوق ہے اور یہ

التزام اُن مضامین مین بھی موجود ہے۔ چھوٹی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر قیمت ۸ رکھی گئی ہے دارالاشاعت پنجاب لاہور سے طلب فرمائیے۔

شاہین و دراج

یہ بھی مولوی صاحب موصوف ہی کی تصنیف ہے جسمین شاہین و دراج کا قصہ بطور ناول لکھا گیا ہے۔ اسکا سین زابلستان مین ہے شاہین وہان کی ملکہ ہے جسکو درّاج سے محبت تھی بالآخر وزیر اعظم کی افترا پردازی سے دراج کی ہلاکت عمل مین آئی۔ آخری سین نہایت دردناک ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے ۸ قیمت پر کتاب ہذا مل سکتی ہے۔

راہ و رسم منزلہا

اس عنوان سے ایک چھوٹی سی کتاب مین ابو رشید عبد المجید خان صاحب سالک بٹالوی کی چند متفرق نظمون کو شایع کیا گیا ہے جنمین زبان کی صفائی اور شگفتگی خیال کے اوصاف موجود ہین۔ قیمت ۸ دارالاشاعت پنجاب لاہور سے طلب کیجائے۔

آئینہ حرم

محترمہ ز۔ ح۔ ش۔ صاحبہ (علی گڑھ) کی چند نظمین ایک کتاب کی صورت مین شایع کیگئی ہین جنمین حقوق نسوان کی پُرزور حمایت کیگئی ہے۔ طرز بیان پختہ۔ تخیل زوردار موثر ہے اور کسی مشاق شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان مستورات کیلیے ان نظمون کا مطالعہ خصوصیت کے ساتھ مفید ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے ۸ قیمت پر کتاب ہذا دستیاب ہوسکتی ہے

پھولون کی کلیان

سید امتیاز علی صاحب تاج نے اس کتاب مین بچون کیلیے دلچسپ کہانیان لکھی ہین جو انکو پڑھنے کا شوق دلانے کیلیے مفید ہوسکتی ہین۔ اس قسم کی کتابین ملک کے ابتدائی مدارس مین عموماً پڑھائی جاتی ہین اور نوعمر بچون کو تعلیم دینے کا یہ قدرتی اور آسان طریقہ عام طور پر رائج ہے جو ہر طرح مفید ثابت ہوا ہے۔ دارالاشاعت پنجاب لاہور سے طلب کیجائے۔

دیار حبیب

محمد شفیع الدین خان صاحب مرادآبادی نے اس کتاب مین مدینہ طیبہ کی مفصل تاریخ لکھی

ہے ۔ کتاب سے پہلے شہر مدینہ کا ایک نقشہ بھی دیا گیا ہے ۔ اہل اسلام خصوصاً عازمان حج کیلئے اس کتاب کا مطالعہ خاص دلچسپی کا باعث ہے ۔ قیمت مع محصول ۱۲ پبلشر محمد رفیع الدین خان بھٹی محلہ مراد آباد ۔

اسلام کا اثر یورپ پر

قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی نے اس چھوٹی سی کتاب مین ثابت کیا ہے کہ یورپین تہذیب وشائستگی اسلامی تہذیب کے اثر کا نتیجہ ہے جو حروب صلیبیہ کے زمانے سے یورپ پر پڑنے لگا تھا ۔ اپنے قول کی تائید مین بعض یورپین مصنفین کے بیانات بطور سند پیش کر کے قاضی صاحب نے اپنے دعوے کو پایہ ثبوت تک پہونچا دیا ہے ۔ دائرۂ ادبیہ لکھنؤ سے طلب کیجیے ۔ قیمت فی جلد سنہری ۱۲ غیر مجلد ۴

لینن اور انقلاب روس

روس کے مشہور بولشیوک لیڈر ایم لینن کے سوانحی حالات کو حسن عزیز صاحب بھوپالی نے ایک کتاب کی صورت مین قلمبند کیا ہے جسمین گزشتہ جنگ یورپ کے واقعات کا ایک بڑا حصہ آگیا ہے ایسے عظیم شخص کے حالات غیر معمولی دلچسپی رکھتے ہین جسنے زار نکولس ایسے زبردست شہنشاہ روس کو معزول کر کے ملک روس مین ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا ۔ ایس کے عزیز اینڈ کمپنی تاجران کتب شیرانوالہ گیٹ لاہور سے ۱۲ قیمت پر کتاب ہذا دستیاب ہو سکتی ہے ۔

نیرنگ ارض

مولفہٗ

جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بی اے ۔ بی ۔ ایل

اس کتاب مین جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسایل نہایت خوش اسلوبی سے جمع کیے گئے ہین دیباچہ مین حضرت مؤلف تحریر فرماتے ہین "کہ مین نے اس کتاب کو اس غرض سے لکھا ہے کہ بچون مین قوت مشاہدہ بڑھے اور مسائل طبعی پر غور کرنے کی عادت پیدا ہو" واقعی بچون مین طبعی مسایل اور حقایق سائنس کا شوق پیدا کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ ابتدائی مسایل انکو دلچسپ طریقہ سے بتا کر قوت مشاہدہ کو بیدار کیا جائے ۔

اسمین شک نہین کہ ہندوستان مین عورتین تو ایک طرف اکثر مرد بھی ابتک پرانی روش پر قائم ہین۔ وہ زمین کو ساکن، آفتاب کو متحرک اور آسمان کو سقف بے ستون سمجھتے ہین۔ لیکن بتدریج ایسے خوش فکر لوگون کی تعداد مین کمی ہو رہی ہے۔ جون جون علم کی روشنی، جہالت کی تاریکی پر غالب آتی جاتی ہے مسایل علمی وحقائق سائنس مقبول ہوتے جاتے ہین۔

ابتک جو کتابین اردو مین اس موضوع پر لکھی گئین انمین ایک بڑا نقص یہ پایا جاتا ہے کہ اکثر انگریزی اصطلاحون کا ترجمہ نہین کیا گیا۔ اور جہان کہین ترجمہ کیا گیا ہے اسمین مذاق سلیم سے کام نہین لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی اصطلاحون کے مقابل اردو اصطلاحات فصیح اور عام پسند نہین ہوئین نیرنگ رصد مین اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے جناب مؤلف نے حتی الامکان عام فہم اصطلاحی الفاظ استعمال کیے ہین۔

عنوانات کی تحت مین مضامین نہایت خوبی سے تقسیم کیے گئے ہین۔ روکھے پھیکے مضمون کو حتی الامکان دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور مؤلف صاحب بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین۔ جہان ضرورت سمجھی ہے وہان تصاویر بھی دی گئی ہین۔

اگر یہ کتاب محکمۂ تعلیم کے مجوزہ نصاب مین داخل ہو جائے تو اس سے طلبا اور معلمین دونون کو بہت فائدہ ہوگا۔

کاغذ عمدہ۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب ہے۔ تصاویر اور نقشہ جات نہایت صاف ہین۔ قیمت عہ مطبع آگرہ اخبار آگرہ سے مل سکتی ہے۔

نامی جنتری

یہ بڑی جنتری اب بھی اوسی شان سے نکلتی ہے، جیسی رعد مرحوم کی نگرانی مین نکلتی تھی۔ اب اسکے مرتب جناب صبغۃ اللہ صاحب برق رعد مرحوم کے خلف اکبر ہین۔ اِلکی مرتبہ اسکے صفحات پر تاریخ مغلیہ کا آغاز کیا ہے مصطفی کمال پاشا وغیرہ کی تصویرین بھی دی گئی ہین غرض یہ جنتری مفید معلومات اور دلکش واقعات کی مرقع ہے، شائقین ضرور لاحظہ فرمائین کاغذ عمدہ کتابت طباعت دیدہ زیب قیمت قسم اول ۱۲ ر قسم دوم ۶ ر علاوہ محصول

ملنے کا پتہ محمد صبغۃ اللہ برق، نامی پریس فراشخانہ کانپور

قریہ ویران

میخانہ

سرکشیدہ جھاڑیاں کانٹوں کی ہیں جس جا کھڑی
تھی وہاں اک در پہ کیا خوش رنگ سی تختی جڑی
جانے والوں کی نگاہیں ٹھیر جاتی تھیں وہاں ۲۲۰
دور روح افزا سے رنگین کا چلتا تھا جہاں
بے نشان ہے وہ مکان استانہ تھی جسکی نوید
وجد کرتی تھی جہاں ہنستی ہوئی ریش سپید
مسکراتے شام کو مزدور آتے تھے وہاں
(اُف رے میخانے اترا وہ دلربا دلکش سماں)[1]
آہ جس جا خاک میں پنہاں پڑا ہے تیرا گھر
باتیں کرتے تھے سیاست دان قریہ بے خبر
وہ نگاہیں اُن کی سنجیدہ وہ خبروں کا بیان
تازہ مے سے بھی کہیں بڑھکر پرانی داستان
وہ تری آرائشیں اور وہ ترا جاہ و جلال
ڈھونڈھتا ہے اُن کو کس شوق و تمنا سے خیال
وہ سپیدی تیرے دیواروں کی وہ اس کی جلا
ریگ آلودہ ترا وہ فرش کیا اچھا بنا

[1] قوسین میں جو مصرعے تحریر ہیں انھیں اصل نظم سے کوئی تعلق نہیں۔

وہ مجلا اک گھڑی رہتی تھی جو سرگرم کام
اور پس در سے کیا کرتی تھی کھٹ کھٹ صبح وشام
کتنا کارآمد ترا صندوق خانہ دار تھا
شب کو بستر دن کو سرمایہ کا ذمہ دار تھا ۲۳۰
باعث زینت تھین عبرت خیز تصویرین تری
بازی شاہانہ اور وہ گیک کی جلوہ گری
تیری دیوارین ادب آموز تھین اسے مرحبا
قاعدے اخلاق کے کندہ تھے جن پر جا بجا
تیر آتش وان جب خاموش ہوتا اک ذرا
خوشنما شاخون سے سوئے کی وہ رہتا تھا لدا
ٹوٹی پھوٹی پیالیون کی چائے کی ڈھری قطار
کس طرح دکھلاتی تھین اپنے چمکنے کی بہار

بند چہاردہم

حیف ہے! آرائشین فانی یہ کل بیکار تھین
گرتی دیوارون کو تیری وہ نہ قائم رکھ سکین
قعر گمنامی مین اب تیری عمارت ہے پڑی
دل غریبون کا بہلتا تھا جہان اک دو گھڑی ۲۴۰
پاس تیرے فکر دل سے کر نہین جاتا کوئی
غم غلط کرنے کسانون مین نہین آتا کوئی
حال اخبارون کا دہقانی نہین کرتے بیان
گاؤن کی خبرون کو اب سننا نہین ممکن یہان
قصہ گونائی فسانے اب سنا جاتے نہین
گیت اپنے اب لکڑہارے بھی گا جاتے نہین

نہ نوبہار آتا ہے اب کوئی قرین تیرے نظر
صاف جو چہرہ کرے اپنا سیاہی پونچھ کر
پھر وہ جھک جائے ذرا قصون کو سُننے کے لیے
جس سے اعضائے قوی کو اُسکے چین اِکدم ملے
نہ تو خود اب میزبان پھرتا ہے نگران صف بہ صف
تا چھلکتے ساغرون کا دور ہو چارون طرف
نہ تو شرمیلی وہ لڑکی تیرے در پہ ہے کھڑی
منتظر دل مین ہو جو اصرار کی خود ہر گھڑی
منتون کے بعد اترا تی ہوئی آئی بشتاب
اِک ذرا چکھ کر بڑھا دے نازسے جامِ شراب　　۲۵۰

(باقی آیندہ)

سیّد راحت حسین بی اِل

کلام محبوب

آب رواں مین عکس پڑا آفتاب کا　　نقشہ سا کھنچ گیا ہو مرے اضطراب کا
گھبرا نہ جانا مثل کلیم اے ہوائے دل　　وقت آ رہا ہے اُنسے کلام و خطاب کا
دنیا نے، دل نے، زیست نے، سب نے دیا جواب　　اب صرف انتظار ہے اُنکے جواب کا
تعبیر یون کیا ہے دلِ نامراد کو ہُو　　تھا اک خیال وہ بھی جوانی کے خواب کا
دل ہو گیا فنا تو حجابات اُٹھ گئے　　اسکا وجود راز تھا اُنکے حجاب کا
سمجھے ہین جسکو حشر، فقط اتنی بات ہے　　یاد آ گیا ہے خواب مین اُٹھنا نقاب کا

فریبِ استغنا

لکھ چکین وہ کہ "تجھے کچھ تری پروا نہ رہی
تجھسے ملنے کی بھی اب کوئی تمنا نہ رہی

تو نے مجھے نامۂ الفت جو لکھا کرتا ہے
یہ بھی اک رسم جنون ہے کہ ادا کرتا ہے

مین نے دیکھا بھی نہین خط مین لکھا کیا تونے
میری خاموشی پہ یہ سم کو نہ سمجھا تو نے

تو نے ہر چند کیا مجھ سے بصد شوق خطاب
یہ تو بتا کہ ملا کچھ مری جانب سے جواب

تجھسے بیزار ہے کچھ دن سے طبیعت میری
صاف کہتی ہون کہ تو چھوڑ دے الفت میری

مین نہین چاہتی اب تجھسے رہ و رسم نیاز
تو نہ ہمراز مرا اور نہ مین تیری دمساز

پھر کہے دیتی ہون خط کوئی نہ آئے مرے نام
مجھکو منظور نہین اب یہ سلام اور پیام

مٹ گئی حسرتِ دل جب یہ ملا صاف جواب
اُڑ گئے ہوش و حواس آہ جو دیکھا یہ عتاب

یا تو مدت سے نہ پائی تھی کسی خط کی رسید
یا ملی اُنکی یہ تحریر خلافِ امید

حوصلے پست ہوے ٹوٹ گیا دل میرا
ہو گیا غرق سفینہ لبِ ساحل میرا

طاقتِ صبر و سکون ہاتھ سے کھو بیٹھا مین
جان سے ہاتھ غمِ یاس مین دھو بیٹھا مین

نامرادی مین نہ مجھے ضبط کا یارا نہ رہا
عالمِ یاس مین اک خط اُنھین تحریر کیا

مل گیا مجھکو مری جان وہ مکتوب عتاب
اور معلوم ہوا باعث تاخیر جواب

تمنے جو مجھسے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے
اے ستمگر یہ نرالی ستم آرائی ہے

بے وفا ترک محبت کا یہ انداز نہین
اب رہائی! کہ مجھے طاقتِ پرواز نہین

یاد ہے تمکو وہ پیمان محبت کہ نہین،
وہی ہم تم ہین وہی شان محبت کہ نہین

مجھ سے ملنا نہیں اب تمکو گوارا نہ سہی — زندگی کا جو نہیں کوئی سہارا نہ سہی
میری الفت مگر اک روز نمایاں ہوگی — تم کسی دن مری میت پہ پشیمان ہوگی
میرے اس خط کا ہر اک لفظ ہے پتھر کی لکیر — دیکھ لینا یہی ہوگا جو کیا ہے تحریر

ہائے اُس محوِ تغافل کو مری یاد کہاں — لے چلا ہے مجھے پھر اے دلِ ناشاد کہاں
دیکھئے کیا مری قسمت مجھے دکھلاتی ہے — اک کشش ہے کہ اُدھر کھینچے لیے جاتی ہے
یا تو بس آج پلٹنے کو ہے میری تقدیر — موت ہونے کو ہے یا آج مری دامنگیر
لو اُسی دُھن میں دریا تک آپہونچا میں — مثل بلبل درِ گلزار تک آپہونچا میں

سامنے باغ میں وہ کرسی پہ ہیں جلوہ نما — ہیں وہی حشر کے انداز قیامت کی ادا
ہر طرف پھیلی ہے گیسوے معنبر کی شمیم — بوے گُل لیکے اُدھر بڑھتی ہے جب موجِ نسیم
بال کچھ عارضِ انور پہ بکھر جاتے ہیں — اُڑکے کچھ دوش پہ یہ سانپ سے لہراتے ہیں
ہاتھ میں ہے کسی کمبخت کا مکتوبِ فراق — اور وہ مصروف ہیں پڑھنے میں بصد استغراق
خیر اتنک ہے دلِ زار سنبھل واپس چل — دیکھ پھر تجھسے میں کہتا ہوں کہ چل واپس چل
دیکھ پائینگی اگر وہ تو قیامت ہوگی — ہو نہ ہو تجھکو مگر مجھکو ندامت ہوگی
دلِ بیتاب بھلا عاقبت اندیش کہاں — لاکھ سمجھاؤ مگر فکرِ پس و پیش کہاں
آخرش لے ہی گیا اُس ستم آرا کے قریب — جا ہی پہونچا میں دبے پانوں پس پشت حبیب
گو کبھی عفو کے قابل تو نہ تھی یہ تقصیر — دیکھ لی ہاتھ میں اُنکے مگر اپنی تحریر
یعنی پڑھتی ہیں وہ جس خط کو بصد استغراق — ہے وہی تھی ناشاد کا مکتوبِ فراق
پڑھتے پڑھتے کبھی آتا ہے تبسم لب پہ — اور آنکھیں کبھی ہوجاتی ہیں اشکوں سے تر
ٹھنڈی سانسوں سے کبھی رنج کا ہوتا ہے ظہور — بول اُٹھتی ہیں کبھی خود کہ تری جان سے دور
اب میں سمجھا کہ نہ تھا مجھپہ حقیقت میں عتاب — یہ بھی اک چھیڑ تھی اُنکی جو دیا تلخ جواب
کج ادائی کی نہ یہ تھیں خفگی کی باتیں، — سچ تو یہ ہے کہ بناوٹ کی تھیں ساری گھاتیں

دل مین الفت تھی بظاہر نہ مجھے معتوب کیا / میری ناسمجھی نے اُسنے نہ مجھے محجوب کیا
حق بجانب ہے جواب مجھسے وہ ہو جائین خفا / جی مین آتی ہے کہ یون کہیے اب عذرِ خطا
بارہا تجربہ بخویش چو کافی دارم / من گنہ کردم و امید معافی دارم

پھر اُنھین حالِ دلِ زار سُنایا مین نے / مختصر یہ ہے کہ روٹھے کو منایا مین نے
دیر تک میری جسارت رہی ناقابلِ عفو / کر دیا میری معافی نے مگر مائلِ عفو
الغرض اب مری جانب سے کدورت نہ رہی / مجھکو شکوے نہ رہے اُنکو شکایت نہ رہی

شکر صد شکر کہ پھر فہمی مغموم ہے شاد
للہ الحمد میانِ من و او صلح فتاد

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

گنج شہیدان

نہایت عبرت آگین ہین نشان گنج شہیدان کے / کہا کرتے ہین افسانے یہ اُن مردان میدان کے
تواریخین رنگی ہین جنکی خونی داستانون سے / ابھی تک خون کی بو آتی ہے جنکے فسانون سے
کفن بردوش ہو کر، سر بکف گویا یہ پھرتے تھے / تڑپکر وجد کرتے تھے جو زخمی ہو کے گرتے تھے
سب ابنائے وطن نازان تھے اس جنگی جماعت پر / رہا کرتے تھے آمادہ یہ سب ملکی حمایت پر
بسر یہ زندگی کرتے تھے تلوارونکے سائے مین / یہ کیا ممکن تھا فرق آئے ذرا بھی انکے پائے مین
انھین آخر مین موت آئی ہو اس داغ غربت مین / پڑے سوتے ہین کس آرام سے اب کنج تربت مین
سبق عبرت کے دیتے ہین سوانح زندگانی کے / شکستہ مقبرے ٹوٹے محل دنیائے فانی کے
انھین تو دو زمین کچھ باقی ہین ریزے استخوانونکے / بصد حسرت ہین جنپر نوحہ خوان کتبے مزارونکے
نہ شمع گلفشان باقی نہ سامانِ لحد باقی / نہ وہ چادر رہی پھولونکی نہ وہ نشانِ لحد باقی
شکستہ تربتین کچھ ریزہ ہائے استخوان کچھ ہین / غرض ایسے ہی اب انکے نشانونکے نشان کچھ ہین

قاضی نثار احمد

لطف سخن

جناب محشر لکھنوی

عدم کی راہ مین جانِ حزین کا ہم سفر نکلا
مبارک ہو مرے دل سے کوئی تیرِ نظر نکلا

دل پرغم کے سرمایہ کا صرف باحصل دیکھا
خوشی یہ ہے ترا پیکان لہو مین ڈوب کر نکلا

عجب انداز پر ہے حسن کی دنیا مین آبادی
نظر کی ہمنے جسپر جا کے وہ شوریدہ سر نکلا

مآل ایذائے روحانی کا دل پہ خود ہوا روشن
کسی محفل سے نکلا تو نگر مین باخبر نکلا

شہید ناز تھا ہر قطرہ خون میری رگِ جان کا
جوانی مین وہ ظالم جبکہ خنجر باندھکر نکلا

ذرا سنگِ درِ محبوب کو بھی آزما دیکھین
نکلنا تھا نہ دُنیا مین علاجِ دردِ سر نکلا

طریقِ عشق مین سرگشتگی قسمت کی کیا کہیے
اُڑا جو خاک کا ذرہ فریبِ رہگذر نکلا

نہ پوچھ اے ہم نفس فرقت کی شب مین لذتِ ایذا
مرے دل مین غم جانانہ عدوئے چارہ گر نکلا

اگر شمعین نہین آگاہ پروانے تو واقف ہین
سحر کو بزم جانانہ سے مین کیا لیکر اثر نکلا

غم فرقت مین آنسو روح کو لیتے ہوئے نکلے
ترے ہمراہ میرا حوصلہ اے چشم تر نکلا

نظر بھر کر نہ دیکھا شکل موجودات کو دم بھر
ترا محوِ تماشا دو جہان سے بے خبر نکلا

تجھے پہونچا دیا منزل پہ جذبِ عشق دلبر نے
جسے سمجھا تھا ناصح راہزن وہ راہبر نکلا

خمارِ نشہ مین آنکھین تھین خالی جام کی صورت
کسی محفل سے محشر اسطرح وقتِ سحر نکلا

جناب تسکین سوروی

ہوگئی اُسسے محبت ہوگئی
اب تو مرمٹنے کی صورت ہوگئی

کچھ نہ پوچھو زندگی کی تلخیان
آرزوؤن سے بھی نفرت ہوگئی

اللہ اللہ عشق کی نیرنگیاں | میری صورت انکی صورت ہو گئی
اسقدر رویا مین ہجر یار مین | دل سے آنکھون کو ندامت ہو گئی
وہ کسی کی آرزو جو دل مین تھی | بڑھتے بڑھتے درد فرقت ہو گئی
کوئی آکر رکھ گیا ہے چار پھول | اب مری تربت بھی تربت ہو گئی
اشتیاقِ دل کی کوئی حد نہ تھی | خیر یہ گذری کہ فرقت ہو گئی
وہ چھپے جب تک جہان قائم رہا | وہ نکل آئے قیامت ہو گئی

عشق کی تاثیر تسکین دیکھ لو
چار دن مین کیسی صورت ہو گئی

جناب جگت موہن لال صاحب رواں

ہو گئی وجہ سکون گردش تقدیر مجھے | خواب سے پہلے نظر آتی ہے تعبیر مجھے
قبر تک لائی ہو احباب کی تدبیر مجھے | آگے لیجائے کہان دیکھیے تقدیر مجھے
دل ہوا آزاد تو ہے قید بھی سامان نشاط | ہو گیا ساز طرب نغمۂ زنجیر مجھے
عبرت آموز ہے آئینۂ اسرار فنا | ہے بیاضِ کفن اک صفحۂ تفسیر مجھے
خون انصاف ہے آمین۔ تو مبارک ہو حضور | آپ کو آپ کی رحمت میری تقصیر مجھے
جو زمانے کے خیالات ہین کرتا ہون ادا | جانیے آپ میرے درد کی تصویر مجھے
مِل گیا مل گیا انجام گنہ اے داور | اب خیالات مرے دیتے ہین تعزیر مجھے
یہ نیا طرز ستم ہے کہ پنھاتا ہے وہ شوخ | غیر کے پاؤن کی اُتری ہوئی زنجیر مجھے
سترِ انوار حقیقت ہے مرا پردۂ زیست | توڑ دیتا ہے یہ آئینۂ تصویر مجھے

بوئے خون آتی ہے ہر گوشۂ گلشن سے رواں
مقتل حسن ہے یہ خاک کی تعمیر مجھے

جناب ضبط بسوانی

دیکھ اے ناوک فگن ورزشِ یہ دل مین ہے | تیر چٹکی مین ہے پیکان سینۂ بسمل مین ہے
حشر مین کسکو نگاہین ڈھونڈتی ہین ہر طرف | وعدۂ دیدار کس سے اس بھری محفل مین ہے

زیر خنجر کس قیامت کا ہے صدمہ روح پر
شوق کہتا ہے کہ آسانی اسی مشکل مین ہے

انتہائے عشق نے کیا حسن پیدا کر دیا
میری صورت دیکھتا ہے جو تری محفل مین ہے

کشتیٔ امید ہے گرداب بحرِ عشق مین
گوہرِ مقصود اپنا دامنِ ساحل مین ہے

آتے آتے راہ پر آجائینگے گم کردہ راہ
دور افتادہ ہے منزل سے کوئی منزل مین ہے

کوئی اتنا بھی نہ تھا غربت مین وقتِ جانکنی
پوچھ لیتا مرنے والے کوئی حسرت دل مین ہے

دیکھئے کیونکر نکلتی ہے دلِ غمناک سے
ضبطِ جانِ عاشقی ہے جو تمنا دل مین ہے

احسن شمبھی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

دل تھا تو یہ فطرت کے مناظر تھے نظر مین
اب شام مین کچھ لطف ہے باقی نہ سحر مین

اٹھنے لگی پھر اے شبِ غم ٹیس جگر مین
کھنچنے لگی پھر موت کی تصویر نظر مین

اللہ کچھ بھی نہین سوزِ جگر مین
فریاد کہ اک آگ لگی ہے مرے گھر مین

مین دیکھ چکا شامِ غریبی کا تماشا
اب منظرِ ہستی بھی ہے اک ایک نظر مین

پھر دل کو تمنا ہے کسی تیرِ نظر کی
شاید کہ کوئی خون کا قطرہ ہے جگر مین

نالون پہ ہے، ابتک مجھے شک بے اثری کا
ہر چند کہ یہ ڈوب کے نکلے ہین اثر مین

کیا جانے کوئی اشکِ ندامت کی حقیقت
بخشش کے یہ موتی ہین مرے دامنِ تر مین

وہ صبحِ شبِ عیش وہ تارونکی اداسی
سو داغ نظر آتے تھے دامانِ سحر مین

جائین گے کہان دل سے نکلکر مرے نالے
ناکامی جاوید ہے آغوشِ اثر مین

مرتا ہون کہ معلوم ہو مرنے کی حقیقت
یا رب ہے کس انداز کا سودا مرے سر مین

نظارہ ہے اس جلوہ گہِ ناز مین حیران
بیتاب ہین جلوے مری آغوشِ نظر مین

بے وجہ تو احسن یہ یہ غفلت نہین طاری
شاید کوئی تسکین کی صورت ہو نظر مین

چتا

(اپنے شوہر کی لاش کو جلتا ہوا دیکھکر)

پھونک دے، پھونک دے، ہاں ہاں میرے ارمانوں کے اُس مجسمہ کو پھونک دے جسکی تصویر خیالی اب تک میری آنکھوں کے پردے میں پنہاں ہے، ہاں اے آتشِ سوزاں پھونک دے اور اس پیکرِ خاکی کو خاک کر دے، جو میری تمناؤں کا مرکز تھا اور اُسی کے ساتھ میرے دلِ سوزاں اور جانِ پُرغم کو بھی جلا کر خاکستر کر دے۔

گنگا کی بھینی بھینی ہوا کیا، تم میرے اضطرابِ دل کی تصویر کھینچ رہی ہو، کیا تم میں میری بیتابیوں نے حرکتِ مذبوحی پیدا کر دی ہے کیا تم اُس راکھ کے ڈھیر کو بہا لیجانے کیلئے بیتاب ہو جسمیں میری تمناؤں کی چنگاریاں دبی ہیں اور جو میرے احساساتِ قلبی کا مدفن ہے۔

آہ۔ کیا اب ساحل اسی منظر کے دیکھنے کے لئے میں نے اپنے "پران پتی" سے منت کر کے کوٹھی بنوائی تھی،

اے چتا، اے میرے قلبِ سوزاں کی مصور، تیری زبانِ آتشیں سے جو نغمۂ خاموش نکلتے ہیں اُنسے فضاءِ بسیط لبریز ہے، لہریں سُنتی ہیں اور ساحل [illegible] سُن رہے ہیں، ہوا سنتی ہے، اور اُسکے جھونکے مضطرب ہیں، میں سنتی ہوں اور میرے گرم گرم آنسو اور نالۂ پیہم اسکی ترجمانی کر رہے ہیں۔

دُنیا، چتا میں جلنے والے کو دیکھ رہی ہے، مگر کون جانتا ہے کہ چتا کا ایک ایک شعلہ جو نار ہو کر "سب کی آنکھوں سے پنہاں" کسی بیکس کے دل پر بجلیاں بن بن کر گرتا ہے، اور اُسکی متاعِ امید و آرزو اور سرمایۂ صبر و شکیب کو جلا کر خاکِ سیاہ کر رہا ہے،

اے چتا، کے بھڑکتے ہوئے شعلو، کاش تم مجھے اپنے نورانی آغوش میں لے لیتے، تاکہ میں اُس چتا میں جلنے والے (پران پتی) کے اجزائے پریشاں میں اپنی راکھ کے ذروں کو چھپا سکتی، آہ کیا تم مجھ پر رحم نہ کرو گے اور مجھے اس پیکرِ سوزاں کے آغوش سے محروم رکھو گے۔

میرے گرم گرم آنسوؤ، تھوڑی دیر کے لئے خشک ہو جاؤ کیونکہ تمہارا وجود میرے نظارۂ مایوس کا دشمن ہے، جب تم آنکھوں میں آکر مچلتے ہو تو میں اپنی جلتی ہوئی بہار کا تماشا نہیں دیکھ سکتی۔

میرا فلک پایہ نگاہ بامِ حیات ہے، اور میں زندہ ستی، اے چتا میں جلنے والے (پران پتی)، تمہارا خاموش جلنا میرے تلملا کر جلنے سے کہیں آسان ہے۔ تیری ہی شعلہ بار آنکھوں سے تماشا دیکھو، میں جلتی ہوں اور میرے سرمایۂ حیات سے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔

چتا ٹھنڈی ہو گئی، لوگ میری خاکسترِ تمنا کے ذرہ ہائے پریشاں کو گنگا کے پانی میں بہا رہے ہیں۔ میرے گرم گرم آنسوؤ مجھے وہاں تک بہا لے چلو، جہاں گنگا کی بیتاب لہریں اپنے آغوشِ شوق میں کسی کے اجزائے پریشاں کو لینے کی کوشش کر رہی ہیں میرا وہاں پہونچنا ضروری ہے، کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ چتا میں اکتسابِ نور کر رہے تھے۔ اب وہ یقیناً ماہِ کامل بنینگے اور مجھے گرد ہالہ

عرض حال

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین

وہ محترم مہمان جو سال بھر تک خلوت و جلوت مین ہمارا ہم جلیس رہا جسنے ہماری اُمیدونکی حوصلہ افزائی کی جسنے ترقی، تنزل، کامیابی۔ ناکامیابی۔ عروج و زوال۔ شادی و غم مین ہمارا ساتھ دیا۔ اب ہمسے رخصت ہو رہا ہے۔ اسکے ساتھ ہماری ناکام حسرتین اور نامراد تمنائین جا رہی ہین۔ کاش ہم اس سے زیادہ اُسکی قدر کرتے جتنا اُسنے ہمارا ساتھ دیا۔

یہ معزز مہمان ۱۹۲۲ء تھا، اور اب صرف وہ چند روزہ مہمان ہے، دسمبر کے بعد پھر اگر ہم اُسے ڈھونڈھین بھی تو نہ پائین گے، ساری دُنیا پر اُسکی حکومت تھی مگر اب یہ خود دنیا سے منھ موڑ کر جا رہا ہے جن قومون نے اسے پہچانا اِسنے انھین آگے بڑھایا مگر جس بدنصیب قوم نے خود پستی کو معراج تصور کر لیا وہ اسکے اُبھارنے سے بھی نہ اُبھرین۔

دنیائے ادب مین بھی اسنے روح پھونکنے کی کوشش کی۔ نئے نئے اخبارات اور نئے نئے رسائل جاری ہوے۔ بعض اخبار و رسالے ایسے نکلے جنکی موت زندگی کے ساتھ ساتھ آئی تھی، وہ پیدا ہوتے ہی مر گئے، لیکن انکی حیات و ممات مین اسکا ہاتھ شامل نہ تھا، وہ ملک کی ناقدروانی کا شکار ہوے اور عدم اشاعت اور کس مپرسی کی شکایت کرتے ہوئے دنیا سے چل بسے۔

زمانہ کے حق مین بھی یہ سال مفید ثابت ہوا بیس سال اسکی زندگی کے پورے ہو چکے ہین لیکن ہنوز اسکو وہ کامیابی نصیب نہین ہوئی جسکی ہمین تمنا تھی اور جسکے بغیر ہمارے ادبی خدمت کے حوصلے پورے نہین ہو سکے۔ تجارتی اصول کے لحاظ سے تو ہمکو اس خدمت سے اب سے بہت پہلے دست بردار ہو جانا چاہیے تھا مگر تجارت کے خیال سے ہمنے اس خدمت کو شروع ہی نہین کیا تھا لہذا ناکامیون کا بھی ہماری ہمت پر کچھ زیادہ برا اثر نہین پڑا لیکن اس سال کچھ ایسی آفتادین پڑین کہ کشمکش حیات کا مزہ آ گیا نئے خریدار جسقدر ہوے ـــ زیادہ تعداد ــــ (نے خریدار یا قدردانی کی مہلت مین فہرست خریداران سے خارج ہو گئے سادہ

دو سو روپے جو صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کی گورنمنٹ کمشنری الہ آباد کے دیسی مدارس کے لیے آج کئی سال سے خرید رہی تھی وہ بھی اس سال گورنمنٹ کی مالی مشکلات کے باعث بند ہو گئے ۔ بہر حال اس سال مالی نقصانات نے زمانہ کی روش پر بڑا اثر ڈالا ہے اور اسوجہ سے تصویروں کی اشاعت میں بھی کمی کرنا پڑی ۔ مگر ہم نئے سال سے پھر ترقی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ زمانہ نے اپنی عمر کے انیس سال کسطرح بسر کیے ہیں ۔ اسنے اردو ادب کی کیا کیا خدمات کی ہیں اور اردو ادب کو آگے بڑھانے کی کسقدر کوشش کی ہے اور کسقدر نقصانات برداشت کیے ہیں لیکن ہماری ہمت ابھی تک ان ناکامیوں سے پست نہیں ہوئی بلکہ ہم ملک کی علمی خدمت کیلیے پہلے سے زیادہ مستعد ہیں ۔

للہ الحمد کہ یکم جنوری سے زمانہ کی چالیسویں جلد شروع ہو گی اور زمانہ نہایت مسرت سے ناظرین کرام کی خدمت میں سال نو کی مبارکباد پیش کریگا ، وہ باوجود مالی نقصانات کے کوشش کریگا کہ اسکی سابقہ روش قائم رہے ، بلکہ حتی الوسع وہ اپنے ناظرین کی دلچسپی کے مزید اسباب فراہم کرنے میں ساعی ہوگا لیکن ناظرین کرام آپ کا فرض کیا ہوگا ۔ کیا آپ صرف رقص بسمل کا تماشا دیکھیں گے ۔ کیا آپ بیتابیوں کی سیر ہی کرنے پر اکتفا کرینگے ، کیا آپ اپنے اس دیرینہ ادبی خادم کو انھیں مشکلات میں مبتلا رہنے دینگے ، آپکو اپنی مخلصانہ نوازشوں کو کام میں لانا چاہیے ، زمانہ کی اشاعت میں امکانی کوشش سے دریغ نہ کرنا چاہیے اگر آپ چاہیں تو ذرا سی توجہ سے اسکی مشکلات آسان ہو سکتی ہیں اور اسکے مالی نقصانات کی تلافی ہو سکتی ہے ، اگر آپ کم سے کم دو جدید خریدار زمانہ کو عنایت فرمائیں تو اسکی حالت درست ہو سکتی ہے ، اور وہ آپ کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر مرکز بن سکتا ہے ۔

ہم اور دیگر کارکنان زمانہ ، اپنی سابقہ کوششوں میں اسی طرح سرگرم کار ہیں ۔ ہمارے قلوب میں ذوق ادب کا وہی ہیولا دریا موجزن ہے ، ہم چاہتے ہیں کہ زمانہ کو اچھی سی اچھی صورت میں آپکی خدمت میں پیش کریں اور آپ کی ضیافت طبع کے لیے بہتر سے بہتر سامان مہیا کریں لیکن آپ بھی ہمارا ہاتھ بٹائیں اور ہماری التجاؤں کو بھول نہ جائیں یعنی کم سے کم دو جدید خریدار زمانہ کو عنایت کریں ، اب ہم سال کی مبارکباد پر اپنی عرضداشت ختم کرتے ہیں

دل بیمار کا سنبھلنا کیسا
دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے

اطلاع ضروری

جن صاحبون کی خریداری ماہ جنوری سے شروع ہوتی ہے انکا حساب اس نمبر کے ساتھ ختم ہوگیا اور آیندہ سال کی قیمت واجب الادا ہوگئی۔ براہ کرم ایک ہفتہ کے اندر زمانہ کا سالانہ چندہ مبلغ پانچروپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائین ورنہ ایک ہفتہ کے بعد جنوری ۱۹۲۴ء کا پرچہ بذریعہ قیمت طلب پارسل (V.P) ارسال خدمت ہوگا۔ اور اسمین نئے قواعد ڈاکخانہ کے رو سے انکو چار آنہ بابت مصارف ڈاک برداشت کرنا ہونگے منی آرڈر سے ایک آنہ مین زمانہ کی سالانہ قیمت بھیجی جاسکتی ہے لیکن وی پی ایل یعنی قیمت طلب پیکٹ کے ذریعہ قیمت دینے مین پانچروپیہ چار آنہ ادا کرنا ہونگے۔ اسمین چار آنہ ڈاکخانہ لے جائے گا اور دفتر کو پانچروپیہ ملین گے۔

منی آرڈر بھیجنے والے کوپن مین اپنا نام اور پتہ مع نمبر خریداری صاف اور خوشخط تحریر فرمائین۔

جن صاحبون کو آیندہ خریداری جاری رکھنا منظور نہو وہ براہ کرم فوراً مطلع فرمائین تاکہ وہ قیمت طلب پیکٹ کے واپسی سے اور دفتر فضول نقصان سے محفوظ رہے گا۔

مینجر زمانہ

ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیاں ۴۰ سال سے تمام ہندوستان میں بک رہی ہیں

سینی لائن یعنی

خونی بواسیر اور خون بند کرنے کی دوا

ناک سے خون جاتا ہو تو تھوڑا سا یہ عرق سونگھ لینے سے اسی وقت بند ہو جاتا ہے سوڑھوں سے اگر خون جاری ہو تو سادی گرم پانی میں عرق ملا کر روز کلی کرنے سے سوڑھے سخت ہو جاتے ہیں اور خون بند ہو جاتا ہے منہ کے راستہ یا بلغم کے ساتھ خون جاتا ہو تو اس دوا کے پینے سے بند ہو جاتا ہے عورتوں کی پردر کی بیماری میں یا حمل کی حالت میں خون جاتا ہو تو اس دوا کے استعمال کرنے سے فوراً ہی آرام ہو جاتا ہے۔

خونی بواسیر

اس دوا کے کھانے اور پچکاری لینے سے رگیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور مرض جڑ سے جاتا رہتا ہے قیمت فی شیشی عہ پچکاری کانچ ۶

کولا ٹانک زیادہ فکر یا محنت یا غم و بیماری و تبدیل آب و ہوا کے سبب سے بدن کمزور ہو گیا ہو تو اسکو استعمال کیجئے نئی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ یہ دم کو بڑھاتا ہے اسلیئے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی۔ کشتی۔ کسرت۔ ناچ۔ گانا پڑھنا وغیرہ کاموں میں پہلے اسکو استعمال کرنے سے دم نہیں پھولتا یہ ہول دل دھڑکن کو روکتا ہے رات کو جاگنا ہو تو اسکو پی لیجئے تکان نہیں ہوگا یہ شراب اور افیون کی عادت کو چھڑاتی ہے قیمت ۳۲ خوراک کی شیشی ایک روپیہ چار آنہ عہ۔

پین ہیلر یہ ہر قسم کا اندرونی اور بیرونی درد۔ بہوم۔ چوٹ۔ گٹھیا کے سبب جوڑوں یا گانٹھوں میں ریاح یا سردی کے سبب کمر۔ کولھا پنجہ۔ گردن۔ یا اینٹھن وغیرہ سے جیسا بھی درد ہو پین ہیلر کی مالش سے فوراً جاتا رہتا ہے قیمت فی شیشی ۱۲ محصولڈاک ۶

سارسا یہ آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی خون سے ہے اسلیئے خون کا صاف رکھنا بہت ضروری ہے ڈاکٹر برمن کا ایوڈائڈ سارسا نہایت درجہ مفید ثابت ہوا ہے اسمیں کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے اس سارسا میں خاصکر پوٹاش آیوڈائڈ وغیرہ چند آزمودہ ادویات ملا کر بنایا ہے اسلیئے تمام سارسوں سے مفید ثابت ہو رہا ہے گرمی آتشک گٹھیا وغیرہ یا پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے اگر خون بگڑ گیا ہو تو اسکو استعمال کیجئے قیمت ع

جلاب کی گولیاں یہ میٹھی میٹھی جلاب کی بے ذائقہ گولیاں کل ہی بنتی ہیں اسلیئے وزن میں سادی ہوتی ہیں ان کو دو گولیاں کھا لیجئے علی الصباح بغیر گرمی و مروڑ کے پیٹ صاف ہو جائیگا اور لطف یہ کہ کھانے پینے کام کاج کی کچھ ممانعت نہیں قیمت ۱۶ گولیوں کی ڈبیہ ۹

نوٹ۔ ہمارے یہاں کی دوائیاں ہر جگہ دوا کے فروشوں اور ایجنٹوں کے یہاں ملتی ہیں پتہ۔ ڈاکٹر ایس کے برمن

ایجنٹ۔ دیبی دین اینڈ سنز۔ کلکٹر گنج۔ کانپور۔

آزاد
اخبار کانپور

اردو کا بہترین ملکی اخبار جو اڈیٹر صاحب زمانہ کی زیر نگرانی ہر پنجشنبہ کو کانپور سے شائع ہوتا ہے۔ آزاد ملکی واقعات کا ایک مکمل آئینہ ہے۔ قیمت سالانہ للہ ششماہی عہ

نمونہ مفت۔ المشتہر منیجر آزاد کانپور

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس [illegible] و مجلس [illegible] بیک وقت [illegible] کتابیں ایک ماہ [illegible] لے سکیں گے

۲- اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات [illegible] بیک وقت [illegible] کتابیں ایک ماہ کے لیے [illegible] اور [illegible]

۳- ارکین دارالترجمہ [illegible] شدہ دو کتابیں [illegible] [illegible] لے سکیں گے

۴- طلباء ایم اے ایم ایس سی ال ال بی [illegible] بیک وقت [illegible] ہوں تو طلب کرنے پر [illegible]

۵- [illegible] کتابیں [illegible] [illegible] چار [illegible] لے سکیں گے

۶- [illegible] پانچ کتابیں [illegible] مقررہ [illegible] کتابیں [illegible] واپس [illegible] لے سکیں گے

۷- [illegible] کتابیں [illegible] جاری کی جا سکیں گی [illegible] لازم ہے

۸- [illegible] کتاب کا لانا لازم ہے

۹- کتابیں گم [illegible] ہو جائیں تو [illegible] ذمہ داری

۱۰- کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا حاشیہ [illegible]

۱۱- کتابوں [illegible] [illegible] کی کتابیں [illegible] [illegible] دی جا سکیں گی فقط